UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222816

UNIVERSAL
LIBRARY

UnEven Page Numbers Within The Book Only

نو گرفتار قفس

C P. Cawnpore

A DRUID.

ایک ڈروئیڈ—قدیم اہل بر طانیہ کے پروہت

Commercial Press, Cawnpore.

CHECKED 1968

فہرست مضامین رسالہ زمانہ

Checked 1968

جلد چہل و یک

از جولائی تا دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

تصاویر — (۱) نوگرفتار قفس (۲) ایک ڈرا دیشنڈ (۳) خود آرائی ۔

نمبر شمار	مضامین نثر	نام مضمون نگار	صفحہ
۱	انگلستان مین روما کی حکومت	از مسٹر ہری کرشن بلند شہری	۱
۲	مذہب و سائنس	از وطن پرست	۱۸
۳	عشاق عرب	از مولوی محمد حسین صاحب حسان	۲۴
۴	زراعتی کہاوتین	از مسٹر مدن کشور شادان	۳۲
۵	ملکانون کی شدھی (جواب)	از منشی اقبال بہادر ورما سحر ہنگامی	۳۵
۶	اسکولون مین بچون کا معائنہ	از مولنا ابو صوفیہ بھوپال	۶۱
۷	رقیب	از جناب اعظمی سہسوانی	۶۵
۸	انسانیت اور اسلام	از مرزا عاشق علی بیگ مرادآبادی	۷۰
۹	چارلس ڈارون	از جناب عالی لکھنوی	۷۵
۱۰	ابھاگ (قصہ)	از مسٹر گوپال کرشن یاس	۷۹
۱۱	پایان وفا	از ابوالولا محمد ذکریا بابلی	۹۵
۱۲	لوکمانیہ تلک	از چودھری ہیمسری پرشاد نگم	۹۸
۱۳	ہندو سنگھٹن	از جناب چودھری	۱۱۷
۱۴	ہندوستانیونکی گیانگت	از پنڈت پربھودیال مصر عاشق لکھنوی	۱۲۴
۱۵	گوسوامی تلسی داس	از منشی اقبال ورما سحر ہنگامی	۱۳۴
۱۶	ابوالطیب بن احمد متنبی	از سید ابو محمد ثاقب کانپوری	۱۴۰
۱۷	نباتی زندگی کے اسرار	از مسٹر اندریاس سی	۱۴۴

نمبر شمار	نام مضامین نثر	نام مضمون نگار	صفحہ
۱۸	نصیر کی ناکامی	از منشی محمد یٰسین تسکین سورتی	۱۴۵
۱۹	ہنس کا جوڑا	از حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی	۱۵۳
۲۰	ردفن یا جلانا ذکر اسم	از رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم انڈوکیٹ	۱۶۱
۲۱	بدھ مت کی کتب مقدس	از رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم انڈوکیٹ	۱۶۳
۲۲	نوضمیر	از خان بہادر مرزا سلطان احمد	۱۷۶
۲۳	گردھاری لال شرما	از مسٹر سلیم جعفر	۱۸۶
۲۴	مہاتما گاندھی کی شخصیت	از جناب چوہری	۱۹۴
۲۵	انجام غم	از مسٹر عبدالمنعم علیگ	۱۹۸
۲۶	جواہرات عالم	از مسٹر رام سرن نگم ایم۔ایس سی	۲۱۱
۲۷	انتقام	از منشی افتخار الرسول بدر	۲۱۶
۲۸	لارڈ مارلے مرحوم	از منشی امنت پرشاد نگم۔بی۔اے۔ایل ایل بی	۲۲۹
۲۹	گیا نشوری	از مسٹر جے دیال سکسینہ بی اے	۲۳۴
۳۰	وسعت اور محنت	از جناب تماشائی بریلوی بے اے	۲۳۹
۳۱	پریسیڈنٹ ہارڈنگ	از چوہری مہیشری پرشاد نگم	۲۴۸
۳۲	جواہرات عالم	از مسٹر رام سرن نگم ایم ایس سی	۲۵۱
۳۳	حسن سیرت	از خان بہادر مرزا سلطان احمد	۲۵۵
۳۴	کلن ڈاکو	از محمد فضل حق مقصم بی اے۔(آنرز)	۲۵۹
۳۵	سوکن کا جلاپا	از مولوی محمد اسمٰعیل ہاتف بہوپالی	۲۶۵
۳۶	اخوت انسان کی وسعت	از مولانا سید محمد حفیظ ابرہی بی اے	۲۸۵
۳۷	حکیم مومن خان مومن	از مولوی محمد یحییٰ تنہا بی اے ایل ایل بی	۲۹۰
۳۸	اقبال مندی کا راز	از مسٹر جے آر رائے	۳۰۸
۳۹	ختنہ کی رسم	از رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم ایڈوکیٹ	۳۱۲

نمبر شمار	مضامین نثر	نام مضمون نگار	صفحہ
۴۰	گوتم بدھ	از مولوی محمد اسمٰعیل ہاتف بھوپور	۳۱۶
۴۱	حسین جاسوس	از مسٹر جی پی ٹھاکر	۳۱۸
۴۲	جواہرات عالم	از مسٹر رام سرن نگم ایم ایس سی	۳۳۰
۴۳	مصر و عراق	از مولانا ابوالمعانی مرزا یاس عظیم آبادی	۳۳۳
۴۴	پوسٹ ماسٹر	از مسٹر محمد شاہ وٹی یعنی بی اے (آنریری)	۳۳۶
۴۵	تنقید کتب	از حضرت اعظمی	۴۴/۱۰۱/۲۶۸
۴۶	علمی نوٹ و خبریں	از ایڈیٹر	۵۷/۱۱۱/۲۱۸

نمبر شمار	مضامین نظم	نام مضمون نگار	صفحہ
	حصہ نظم		
۱	پپیہا اور پی کہاں	از مسٹر شیام موہن لال جگر بریلوی بی اے	۴۹
۲	نوائے عشق	از مولوی محمد یٰسین تسکین سورونی	۵۳
۳	پپیہا اور پی کہاں	از شیام موہن لال جگر	۱۰۶
۴	نوائے حسرت	از مولانا حسرت موہانی	۱۰۹
۵	امواج تخیل	از محمد مبین نادش بدایونی	۱۱۰
۶	پپیہا اور پی کہاں	از مسٹر شیام موہن لال جگر بی اے	۲۲۰
۷	درد دل کی داستان	از جناب ناشاد	۲۲۳
۸	آئینہ بیدلی	از جناب احسن سنبھلی	۲۲۵
۹	جگانے کا ناؤ	از منشی دتتہ پرشاد فدا بی اے	۲۲۶
۱۰	بادۂ کہن	غزل خورشید لکھنوی مرحوم مع سریر شاہی مرحوم	۲۲۷
۱۱	انجام کار	از مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی	۱۶۳

نمبر شمار	نام نظم	نام مضمون نگار	صفحہ
۱۲	حاتم طے	از منشی اقبال ورما سحر چیگامی	۱۶۵
۱۳	شادی و غم	از منشی محمد یٰسین تسکین سوروی	۱۶۷
۱۴	نرم گفتاری	از منشی تلوک چند محروم	۱۶۹
۱۵	ممولا	از منشی شیام موہن لال جگر بی اے	۲۷۴
۱۶	آزادی ہند	از مولوی محمد یحییٰ تنہا بی۔ اے	۲۷۸
۱۷	کلام فراق	از منشی رگھوپت سہائے فراق بی اے	۲۸۰
۱۸	سکوت شام	از منشی حامد اللہ افسر بی اے میرٹھی	۳۴۲
۱۹	رموز ہستی	از نواب وصی علیخان وصف لکھنوی	۳۴۳
۲۰	بچھر کی کہانی	از مسٹر سید راحت حسین بی اے ایل ایل بی	۳۴۴
۲۱	غزل حضور والا	از مولوی محمد اسمٰعیل ہاتف بھوپالی	۳۴۶

لطف سخن

جناب محشر لکھنوی، جناب رونق، جناب رواں، جناب مرزا عباس لکھنوی	۵۵
جناب اصغر، جناب اثر، جناب جگر بسوانی، جناب بیکتر بسوانی، جناب واقف بسوانی جناب افسر	۱۷۰
جناب مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی، جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ شوق	۲۲۸
جناب اصغر، جناب اثر لکھنوی، جناب تنویر	۳۴۷

زمانہ

جلد ۴۱ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء نمبر ۱

انگلستان میں اہل روما کی حکومت

(از ہربلاس مختار بلند شہر)

غیر کے فیض پر کبھی تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ
کوشش ذاتِ خاص پر ناز کر اعتماد کر

اکثر مورخ و جغرافیہ دان کسی ملک کے عروج و زوال کو اسکے حدود اربعہ و آب و ہوا سے منسوب کرتے ہین اور اسی اصول پر کاربند ہو کر ہندوستان کے زوال اور انگلستان کے عروج کی وجہ ان ممالک کے حدود اربعہ و آب و ہوا بتلائی جاتی ہے۔ ممکن ہی کہ ہندوستانی طالب علمونکو ہمیشہ کے لئے غلام بنائے رکھنے کے لئے اور اُنکے نازک اور زود اثر پذیر دل و دماغ پر یہ نقش کالحجر کرنے کے لئے کہ خواہ وہ آزادی کے لئے کتنے ہی ہاتھ پیر کیون نہ ماریں لیکن وہ گرم ملک کے کابل باشندے ہونے کی وجہ سے باشندگان ممالک مغربی کے مقابلہ مین جو سرد ملک کے رہنے والے ہین اور جو فطرتاً بہادر و جفاکش ہین ہرگز بازی نہین جیت سکتے، یہ بھی ایک ترکیب ہی جو ہمیشہ مہذب فاتح اقوام کمزور قومون کو دائمی غلامی کے جال مین پھنسانے کے لئے استعمال کرتی ہین۔ ہم جب ہندوستان کی متعدد تواریخون اور جغرافیون مین جو ہمارے انگریزی و سرکاری و امدادی مدرسون مین پڑھائی جاتی ہین، مذکورۂ بالا خیالات کی تائید دیکھتے ہین تو ہمارا گمان مبدل بہ یقین ہو جاتا ہے اور ہمکو لارڈ میکالے کا یہ مشہور تاریخی فقرہ کہ "انگریزی تعلیم سے ہم ہندوستان مین ایسے ہندوستانی پیدا

کرنا چاہتے ہیں جو صرف اس قدر میں تو ہندوستانی ہوں، باقی لحاظ خیالات وطرز معاشرت وتہذیب انگریز ہوں" یاد آجاتا ہے، منجملہ اور باتوں کے اس نئے ہر ملے خیال نے بھی ہندوستانیوں کو بہت کچھ نقصان پہونچایا اور وہ سمجھنے لگے کہ ہم ازل سے ابدی غلامی کے لئے بنائے گئے ہیں، تاریخ انگلستان کا ہر ورق ہمارے لئے ایک درس نصیحت وعبرت ہے، لیکن ہم بنظر تعمق مطالعہ کرنے کے عادی نہیں۔

سرکشی قدرتصور سے ہیں کرتے پھرتے کل کی ہی بات ہوئے تھے جو ذرا سے پیدا

آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل انگلستان کا نام برطانیہ تھا اسکے جغرافی حدود اُس زمانہ میں بھی وہی تھے جو آجکل ہیں جس طرح کہ ہندوستان کے جغرافی حدود ڈھائی ہزار برس قبل وہی تھے جو آج ہیں۔ اُس زمانہ میں برطانیہ کے بیشتر حصہ میں جنگلات تھے جن میں خونخوار وحشی درندے کثرت سے آباد تھے۔ باشندگان پڑھے لکھے نہ تھے، اُنکا وقت ٹین کے ہتھیاروں سے اُن جانوروں کے شکار میں صرف ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ جَو کی کاشت کرنا سیکھ گئے، اور بانسوں کی ٹوکریاں اور مٹی کے برتن بنانے لگے۔ یہ اپنے جسم پر نیلے نشانات گدواتے تھے۔ غیر ممالک کے باشندے جہازوں میں بیٹھکر ٹین خریدنے کے لئے یہاں آتے تھے کیونکہ برطانیہ اس حصہ میں جسکو آج کل کارنوال کہتے ہیں ٹین بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ٹین کے وہ یہاں کے باشندوں کو بھی پکڑکر لیجاتے تھے۔ جنکو غیر ممالک میں بطور غلام بیچ دیتے تھے۔ باوجود اس تمام جہالت کے باشندگان برطانیہ لامذہب نہیں تھے۔ یہ بُت پرست تھے۔ علاوہ ذاتِ وحدت (ایشور) کے سورج۔ چاند۔ ستاروں اور دوسرے بنوں کی پرارتھنا کرتے تھے۔ جانوروں کو قربان کرکے آگ میں ڈالتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دیوتاؤں نے اُسکا گوشت کھالیا۔ دس مارچ کو نوروز مناتے تھے۔

انکے مذہبی پیشوا ڈروئڈ (DRUIDS) کہلاتے تھے۔ یہ قانون بناتے تھے۔ مقدمات فیصل کرتے تھے۔ لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ جو زیادہ تر مذہبی ہوتی تھی جیسا کہ اُن ممالک میں جہاں عنانِ حکومت بالواسطہ یا بلاواسطہ مذہبی لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے، عموماً ہوتا ہے۔ ڈروئڈ لوگ لمبے چوغے پہنتے تھے۔ اکثر ادویات بھی رکھتے تھے اور مفت علاج کرتے تھے۔ انکی دوائیں زیادہ تر جنگل کی جڑی بوٹیوں سے تیار کی جاتی تھیں۔ گوئے لوگ بہادروں کے کارنامے دوہوں وغیرہ پر گاکر سناتے پھرتے تھے اور یہی انکا ذریعہ معاش تھا۔

انگلستان کے پرانے مورخین کا خیال تھا کہ سابق اہل برطانیہ جاہل مطلق تھے، لیکن بعد کی معلومات سے اسکی تردید ہوگئی ہے۔ ماہران علم عمارات قدیمہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان باشندون سے پیشتر بھی اس جزیرہ مین ایسے لوگ رہتے تھے جو ان سے کہین زیادہ مہذب تھے۔ یہ قدیم باشندگان اہل فینشیا (PHOEINICIANS) سے جو جہاز مین بیٹھکر یہان آتے تھے ٹین۔ تانبہ۔ غلہ۔ مویشی۔ سونے چاندی اور ادنی قسم کے موتیون کی تجارت کرتے تھے یہ حالات اُس زمانہ کے ہین جب مصر۔ سیریا اور بابل کی سلطنتین عروج پر تھین۔ ان پرانی قبرون سے جو حال مین کھودی گئین تھین اُنکے قدیم باشندگان کی نسبت صرف یہ معلوم ہوسکا ہے کہ یہ استعمال زیورات کے بہت شائق تھے۔ وہ عنبر اور جٹ[1] (JET) کی مالائین اور سونے کی بالیان چھلے۔ بازوبند اور ہنسلیان پہنتے تھے۔ پتھر کی دستی چکیون سے آٹا پیستے تھے۔ جانورون اور مچھلیون کی ہڈیون سے اِنکے کھانے کا پتا ملتا ہے۔ لوہے کے ہتھیار استعمال کرتے تھے، اور مسئلہ تناسخ کے قائل تھے۔ انکی بنائی ہوئی عمارتین اس قسم کی ہین کہ بلا جرثقیل کی مدد کے اور بغیر کمال فن معماری کے ہرگز نہین بن سکتین، اور ہزارہا برس گزر جانے پر بھی انکا مصالحہ وچونہ اپنی جگہ سے نہین ہلا ہے۔ لیکن اُس زمانہ کی کوئی ایسی تصنیف نہین ملتی جن سے اُن قدیم باشندگان کے حالات وخیالات پر مزید روشنی پڑے۔ خیال اغلب یہ ہے کہ اہل برطانیہ جنکے متعلق یہ مضمون لکھا گیا ہے انھین قدیم باشندگان کے اُجڑے ہوئے چمن کے خس وخاشاک تھے۔ امتداد زمانہ نے جہالت کے تاریک غار مین انکو گرا دیا تھا۔ اقبال اور علم کا آفتاب غروب ہوچکا تھا۔ اُس تاریکی مین صرف ڈروڈس (DRUIDS) کے دل ودماغ سے ایک دھندلی سی روشنی ظاہر ہوتی تھی جسکی وجہ سے یہ لوگ اپنی زندگی کی منازل طے کرتے تھے۔ مگر فن جنگ اب تک زندہ تھا۔ اگرچہ حالت نزع مین تھا۔ انمین قدیم بہادرون اور اولوالعزم بادشاہون کے حالات دوبارہ پڑھکر سنائے گا اور قوم کے جذبات جنگ کو قائم رکھنے اور برافروختہ کرنے کا رواج اب بھی جاری تھا۔ کیلٹس وغیرہ اقوام جو برٹن مین کئی صدی بعد آئین۔ کچھ عرصہ لڑبھڑکر انھین لوگون مین ہندوستان کی ہنس وغیرہ

---

[1] سیاہ رنگ کی ایک چمکیلی دھات کا نام ہے۔

( ) اقوام کی طرح خلط ملط ہوگئین۔

جس زمانہ مین اہلِ رُوما نے برطانیہ پر حملہ کیا اُنھون نے وہان کیلٹس (CELTS) لوگون کو (جنکی نسبت رومی مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ وہ سابق ملک گال (GAUL) (فرانس) سے جاکر آباد ہوئے تھے) موجود پایا۔ سب سے پہلے برطانیہ کا مشہور عالم رومن جنرل جولیس قیصر اور رومن مؤرخ ٹیسی ٹس (TACITUS) نے ۵۵ء قبل عیسیٰ مین لکھا ہے حملہ کیلٹس کی (جو اہل روما کے حملہ سے کئی صدی پیشتر برطانیہ مین جاکر آباد ہوئے) تاریخ مین کوئی تفصیل نہین ملتی، اور نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح وہ ساکنانِ قدیم برطانیہ سے لڑے بھڑے اور کیونکر انکے ساتھ شیر وشکر ہوگئے۔ بلاشبہ یہ واقعات فنِ تاریخ نویسی کے پہلے ظہور پذیر ہوئے جو لوگ ساحلِ برطانیہ پر آباد تھے وہ اُن باشندگان سے جو اندرون ملک مین رہتے تھے۔ بہت زیادہ مہذب تھے۔

جولیس قیصر نے جو سلطنت روم کا مشہور جنرل پریسیڈنٹ۔ شاعر۔ مؤرخ۔ مقنن۔ محاسب اور فاتح اعظم تھا۔ فرانس کو فتح کرنے کے بعد ۵۵ء قبل مسیح مین جزیرۂ برطانیہ پر حملہ آور ہوا۔ اگرچہ بظاہر حملہ کا بہانہ یہ تھا کہ اہل برطانیہ نے اقوامِ گالس[1] سکنۂ فرانس کو اہل روما کے خلاف مدد دی تھی۔ لیکن اسکا اصل سبب یہ تھا کہ جولیس اس جزیرہ مین رومن جھنڈے کو سب سے پہلے لیجانے اور فتح کرنیکا آرزومند تھا۔ اہل برطانیہ کے مقابلے اور اُنکی دیگر جنگی قابلیتون کا حال اسنے اِس طرح لکھا ہے۔

"یہ لوگ (یعنی اہل برطانیہ) شہر کے چارون طرف خندق کھودتے ہین اور مٹی اور کٹے ہوئے درختون کی مدد سے پشتے بناتے ہین۔ تلوارین برچھے اور چھوٹی ڈھالین استعمال کرتے ہین جو اعلیٰ درجہ کی کاریگری کا نمونہ ہین۔ بوقت جنگ رتھ مین بیٹھکر لڑتے ہین۔ رتھ کے پہیون مین جہان چابی لگتی ہے مہلک تیز درانتی کے شکل کی چارون طرف لوہے کی دھاردار سلاخین لگی رہتی ہین جو پہیون کے گھومنے سے چارون طرف چکر کھانے لگتی ہین۔ اور میدان جنگ مین

---

[1] ممکن ہے کہ یہ لفظ گالس بگڑ کر بنگیا ہو کیونکہ یہ لوگ رسم ورواج مین گالس سے بہت مشابہ تھے۔

قیامت برپا کر دیتی ہیں۔ شروع میں وہ اپنے رتھوں کو چاروں طرف دوڑاتے ہیں اور تیروں سے لڑتے ہیں۔ انکے گھوڑوں کی تیز رفتاری اور بہیوں کی خونریزی سے دشمن کی پیدل فوج میں تہلکہ پڑجاتا ہے۔ جب یہ اس طرح سے بڑھتے ہوئے دشمن کے رسالوں میں (CAVALRY) گھس جاتے ہیں تو تلواروں سے کود پڑتے ہیں۔ اور پیدل لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس دوران میں رتھبان (رتھوں کے ہانکنے والے) لڑائی کی جگہ سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور رتھوں کو اس طرح باقاعدہ کھڑا کر دیتے ہیں کہ اگر سوار فوج مخالف سے مغلوب ہو کر پیچھے ہٹیں تو فوراً اپنے اپنے رتھوں میں سوار ہو جائیں۔ بوقت جنگ رسالہ (CAVALRY) تیزی و صفائی میں اور پیدل فوج (INFANTRY) استقلال میں انکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور یہ کثرت مشاقی و کمال تربیت کی وجہ سے نہایت ہی ڈھلوان اور خطرناک مقامات پر سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی باگیں کھینچکر ایکدم روک لیتے ہیں۔ نہایت ہی پھرتی سے رتھ کے بمب پر قدم جما کر دشمن پر نیزے سے حملہ کرتے ہیں۔ اور بجلی کی طرح پھر رتھ میں پناہ گزین ہو جاتے ہیں۔

مورخین اسپر متفق ہیں کہ جس زمانہ میں اہل یونان و بابل گمنامی میں خواب شیرین کے مزے لے رہے تھے، اہل ہند کا سکہ چار دانگ عالم میں جاری تھا۔ تمام سرزمین انکے زیر نگین تھے۔ اہل ہنود کی مقدس کتاب مہابھارت میں (جسکے واقعات کو گزرے پانچ ہزار سال کا عرصہ ہوا) فرمانروایان یورپ کے جنگ مہابھارت میں شریک ہونے کا حال بالتفصیل درج ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں ممالک یورپ و امریکہ اسٹریلیا و افریقہ میں اہل ہند کی نوآبادیاں واقع تھیں جس طرح فی زمانہ ہندوستان انگلستان کا مفتوحہ ملک ہے، اسی طرح زمانۂ قدیم میں انگلستان اہل ہند کا مقبوضہ مفتوحہ تھا اور اہل انگلستان ہندی تہذیب سے سبق سیکھتے رہے۔

فیلولوجی (علم الالسنہ) کے ماہران نے ڈاڈرگ کو قریب المخرج مانا ہے، اور یہ قرین قیاس ہے کہ سنسکرت لفظ گرو بگڑکر ڈروڈ ہو گیا ہو جسکی وجہ ممکن ہے کہ اہل برطانیہ کے گلے کی ساخت ہو اور بعد مکانی و زمانی ہو۔ دروڈ لوگوں کا ڈھیلے کپڑے پہننا۔ سر پر صافہ کی طرح کپڑا لپیٹنا اور کمر سے پٹکہ کی طرح پٹکہ باندھنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ لوگ ہندوستانی آریوں کی مفتوحین

مین سے تھے۔ جنگ مہابھارت تک آریون کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمکتا رہا اسکے بعد زوال شروع ہوا، اور زوال کے ساتھ ہی نوآبادیون اور مفتوحہ ممالک بھی یکے بعد دیگرے قبضے سے نکلنے لگے۔ کیونکہ اس جنگ مین ہندوستان کے تمام بڑے بڑے عالم فاضل شجاع سپہ سالار کام آگئے اور پھر یہ ملک اس قابل نہ رہا کہ اپنے دور دراز مقبوضات و نوآبادیون کی خبر گیری کر سکتا جنگ مہابھارت کے ڈھائی ہزار سال بعد ہم برطانیہ کو مذکورۂ بالا عالم تنزل مین پاتے ہین جسکا حال رومن مورخون نے لکھا ہے۔

ذیل مین ہم بالمقابلہ ہندوؤن اور قدیم اہل برطانیہ کے کچھ رسم و رواج لکھتے ہین جس سے ہمارے دعویٰ کی تائید مزید ہوتی ہے۔

اہل ہنود	سابق اہل برطانیہ
۱۔ ایک خدا اور سورج چاند وغیرہ ستارونکی پرستش کرتے ہین۔	۱۔ ایک خدا اور سورج چاند وغیرہ ستارونکی پرستش کرتے تھے۔
۲۔ انکے مذہبی پیشوا گرو کہلاتے ہین۔	۲۔ انکے مذہبی پیشوا ڈروڈ کہلاتے ہین گ اور ڈ قریب المخرج ہین اور بعد مکانی و زمانی اس فرق کے باعث ہین۔ گرو اور ڈرو ملتے جلتے الفاظ ہین۔
۳۔ گرو عوام کو محض مذہبی تعلیم دیتے تھے۔ مقنن ہوتے تھے اور عوام کے تنازعات کا فیصلہ کرتے تھے۔	۳۔ ڈاوڈ عوام کو محض مذہبی تعلیم دیتے تھے عوام کو قوانین کا پابند بناتے تھے اور انکے تنازعات کا فیصلہ کرتے تھے۔
۴۔ لمبے چوغہ پہنتے تھے۔ ادویات رکھتے تھے اور مفت علاج کرتے تھے۔ سنیاسی عام طور پر مذہبی گرو ہوتے تھے۔ یہ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے تھے۔ اکثر علم طب سے واقف ہوتے تھے اور مفت علاج کرتے تھے۔ انکی دوائین زیادہ جنگل کی جڑی بوٹیان ہوتی تھین۔	۴۔ درووڈ بھی سرد ملک کے باشندے ہوتے ہوئے لمبے چوغہ پہنتے تھے جو اہل ہند کے سنیاسون کی تقلید ہے، اور اکثر علم طب سے واقف ہوتے تھے اور مفت علاج کرتے تھے۔ انکی دوائیان بھی جنگل کی
۵۔ باشندے عموماً زیورات کے شائق	

اہل ہنود	سابق اہل برطانیہ
ہوتے ہین اور اہل ہند کی تاریخ بتلاتی ہے کہ یہان مردون اور عورتون مین زیورات پہننے کا عام رواج تھا اور اب بھی ہے۔ مالائین قسم قسم کی اب بھی استعمال ہوتی ہین۔	جڑی بوٹی ہوتی تھین۔
۶۔ پتھر کی دستی چکیون کا اب بھی گھر گھر رواج ہے۔	۵۔ قدیم اہل برطانیہ بھی بلا تخصیص مرد و عورت کے زیورات پہنتے تھے اور جٹ کی مالائین استعمال کرتے تھے۔ اور سونے کی بالیان چھلے بازو بند اور ہنسلیان پہنتے تھے۔
۷۔ لوہے کے ہتھیار ہمیشہ استعمال مین رہتے ہین۔	۶۔ پتھر کی دستی چکیون سے اناج پیستے تھے۔
۸۔ مسئلہ تناسخ ویدک مذہب کا خاص جزو ہے۔	۷۔ لوہے کے ہتھیار استعمال کرتے تھے۔
۹۔ جانورون کو قربان کرکے اب بھی آگ مین ڈالتے ہین۔ مذہبی کتابون کے دیکھنے سے گوشت سے ہوَن کرنے کا پتہ چلتا ہے اور یہ خیال کرتے ہین کہ دیوتاؤن نے قربانی قبول کرلی۔	۸۔ مرنے کے بعد زندگی کے قائل تھے جو تناسخ کی ایک شاخ ہے۔
۱۰۔ ہندوؤن کا مشہور و معروف تیوہار ہولی وسط مارچ مین ہوتا ہے۔ اِس موقع پر پُرانا ہندو سمّت ختم ہوتا ہے، اور نیا سمّت شروع ہوتا ہے۔ تیوہار دولینڈھی کو جسکو دھول بھی کہتے ہین نئے سمّت یعنی سال کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ بھی ہندو قوم کا	۹۔ جانورون کے گوشت سے ہوَن کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دیوتاؤن نے گوشت کھا لیا۔
	۱۰۔ انکا نوروز ماہ مارچ کی دسوین تاریخ کو ہوتا تھا۔

اہل ہنود	سابق اہل برطانیہ
نوروز ہے - اس روز تمام آدمی خوشی مین متوالے ہوتے ہین اور دیرینہ سال کی رنجشون کو بھلا کر آپسمین بغلگیر ہوتے ہین اور ایک دوسرے کے مکان پر بغرض ملاقات جاتے ہین -	
۱۱- دوتارے پر بہادرون کے کارنامے گاکر سُناتے ہین - زمانہ سابق کی طرح اب بھی مختلف صوبہ جات مین گوشائین وغیرہ مختلف اقوام کے لوگ وہان کے بہادرون کی سوانح عمری دوتارے پر گاکر سُناتے پھرتے ہین اور اس طرح اپنی روزی کماتے ہین - ہمارے صوبہ مین شوجی کا بیاہ - رکمنی منگل - نرسی کا بھات - راجپوتانہ مین مہارانا پرتاپ اور بابا راول - مہاراشٹر مین سیواجی کے حالات گاکر سُناتے پھرتے ہین - یہی حال اور صوبون مین بھی ہے -	۱۱- قدیم اہل برطانیہ مین ایک مخصوص فرقہ تھا جو قومی بہادرون کے کارنامے دوتارے پر جسکو اُنکی زبان مین چرٹ کہتے تھے گاکر سُناتے پھرتے تھے اور اس طرح سے اپنی روزی کماتے تھے -
۱۲- قدیم آرین اور زمانۂ مابعد کے ہندو راج رتھون مین چڑھکر جنگ کرتے تھے اور اُنمین گھوڑے جوتتے تھے - ڈھال - تلوار اور نیزون سے لڑتے تھے -	۱۲- یہ بھی جنگی رتھون مین گھوڑے جوت کر میدانِ جنگ مین لڑتے تھے - ڈھال تلوار کے استعمال اور نیزہ بازی مین مشاق ہوتے تھے -

مندرجۂ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ اہل ہند کی تہذیب کے خوشہ چین مثل

اور اقوام کے قدیم اہل برطانیہ بھی تھے - اور یہ کہ موجودہ جاہل کمزور غلام پست ہمت اور مفلس ہندو بھی کسی زمانہ مین ہمارے موجودہ حکمران انگریزون کے آباو اجداد کے فاتح اور استاد تھے - شعر -

ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے یہی دنیا کا کارخانہ ہے

اس زمانہ مین سلطنت رومۃ الکبریٰ کے ڈنکے چار دانگ عالم مین بج رہے تھے - اس سلطنت کا صدر مقام مشہور و معروف شہر روم تھا - اس شہر کی بنیاد کے وقت سے اسمین شخصی سلطنت قائم ہوئی کچھ عرصہ تک بادشاہ حکومت کرتے رہے - آخری بادشاہ ٹارکوئی نس سپربس (TARQUINUS SUPERBUS) اور اسکا ولی عہد کیکسٹس نہایت ظالم اور بدکار تھے - باشندگان روم نے انکی دست درازیون سے تنگ آکر بغاوت کی اور تمام شاہی خاندان کے آدمیون کو مار پیٹ کر نکال دیا اور تمام شہر و علاقہ مین جمہوری سلطنت قائم کردی اور حکمران جماعت کا نام سینٹ رکھدیا گیا - جسمین تمام شہر اور علاقہ کے نمائندے جمع ہوکر کارہائے سلطنت انجام دیتے تھے - فتوحات کے زیادہ ہونے سے سینٹ کے پریسیڈنٹ یعنی میجلس کے اختیارات وقعت بھی زیادہ ہوتی گئی - رفتہ رفتہ فوج کے سپہ سالارون کا پریسیڈنٹ بننے کا شوق حد سے زیادہ بڑھ گیا اور انتخاب بجائے عوام کی آواز کے تلوار کی زبان سے ہونے لگا - اگرچہ فوجی پریسیڈنٹ بظاہر بادشاہ کا لقب اختیار کرنے سے گریز کرتے تھے - کیونکہ آخری شاہ کی افواج کے وقت سے بادشاہ کا لفظ ایک حقارت آمیز کلمہ بنگیا تھا لیکن شاہی طاقتون کا خودسرانہ طور پر استعمال کرنا شیر مادر سمجھتے تھے - انھین اولوالعزمون مین جولیس سیزر (قیصر) بھی تھا - جسنے تمام یورپ - مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ مین رومن فتوحات کے جھنڈے نصب کردیئے - اور سلطنت رومۃ الکبریٰ کا مشہور و معروف پریسیڈنٹ ہوا - اپنے کارنامون کی وجہ سے یہ دنیا کے معدودے چند چوٹی کے برگزیدہ اور مشاہیر شخصیتون مین سمجھا جاتا ہے - اس نے ۵۵ قبل مسیح مین انگلستان کے کچھ حصے کو فتح کیا چونکہ سلطنت رومانیہ جنگیون کا تکا رہنی ہوئی تھی جولیس قیصر کو اپنا کام نامکمل چھوڑکر روم واپس آنا پڑا - اسکے دیگر رومن جنرل وہان گئے اور تقریباً ڈیڑھ سو سال کے عرصہ مین برطانیہ کو بالکل فتح کرلیا

قریب قریب پونے پانچ سو برس تک انگلستان اہل روما کے زیر نگین رہا۔ اپنا قبضہ جمانے کے لئے فاتحون نے مغلوبین کی مذہبی جذبات و دنیوی تکالیف کا کچھ خیال نہ کیا۔ چونکہ فاتح و مفتوحین کے مذاہب مین مغائرت تھی اسلئے مذہبی پیشوا ڈھونڈھ ڈھونڈھکر ہلاک کئے گئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دو پاک شخصیتین ملکہ بوڈیشیا (BOADICEA) و شہزادہ کراڈک (CARADOC) حکمرانون کے خلاف اپنے ملک کی حمایت مین اٹھین۔

۵۰ء مین رومن جنرل اسٹوریس اسکیپولا (OSTORIUS SCAPULA) نے یہ اعلان جاری کردیا کہ جہان تک برطانیہ مین حکومت روما کا جھنڈا لہراتا ہے رعایا مین سے کوئی متنفس ہتھیار استعمال نہ کرے بلکہ اپنے تمام ہتھیارات گورنمنٹ کے حوالہ کردے۔ اس قانون اسلحہ کے نافذ ہوتے ہی رعایا سے زبردستی ہتھیار چھینے جانے لگے۔ اسوقت شہزادہ کراڈک میدان مین آیا اور انگلستان کی آزادی کے لئے تلوار نیام سے نکالی۔ نو سال یہ بہادر فاتحین کے دانت کھٹے کرتا رہا۔ آخر کار حکمت عملی تلوار پر غالب آئی اور چند ذلیل و دوزخی ملک فروش برطانوی سردارون نے جنھون نے رومن نمک حلالی حکام کی وفاداری اور اپنی قومی تذلیل کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس جری شہزادہ کو دھوکے سے ملکی دشمنون کے ہاتھ مین گرفتار کرادیا۔ پھر ملکہ بوڈیشیا نے مذہب کی حفاظت مین تلوار اٹھائی۔ اہل برطانیہ سے آزادئ ملک و مذہب کے لئے اپیل کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۰ء مین صرف شہر لندن مین وہان کے باشندون نے ستر ہزار رومنون کو قتل کرڈالا۔ رومن جنرل سوٹیٹونیس (SUETONIUS) فوراً وہان پہونچا۔ زبردست جنگ ہوئی جسمین اسّی ہزار برطانوی سپاہ کام آئی۔ ملکہ بوڈیشیا نے مایوس ہوکر فاتحون کے دست برد سے بچنے کے لئے خودکشی کرلی۔ رومن شہنشاہ نیرو نے سوئی ٹونیس کو روم واپس بلا لیا کیونکہ تجربہ نے یہ ثابت کردیا تھا کہ اسکی فوجی تشدد آمیز پالیسی نے مفتوحین کو بددل و فاتحین کا بدخواہ بنا دیا تھا اور اس زمانہ مین رعایا کے تالیف قلوب کی سخت ضرورت تھی۔

اس واقعہ سے تمام برطانیہ مین رومنون کی دھاک بیٹھ گئی۔ ملکی نظم و نسق کا دور شروع ہوا۔ کیریلیس (CEREALIS) اور جولیس فرنٹی نس (JULIUS FRONTINUS)

کے بعد مشہور کمانڈر ایگریکولا کا عہد ۷۸ء میں شروع ہو کر ۸۵ء تک رہا اسنے اردوویائی کس (ORDOVICES) اور جزیرہ موناکو (MONA) جہان پھر بغاوت شروع ہو گئی تھی فتح کیا۔ شمالی برطانیہ فتح کیا ۸۱ء میں ٹے (TAY) تک فتوحات کی حدین وسیع ہو گئین اور وہان فوجی قلعہ تعمیر ہوا۔ ۸۲ء میں اسنے فرتھائے کلائڈ اور فورتھ (FIRTHS OF CLYDE & FORTH) کے جنگی قلعون کا سلسلہ قائم کر دیا۔ پھر مغرب کی جانب رُخ کیا اور برطانیہ کا تمام مغربی ساحل فتح کر لیا۔ ۸۳ء ۸۴ء میں کیلیڈونیا (CALEDONIA) پر دو دفعہ حملہ کیا اور آخری حملہ مین انکو کوہ گرمپین (GRAMPIAN HILLS) کی تلہیٹی مین شکست فاش دی۔ علاوہ ازین ایگریکولا نے ایک جنگی جہازون کا بیڑہ بھی تیار کرایا جو سینڈوچ (SANDWICH) سے روانہ ہو کر برطانوی ساحل کے چارون طرف چکر لگا کر پھر سینڈوچ واپس آجاتا تھا۔

ایگریکولا نے مفتوحین کے لئے آہنی زنجیرون کے ساتھ ساتھ سنہری[1] زنجیرین بھی تیار کرائین جنھون نے اہل برطانیہ کے دل و دماغ کو جکڑ لیا اور مفتوحین کو خیالات و طرز معاشرت و مذہب۔ لباس اور فیشن مین بالکل اہل روما بنا دیا۔ ان سنہری زنجیرون سے آزاد ہونا اہل برطانیہ نے اپنی قومی ہتک سمجھا اور جب تک کہ دست غیب نے انکو آزاد نہ کیا وہ آزاد نہو سکے۔ تلوار کے زخمون پر قلم نے گلکاری کی۔ زمانہ جنگ کے آبلون پر دوات کی سیاہی نے مرہم کا کام دیا تمام برطانیہ مین رومن تہذیب و خیالات کی اشاعت کے لئے مدرسہ کھل گئے۔ جنکا نمایشی مقصد مفتوحین کو مہذب بنانا تھا۔ بظاہر انصاف کرنے مگر ملک کو غلامی کی زنجیرون مین زیادہ مضبوطی کے ساتھ جکڑنے کے لئے عدالتین قائم ہوئین۔ فوجون کی آمد و رفت اور ملک پر مستقل طور پر قبضہ قائم رکھنے اور رعایا کو سر اُٹھانے کا موقع نہ دینے کے لئے سڑکین بنوائی گئین۔ جابجا جنگی قلعے تعمیر کئے گئے۔ علاوہ انکے وہ تمام باتین جاری کر دی گئین جنھون نے اہل برطانیہ کو عشرت پسند بنا کر ہمیشہ کے لئے اہل روما کا بندۂ بے دام بنا دیا۔

ملک مین امن و امان قائم ہو گیا۔ فاتحون نے نہ مفتوحین پر کسی قسم کا تشدد کیا نہ انکو ملک سے باہر نکالا نہ انکی بے حرمتی کی بلکہ اُنکے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا۔ انکو ہر قسم کا آرام پہونچانے

[1] STUDENTS' HISTORY OF ENGLAND (PP. 11)

کی کوشش کی۔ انکے دُکھ کو اپنا دُکھ اور انکے آرام کو اپنا آرام سمجھا۔ شہور مورخ گارڈنر لکھتا ہے کہ اہل روما کا سلوک اہل برطانیہ کے ساتھ ایسا ہی شریفانہ تھا جیسا کہ موجودہ زمانہ مین انگریزون کا ہندوستانیون کے ساتھ ہے۔ وضاحت کے لئے نقشہ ذیل پیش کرتے ہین۔

اہل روما کا سلوک اہل برطانیہ کے ساتھ	انگریزون کا سلوک ہندوستانیونکے ساتھ
۱۔ مفتوح برطانوی قوم کے ساتھ بعد فتح برطانیہ بدسلوکی نہ کی۔	۱۔ بعد فتح ہندوستان رعایا کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کیا۔
۲۔ سڑکین بنوائین قلعے تعمیر کئے نئے شہر بسائے۔	۲۔ سڑکین بنوائین۔ باموقعہ فوجی چھاؤنیان قائم کین۔ شہرون کو رونق دی۔
۳۔ قبل فتح برطانیہ اہل برطانیہ جو چھوٹے چھوٹے گروہون اور سلطنتون مین منقسم تھے لڑتے رہتے تھے۔ بعد فتح اہل روما نے اہل ملک کو مجبور کیا کہ وہ آپسمین میل جول سے رہین اور خانہ جنگی سے باز آئین۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے متعدد قوانین پاس کئے۔ اور عدالتین قائم کین۔	۳۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان طوائف الملکی اور باہمی رقابت وخانہ جنگیون کا شکار رہا تھا۔ انگریزون نے اسکو اپنے زیر نگین لاکر مختلف دیسی ریاستون کی پالیسی خارجیہ (FOREIGN POLICY) کو اپنے ہاتھ مین لیکر انکی باہمی جنگ کو قطعاً روک دیا۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے خود سر فرمانروا ؤن کو سرکاری انگریز حکام کے زیر نگرانی رکھکر مجبور کردیا کہ وہ باہمی جنگ و جدل و رعایا کے ساتھ ظالمانہ سلوک ترک کرین۔ اس مقصد کے حصول کیلئے عدالتین جا بجا قائم کردین اور طرح طرح کے قوانین جاری کردیئے۔
۴۔ راستون کو چورون وجنگلی جانورون سے پاک کیا۔	
۵۔ فوائد مندرجہ مد نمبر ۳ حاصل کرنے کے لئے قانون اسلحہ پاس کیا تاکہ مفتوحین سرکشی نہ کرسکین اور ابدی غلامی مین پھنسے رہین۔	
۶۔ رومن مذہب وتہذیب وفیشن کے	

اہل روما کا سلوک اہل برطانیہ کے ساتھ

۴- اشاعت کے لئے تمام ملک میں جا بجا مدرسے کھولے گئے۔ لاطینی زبان کی تعلیم دیجانے لگی۔

۵- رومن قوانین کا نفاذ شروع ہوا انسانی قربانی (HUMAN SACRIFICE) کا رواج قانوناً جرم قرار دیا گیا۔

۶- تجارت نے ترقی کی۔ غلے کے اجتماع کے لئے جا بجا سرکاری گودام بنائے گئے ان گوداموں سے غلہ روم کو اہل روما ودیگر ہمسایہ مفتوح قوموں کے لئے بغرض تجارت روانہ ہوتا تھا۔ برآمد غلہ سلطنت کی خاص پالیسی خیال کیجاتی تھی۔

۹- خونخوار وحشی جرمن اقوام کے حملوں کو روکنے کے لئے سرحدوں پر فوجی قلعے تعمیر کئے۔

۱۰- اہل روما کے پانچ سو برس کی عمدہ سلطنت سے مندرجۂ ذیل نتائج ظہور پذیر ہوئے:-

۱- باشندگان رومن تہذیب کے پابند ہو گئے۔ لاطینی زبان میں گفتگو کرنا۔ رومن چغے پہننا۔ رومن طریقہ سے رہنا حتیٰ کہ رومن طریقہ پر نہانا و دعوتیں کھلانا باعث فخر خیال کرنے لگے اور اپنی پرانی تہذیب

انگریزوں کا سلوک ہندوستانیوں کے ساتھ

۴- ٹھگی۔ ڈکیتی و دیگر جرائم کے انسداد کے لئے مختلف محکمہ جات قائم کئے جنگلی جانوروں کے ہلاک کرنے کے لئے انعامات مقرر کئے۔

۵- باہمی قتل و غارتگری و بغاوت کو روکنے کے لئے قانون اسلحہ پاس کیا۔

۶- ملک میں انگریزی تعلیم کی اشاعت کے لئے مدرسے اور کالج کھولے گئے۔

۷- ملک میں عمدہ اور مفید قوانین جاری ہوئے رسومات قبیحہ مثلاً انسانی قربانی۔ ستی۔ وبچہ کشی کا انسداد ہوا۔

۸- قیام امن کے ساتھ ساتھ غیر ممالک و نیز برطانیہ کے ساتھ سلسلہ تجارت شروع ہوا۔ خام چیزوں اور غلہ کی برآمد اور مصنوعات کی درآمد نے اسقدر زور پکڑا کہ تمام ملکی دستکاریاں قریب قریب ضائع ہو گئیں اور تمام ملک قحط و افلاس کا شکار ہو گیا۔ حکومت بھی درآمد و برآمد مذکورۂ بالا کی حامی رہی۔ ہاں البتہ اب جبکہ ہند کی حالت نہایت نازک ہو گئی ہے حکومت وقت اس پالیسی میں کچھ تبدیلی کرنا مناسب خیال کرنے لگی ہے۔

۹- شمال و مغرب کی جانب کے حملوں کے

اہل روما کا سلوک اہل برطانیہ کے ساتھ کو بھول گئے۔

ب۔ مارشل اسپرٹ یعنی جنگی جذبہ قطعاً جاتا رہا۔ لڑنے بھڑنے سے نفرت ہو گئی۔ عیش طلب بن گئے اور برطانیہ سلطنت روما کا ایک وفادار کارآمد اور رومن تہذیب کا علم بردار صوبہ بنگیا۔

ج۔ حصول آزادی کی کوشش کا کیا ذکر ہے۔ آزادی کا خیال تک جاتا رہا۔ فاتحون کی حفاظت کا راگ فخریہ طور پر الاپتے رہے۔

د۔ رومن حکومت کو نعمت غیر مترقبہ دوامی خیال کرتے رہے جبتک کہ اسکاٹس اور پکٹس وغیرہ کے حملون نے راحت طلب اہل برطانیہ کو (جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا) قطعاً برباد نہ کر دیا۔

انگریزون کا سلوک ہندوستانیونکے ساتھ

روکنے کے لئے سرحد پر فوجی چھاونیان قائم کین۔ ڈیڑھ سو سال تک انگریزی حکومت سے ہند مین مندرجۂ ذیل باتین واقع ہوئین۔

ا۔ تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی تعلیم و تہذیب کا مفتون ہو گیا۔ انگریزی طرز معاشرت کو دیسی طرز معاشرت پر ترجیح دی انگریزی حکمار و علمار کی پیروی مین اپنی دیسی زبان مذہبی و ملکی رواجات و روایات کو خیرباد کہا۔ انگریزی لباس۔ خوراک۔ گفتگو و خیالات کی تقلید کرنا باعث فخر خیال کرنے لگے اور لارڈ میکالے کے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے محض رنگ مین ہندوستانی (بدرجۂ مجبوری) رہگئے باقی ہر بات مین انگریزون کے نقال بنگئے۔

ب۔ جنگی جذبات دب گئے فن جنگ کی تعلیم مفقود ہو گئی۔ دوسرون پر حملہ کرنا تو بڑی بات ہے اپنی حفاظت کرنا بھی بھول گئے۔ آرام طلب ہو گئے۔ لڑنے بھڑنے سے ڈرنے لگے۔

ج۔ حصول آزادی کے لئے انگریزون کا دست نگر ہونا اور انکے رحم سے آزادی حاصل کرنا باعث فخر خیال کرنے لگے۔

اپنی مدد آپ کرنا گناہ سمجھ لیا اور ہر معاملہ
مین مہربان گورنمنٹ کو مدد کیلئے تکلیف دینے لگے۔
۵۔ حکومت انگریزی کو دوامی اور واجب الوجود
نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہین اور اسکے استحکام
دوامی کی دعا مانگتے ہین۔

اِس طرح برطانیہ مکمل طور پر فتح ہوچکا۔ فاتحون کے ساتھ لڑائی جھگڑون کا اندیشہ ہمیشہ کیلئے جاتا رہا۔ لیکن اہل کیلیڈونیا (CALEDONIA) بوجہ قومی نفرت کے جو اہل روما کے خلاف انکے دلون مین جاگزین تھی اکثر رومن مقبوضات پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ اِن حملونکو روکنے کے لئے ہیڈرین (HADRIAN) نے ایک فصیل ٹائن سے سولوے فرتھ تک تعمیر کرائی جسکو پکٹس وال کہتے ہین۔ اسکے بعد لولی یس اربیس (LOLLIUS URDICUS) نے ۱۴۰ء مسیحی مین ایک دوسری فصیل فورتھ (FORTH) سے کلائڈ (CLYDE) تک تعمیر کرائی جسکو اس زمانہ مین انٹونی نس وال (ANTONIMUS) کہتے تھے۔ اور اب گرہم ڈانگ (GRAHAM) کہتے ہین۔ لیکن یہ فصیلین اہل کیلیڈونیا کے حملون کو نہ روک سکین بالآخر سے وی رس (SEYERUS) شاہنشاہ روم کو خود برطانیہ آنا پڑا۔ اُسکے ہمراہ اُس کے دونون لڑکے کاراکالا (CARACALLA) اور گیٹے (GATA) بھی آئے۔ شہنشاہ موصوف مرض گٹھیا مین گرفتار تھا۔ مگر پھر بھی ایک فوج کثیر لیکر بہ نفس نفیس کیلیڈونیا پر حملہ آور ہوا۔ اور اُسکو فتح کرلیا۔ لیکن مفتوحین نے صلح کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ اور کچھ علاقہ شہنشاہ نے مستقل طور پر اپنے قبضہ مین کرکے یورک (YORK) کو مراجعت کی۔ جہان چند ماہ کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

سے ویرس کے مرتے ہی اسکا لڑکا کاراکالا تخت شاہی پر قابض ہونے کے لئے روم کو روانہ ہوگیا۔ ۲۸۳ء مسیحی مین سیکسن (SAXON) حملہ آورون کے حملے شروع ہوئے سرحد پر حملون کی روک تھام کے لئے ایک خاص صوبہ سیکس شور (SAXON) نامی بنایا گیا اور کیرسیس (CARAUCIUS) اسکا پہلا گورنر مقرر ہوا۔ ۲۹۳ء

مسیحی مین کیرو سیس قتل ہوگیا۔ اور اُسکی بجائے الیکٹس (ALLECTUS) حاکم صوبہ مقرر ہوا۔ اسنے اپنے آپ کو خود مختار بادشاہ مشہور کردیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۹۶ء مسیحی مین کانسٹین ٹیس (CONSTANTIUS) شہنشاہ روم خود برطانیہ پر حملہ آور ہوا۔ غاصب کیفر کردار کو پہونچا۔ اور صوبہ برطانیہ پھر سلطنت کا حصہ بنگیا۔ اب رومن شہنشاہون نے برطانیہ مین بھی رہنا شروع کردیا۔ آخری شہنشاہ (CONSTANTIUS CHLORUS) کونس ٹین ٹیس کلورس نے برطانوی دیسی شہزادی ہیلینا (HELENA) کے ساتھ شادی کی۔ مگر یہ بھی ۳۰۶ء مین مرگیا۔ اسکا لڑکا (CONSTANTINE) کانسٹن ٹائن اعظم قیصر کے لقب سے مشہور ہوا ہے۔

چوتھی صدی عیسوی مین پھر دوبارہ پکٹس (PICTS) اور اسکاٹس (SCOTS) کے حملے شروع ہوگئے اور ۳۶۸ء مین لندن پر بھی اُنھون نے دھاوا کردیا لیکن تھیوڈوسیس (THEODOSIUS) نے انکو شکست فاش دی۔ ۳۹۶ء مین اسٹی لیکو (STILICHO) نے پھر اہل برطانیہ کو پکٹس اور اسکاٹس کے خلاف مدد دی اور کچھ عرصہ کے لئے حملون کو روک دیا۔ لیکن اس عرصہ مین وحشی جرمن اقوام وندال وغیرہ نے گال موجودہ فرانس پر مکمل قبضہ کرلیا اور اسلئے شہنشاہ ہنوریس (HONORRIUS) نے رومن افواج کو جو اہل برطانیہ کی حفاظت کے لئے برطانیہ مین متعین تھین شہر روم اور ملک اٹلی (جسکا پایہ تخت شہر روم تھا) کی حفاظت کے لئے روم واپس بُلالیا۔ اور اہل برطانیہ کو انکی قسمتون اور حملہ آورون کے رحم پر چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جابجا خود چھوٹی چھوٹی برطانوی ریاستین جیسی اہل روما کے حملہ کے قبل تھین قائم ہوگئین۔ اِدھر ان خود سر فرمان رواؤن کی ظالمانہ حکومت اُدھر حملہ آورون کے برباد کُن حملے۔ غرضیکہ رعایا چکی کا غلہ ہوگئی۔ چارون طرف عالمگیر مصیبت رُونما ہوئی۔ اِس عالم اضطرار مین اہل برطانیہ نے پھر شہنشاہ روم کی طرف بہ نظر استمداد دیکھا اور خواستگار امداد ہوئے۔ ۴۱۸ء مین آخری مرتبہ پھر رومن فوجین اہل برطانیہ کی مدد کو آئین۔ اور پکٹس اور اسکاٹس کو ملک سے باہر نکال دیا۔ اور اہل برطانیہ کو استعمال اسلحہ کی تعلیم دی تاکہ وہ اپنی حفاظت خود کرسکین۔

اہل روما نے اپنے عہد حکومت مین جنکی تعلیم دینے سے محض اسوجہ سے گریز کیا۔ اور اس لئے استعمال اسلحہ کا ممنوع قرار دیا تھا کہ کہین مفتوحین حصول آزادی کے لئے برسرپیکار نہو جائین اب جبکہ کچھ تعلق نہ رہا اور ادھر اہل روما کو اپنی اور ادھر اہل برطانیہ کو اپنی جان ومال کی حفاظت کی ضرورت آپڑی تو مفت مین نوابِ دارین حاصل کرنے کے لئے عیش پسند برطانوی لوگونکو حفاظت خود اختیاری کے لئے اسلحہ استعمال کرنے کی ہدایت کی اور ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے۔

مگر پھر بھی اہل برطانیہ اہل روما کے آگے مدد کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہی رہے۔ قاصد پر قاصد اور ڈیپوٹیشن پر ڈیپوٹیشن روانہ کرتے رہے۔ خون دل سے بھری ہوئی عرضداشتین روانہ کین۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے۔ ہم ایک عرضداشت کا کچھ انتخاب پیش کرتے ہین اور امید کرتے ہین کہ اسکا مطالعہ دلچسپی اور عبرت سے خالی نہوگا۔ اس عرضدات کی سرخی اہل برطانیہ کی درد بھری صدا" THE GROANS OF THE BRITONS" ہے۔ اسمین لکھا ہے "ایک جانب سے تو وحشی حملہ آور ہمکو سمندر مین ڈھکیلتے ہین۔ دوسری جانب سے سمندر کی لہرین ہمکو حملہ آورونکی تلوارون پر پھینکدیتی ہین۔ اور ہمارے واسطے صرف ایک یہی چارہ باقی رہجاتا ہے کہ ہر دو قسم کی موتون مین سے کسی ایک کو منتخب کرلین۔ حملہ آورون کی تلوار سے کٹ کر مرین یا سمندر مین ڈوب کر۔

مذکورۂ بالا عرضداشت ایٹیس (AETIUS) شہنشاہ روم کے پاس روانہ کی گئی لیکن اسوقت ایٹیلا بس وحشی جرمن قوم کے مشہور سردار ایٹیلا (ATTILA) سے لڑرہا تھا اور رومن سلطنت کی حفاظت مین مصروف تھا۔ مگر باوجود ایٹیس کی ان تھک کوششون کے ایٹیلا کی تلوار اپنا سکہ جما رہی تھی اور شہنشاہ کو اسقدر بھی فرصت نہ تھی کہ برطانوی سفیرون کی فریاد سن سکے اور کچھ مدد کرسکے۔ مشہور مورخ گارڈنر نے نہایت درست کہا ہے کہ جو قوم خود اپنی حفاظت کرنا جانتی ہے اکثر وہ رحم کی مستحق خیال نہین کیجاتی۔

ہری کشن

مذہب و سیاسیات

فضائے عالم پر عرصہ دراز تک مذہب کا عالمگیر تسلط رہا ہے، ایشیا مین (جسکو بجا طور پر تمام دنیا کے مقدس مذاہب کا گہوارہ کہا جاتا ہے) قدیم زمانہ سے اسوقت تک مذہب پیش پیش رہا ہے۔ ہر معاملہ مین خواہ اسکا تعلق دنیا سے ہو یا دین سے مذہبی پیشواؤنکی ہدایت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح مغربی ممالک (جہان مسیحیت کی نشو و نما ہوئی) ہر کام مین عیسائی پادریون اور پاپاؤن کی رہنمائی کے محتاج تھے۔

یورپ و امریکا نے دو تین صدیون کے عرصہ مین قدیم و جدید علوم و فنون کے احیا، اور ترویج مین حیرت انگیز ترقی کی۔ سائنس کے انکشافات و تحقیقات نے علوم کے ہر صیغہ اور زندگی کے ہر شائبہ مین انقلاب عظیم پیدا کر دیا، تعلیم کا چرچا ہر گھر مین ہو گیا۔ ذہنی و اخلاقی ارتقاء اس علمی بیداری کا لازمی نتیجہ ہوا۔ علم کی روشنی پھیلتے ہی عوام الناس مین شخصی اور قومی آزادی کا غلغلہ پھیل گیا۔ عوام و خواص۔ ہر مسئلہ و ہر معاملہ پر غور کرنے لگے۔ اپنے خیالات پر اعتماد شروع ہو گیا۔ کورانہ تقلید معیوب سمجھی جانے لگی۔

اِن تغیرات کا اثر مذہبی و سیاسی مسائل پر معتد بہ طریقہ سے شروع ہو گیا۔ چنانچہ جمہوریت نے شخصی سلطنت کی بیخ کنی کی اور رفتہ رفتہ مذہب بھی اِن لازمی اثرات سے نہ بچ سکا۔ مدبرین سلطنت نے سالون کے تلخ تجربہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سیاسی معاملات مذہبی پیشواؤنکی دخل اندازی سے جب تک نہ بچائے جائینگے، سیاسی ترقی ممکن نہوگی۔ مغربی ممالک کی پولیٹیکل تاریخ مین یہ واقعہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ یورپ کی رائے ملکی معاملات مین بے اثر مانی گئی اور مذہب و سیاسیات کے حدود الگ الگ کر دیئے گئے۔ مذہب کا اثر افراد و اقوام کی نجی زندگی تک محدود سمجھا گیا۔ اور ملکی معاملات مین اسکی پیروی غیر ضروری مانی گئی۔ چنانچہ اِس

زمانہ مین مغربی ممالک کے ہر گوشے سے حریت و جمہوریت کی صدائین بلند ہو رہی ہین اور شخصی حکومت کا دور دورہ تقریباً ختم ہو چکا۔

قسام ازل نے مغرب و مشرق کے اقوام کو متعدد حیثیات سے اکثر مشترکہ مقاصد و اغراض اور نیز حکومت کے بناء پر یکجا کر دیا ہے۔ اس قربت اور توصل کا یہ بین اثر ہوا کہ مشرقی قومین بھی اُنکی پولیٹکل اور معاشرتی رفتار کی تقلید کرنے لگین۔ چنانچہ چین۔ جاپان۔ ایران۔ اور ہندوستان مین سیاسی بیداری ایک زمانہ سے شروع ہو گئی ہے۔ اور جہان تک حالات نے اجازت دی جمہوریت کے اُصول کو یہ ممالک پیش نظر رکھتے ہین۔ اور پولیٹکل گتھیون کے سلجھانے مین مذہب کو دخل انداز نہین ہونے دیتے۔ یہ مسلّمہ طور پر مانا جاتا ہے کہ بوجوہ چند مذہبی جذبات اور حسیات کو جہان تک ممکن ہو سیاسیات سے علیحدہ رکھنا چاہئے۔ اسلئے کہ اُدیان و ملل اور اُسکے مختلف فیہ مسائل ملکی ترقی کے پیچیدگیون کو نہین سلجھا سکتے۔ اگر مذہبی اُصول کے بناء پر اُنکے حل کرنے مین کوشش کیجائے تو ناکامیابی ہوگی۔ گو دونون مین ایک حد تک تعلق ہے مگر دونون کی سنگ بنیاد مین صریحی اختلاف ہے۔ اور شاید عرصہ تک قائم رہے۔ وطن پرستی۔ حبّ قومی اور ملکی اتحاد کی بنا اس اُصول پر ہے کہ خواہ کوئی گروہ کسی مذہب و ملت کا معتقد کیون نہو، کسی طرز معاشرت اور طرز روش کی پیروی کیون نہ کرتا ہو۔ حسب و نسب رنگ و روپ مین خواہ کتنا ہی فرق ہو، جبتک مختلف قومین ایک ملک اور ایک حکومت کے زیر اثر زندگی بسر کرین۔ اور تقریباً ہم زبان اور ہم قسمت (پولیٹکل) ہون تو وہ خالص سیاسی نقطۂ نظر سے متحد مانی جائینگی۔ مشترکہ ملکی مقاصد و اغراض اور ہم قسمتی (میری ناچیز رائے کے مطابق) سیاسیات کی جان ہین۔ جو لوگ اس اُصول کو نظر انداز کر کے ملکی معاملات کو مذہب کی آنکھ سے دیکھنا اور فیصلہ کرنا چاہتے ہین وہ کبھی فائز المرام نہین ہو سکتے۔

دنیا کے چار بڑے بڑے مذاہب۔ ہندو۔ بدھ۔ اسلام اور عیسائیت کے پیرو مختلف حصون مین جاگزین ہین۔ عیسائیت کا تسلط زیادہ تر مغربی ممالک پر ہے۔ اِن ملکون مین جیسا کہ ابھی لکھا جا چکا ہے، ملکی معاملات کے انصرام و انتظام کو مسیحیت کی دست اندازی سے نجات حاصل ہے۔ اب رہا ایشیا۔ جہان بھی جاپان اور چین مین جہان بدھ دھرم کی اشاعت زیادہ تر ہے،

سلطنت کے کاموں میں بھکشو دخل نہیں دیتے اور نہ خود اہل چین و جاپان مذہبی اختلافات کو اہمیت دیتے۔ علاوہ بدھ دھرم کے اِن ملکوں میں اسلام حضرت مسیح، شنٹو اور کنفیوشس کے معتقدین بہ کثرت ہیں۔ یہ لوگ آپس میں متحد ہو کر رہتے ہیں۔ ایران و عرب قسطنطنیہ اور مصر میں تقریباً کل آبادی مسلمانوں کی ہے۔ اسوجہ سے وہاں مذہبی اختلاف کا سرے سے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب رہا بدنصیب ہندوستان۔ یہاں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اِس قدیم ملک میں قدیم ترین مذہب ہندوؤں کا ہے جسکی عظمت۔ ہمہ گیری۔ دقیقہ رسی کا اعتراف یورپ کے انصاف پسند علما اور فلسفی کر چکے ہیں۔ چنانچہ مغربی تعلیم کے پھیلتے ہی عاقبت اندیش ہندوؤں نے پولیٹکل جدوجہد کی ضرورت محسوس کی۔ اور آج سے تقریباً چالیس برس پیشتر کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ ہندوستان کے دیگر گروہوں کو شرکت کی دعوت دی۔ مگر بجز پارسیوں اور خال خال مسلمانوں کے اور کسی نے لبّیک نہیں کہا۔ ہندوستان کے عیسائی اول تو تعداد میں بہت ہی قلیل ہیں۔ دوم یہ کہ مغربی مشنریوں کے زیر اثر رہتے ہوئے اُنھوں نے بحیثیت مجموعی کانگریس میں شرکت مناسب نہیں سمجھی۔

اِسی طرح مسلمانوں نے جنکی تعداد ہندوؤں کے علاوہ سب سے زیادہ ہے، ملکی ترقی کی دوا دوش اور سعی میں اول اول ہندوؤں کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ عرصہ تک سیاسیات سے دلچسپی ہی نہ لی۔

اپنے گزشتہ کارناموں اور فتوحات کے زعم کو اپنی دماغوں سے نہیں نکالا۔ ہندوستان کو جو ہندو مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ پارسی کا مشترکہ وطن ہے، اپنا وطن نہ سمجھا بلکہ اسلامی ممالک ہی سے اپنا دل لگاتے رہے۔ اِن میں بھی جب مغربی تعلیم نے اپنا اثر شروع کیا۔ اور ٹھنڈے دل سے واقعات و حالات پر غائر نظر ڈالنے کا مادہ پیدا ہو گیا تو دور اندیش اور سربرآوردہ قوم حضرات نے سنہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کی فکر میں کرنے لگے۔

زمانہ کی رفتار نے انکے خیالات میں اس درجہ تغیر پیدا کر دیا کہ لیگ اور کانگریس کے جلسے ایک ہی مقام پر ہونے لگے۔ اور مسلمان کثیر تعداد میں ملکی معاملات سے دلچسپی لینے لگے۔

اس درمیان میں یورپ کی جنگ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ اور ٹرکی نے اپنے حلیفوں کے دوش

بدوش انگریزون سے جنگ چھیڑ دی - اختتام جنگ کے بعد خلافت کا مسئلہ پیدا ہوگیا - اور رولٹ بل کے نفاذ نے چند ایسے ہیبت ناک اور درد انگیز واقعات رونما کردیے جس سے ہندو مسلمان کی آنکھین کھل گئین - اور اسی سلسلہ مین مہاتما گاندھی آفتاب عالمتاب کی طرح سیاسی مطلع پر نمودار ہوئے - اُنکی بے نفس شخصیت - غیر معمولی ایثار اور گزشتہ خدمات کی وجہ سے ہر گروہ اور طبقہ کے لوگ اُنکے گرد جمع ہوگئے - اور وہ قومی کشتی کے اصلی ناخدا مانے گئے - مہاتما جی نے ہندوؤن اور مسلمانون کو متحد کرنے کے لئے سخت کوشش کی - چنانچہ ایک حد اور ایک زمانہ تک کامیاب بھی ہوئے - مگر چونکہ اس اتحاد مین مذہبی جذبات بھی شریک تھے اسلئے دیرپا نہ ثابت ہوا -

یہ ظاہر ہے کہ بغیر ان گروہون کے متحد ہوئے ہم اپنی سیاسی نجات حاصل نہین کر سکتے - اسلئے ضروری ہے کہ اسکی تدابیر پر دوبارہ غور کرین -

حقیقت حال یہ ہے کہ باوجود کوشش بلیغ ہندو مسلمانون کو سیاسی پلیٹ فارم پر یکجا کرنے مین خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی - اسکا اصلی سبب میری ناچیز رائے مین مذہب ہے - برخلاف اور مذاہب کے اسلام شاید یہ تعلیم دیتا ہے کہ سچی برادری اور قومی اتحاد صرف مسلمانون ہی کے ساتھ ممکن ہے اور یہ کہ مسلمانون کا مذہبی فرض ہے کہ ہر ملک اور ہر طبقہ کے مسلمانون کو اپنا بھائی سمجھین - اُن سے جنگ جو منون اور اُنکی امداد سے دریغ نہ کرین -

انکے یہان ہر معاملہ مین مذہب کی پیروی لازمی مانی جاتی ہے - مسلمان اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہین کہ ع مسلم ہین ہم وطن ہے سارا جہان ہمارا -

وطن پرستی کو غالباً خدا پرستی کے منافی سمجھتے ہین - اسوجہ سے دوسرے مذہب کے لوگون سے مل جُلکر سیاسی ترقی کرنا اُنکے لئے ممکن نہین -

یورپ کے گذشتہ جنگ عظیم مین انگلستان و فرانس - جرمن و روس باوجود عیسائی ہونے کے ایک دوسرے برسرپیکار تھے - اور اس رویہ کو خلاف مذہب نہ تصور کیا - برخلاف اسکے اگر کسی زمانہ مین ہندوستان اور ٹرکی سے جنگ چھڑ جائے تو شاید مسلمان اپنے وطن کی حفاظت اپنا فرض نہ سمجھین بلکہ مذہب اور اُخوت اسلامی کی حمائت کرین - اس مذہبی تحریک کے ہوتے ہوئے ہندو مسلمان اور دیگر اقوام کا اتحاد اگر قطعاً غیر ممکن نہین تو محال ضرور معلوم ہوتا ہے - سیاسی اتحاد

کے مقصد کو حاصل کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان مثل اور ہندوستانی باشندون کی یہ تسلیم کرلین کہ ع ہندی ہین ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا۔ بہرنوع یہ ناممکنات سے ہے کہ ہندو مسلمان مادر ہند کے سایۂ عاطفت سے نکلکر کسی اور ملک مین قیام پذیر ہون یا ایک ملک مین رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حالات، رنج و راحت سے متاثر نہون۔ تقریباً تمامی دنیاوی کاروبار مین ہم لوگ ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہوگئے ہین کہ بغیر باہمی رفاقت۔ ہمدردی۔ اور رواداری ہم کوئی کام نہین کرسکتے۔ دوسرے شرائط اتحاد بہ الفاظ آنریبل میان فضل حسین وزیر تعلیمات یہ ہین۔ "حضرات جبکہ مجھے یہ فخر حاصل ہوا ہے کہ مین آپ کو کامل حکومت خود اختیاری کے راستہ پر چلنے کے لیے امداد دون تو آپ کو بھی ضروری ہے کہ آپ چند اصولون کو گرہ باندھلین جو اس راستہ کے مشکلات کے رفع کرنے مین نقش سلیمانی کا کام دینگے۔

آپ کی پہلی ضرورت رواداری ہے۔ یعنی سب کو ترقی کا یکسان موقع دیا جائے، ساتھ ہی آپ کو اپنے ہمسایہ اور رفقاء وطن کے ساتھ محبت کا اظہار بھی کرنا چاہیئے۔ ایک اور اصول تنگدلی اور تعصب مذہبی کو دور کرنے کے لیے تیر بہدف ہے۔ اور وہ عالمگیر اخوت انسانی ہے۔ اگر آپ ان اصولون کو اپنے عمل کے لئے معیار بنالین اور انپر کاربند ہون تو تمام مذہبی مناقشات اور نامناسب عداوتین یک لخت زائل ہوجائینگی۔ رواداری۔ اخوت اور حمیت کے آلات سے مسلح ہوکر آپ ارض موعود کی طرف پیش قدمی کرسکتے ہین اور بہت جلد منزل مقصود کو پہونچ جائینگے" خالص مذہبی مشکلات کے وقت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے ہم مذہب افراد کی اعانت کرے۔ مگر پولیٹکل معاملہ مین جب وطنی ہی کے اصول کو پیش نظر رکھے۔ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے ملکی مفاد کو نقصان ہو۔ اسی طرح اگر موقع و ضرورت ہو تو ذاتی تحفظ کے قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسری اسلامی ریاست اور ممالک کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے سے باز نہ رہے۔ یہ طریقۂ عمل دنیاوی مفاد کے لحاظ سے ناروا نہ ہوگا۔ جہان تک تاریخی واقعات کا تعلق ہے بہ استثنائے چند تقریباً ہر زمانہ اور ہر ملک مین فاتح قومین ملک گیری۔ جاہ و حشمت۔ سربرآرائے۔ دولت و ثروت کے ادنیٰ جذبات سے مغلوب ہوکر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہون۔ انمین سے شاید چند ہی قومین ایسی ہون جنہون نے محض مذہبی اشاعت کے غرض سے غیر ملکونکو

فتح کیا ہو۔ یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے شاید ہی کوئی انکار کرسکے کہ کسی قوم کے کل افراد صحیح معنون مین مذہبی نہین ہوتے خصوصًا موجودہ زمانہ مین تو ہر مذہب تنزلی کی حالت مین ہے۔ کتنے ہندو ہون یا مسلمان جو اپنے مذہب سے واقفیت رکھتے ہون۔ یا اسکے اصول کی پابندی اپنا فرض سمجھتے ہون۔

مذہب سے بے اعتنائی اس درجہ بڑھتی جاتی ہے کہ کچھ روز بعد یہ کہنا بیجا نہوگا کہ غالبًا مسلمان مثل اور اقوام کے سیاسی معاملات مین مذہب کو دست اندازی نہ کرنے دین گے۔

مسلمانون کے لئے یہ بہت وقیع مسئلہ ہے کہ آیا وہ دنیاوی سلطنت کے جدید اصول کے طرز روش پر تمدن جدید کے قدم بہ قدم چلنا چاہتے ہین یا مذہب کی پابندی سختی سے کرنا چاہتے ہین جو اسلامی کانفرنس انگورہ مین ہونیوالی ہے۔ اسمین اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ہوجانا چاہئے۔ اور اسی فیصلہ پر آیندہ ہندو مسلمانون کے سیاسی اتحاد کی بنا قائم ہوسکیگی۔

اس تصویر کا دوسرا پہلو یہ ہے۔ اگر مسلمان علمار کو اس امر پر بیجا اصرار ہو کہ جب تک مذہبی پابندی نہ کیجائیگی مسلمان ترقی نہین کرسکتے تو انکو یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان اب کسی حالت مین ہمسایہ قومون سے علیحدہ رہ کر شاہراہ ترقی پر نہین چل سکتے۔ خصوصًا ہندو مسلمانون مین سیاسی اتحاد اگر مذہبی اسناد و شواہد سے کیا جانا طے پائے تو ہر دو فریق کے متبحر عالمون کو ایک دوسرے کے مذاہب کا خالص ہمدردی اور فراخدلی سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ جن لوگون نے اسلام اور قدیم ویدک دھرم کا ایمانداری سے موازنہ اور مطالعہ کیا ہے۔ انکی قطعی رائے ہے کہ ہر دو مذاہب مین اتحاد اور رفاقت باہمی کی قابل عمل تعلیم موجود ہے اور یہ کہ مذہب نہین سکھاتا آپسمین بیر رکھنا۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جسپر مستقل مضمون کی ضرورت ہوگی۔

"وطن پرست"

عشاق عرب

(کعب - میلار)

محبت اور عشق مین ایک غیر محسوس مگر نمایان فرق ہے۔ محبت عارضی اور اختیاری ہوتی ہے مگر عشق غیر اختیاری اور غیر فانی، محبت کو زمانہ اور حادثات زمانہ مٹا سکتے ہین۔ لیکن عشق کے روحانی تعلق کو موت بھی نہین منقطع کر سکتی، محبت زندگی ہے اور عشق روح، زندگی مٹ جاتی ہے، مگر روح کو کبھی فنا نہین۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی سے محبت کرنے لگتا ہے اور اُس سے اسقدر مانوس ہو جاتا ہے کہ بادی النظر مین لوگ اسکی محبت و موانست کو عشق سمجھتے ہین۔ لیکن جب کچھ دنون کے بعد محبت کی چڑھی ہوئی ندی اُتار پر آتی ہے، اور اُسکی موجون مین پہلا سا جوش باقی نہین رہتا تو دیکھنے والے عشق کو بدنام کرتے ہین، اور وفا و تغافل کی بحث چھڑ جاتی ہے، حالانکہ وہ عشق نہین ہوتا محبت ہوتی ہے، جو گردش لیل و نہار کے ساتھ ساتھ کروٹین بدلتی رہتی ہے۔

لیکن اس سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا کہ محبت اپنی انتہائی منازل پر پہونچ کر عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، پر خلوص محبت مین یقیناً درجۂ عشق تک پہونچنے کی صلاحیت ہے۔ تاہم عشق کے سامنے محبت کوئی چیز نہین، اکثر ایسا ہوا ہے کہ پہلے کوئی شخص کسی مجسمۂ حسن کا بندۂ محبت تھا، اُسکی سحر آفرین نگاہون کو دیکھکر جیتا تھا، اور اُسکی ہر ادا کو حاصلِ زندگی سمجھتا تھا، لیکن عشق نے کسی اور آستانِ ناز پر پرستش کے لئے مجبور کیا، سر نیاز جھک گیا، اور سوائے خیالِ دوست کے دُنیا و مافیہا کے خیال سے بے خبر بنا دیا، اور ماسوائے عشق دنیا کے سارے مناظر پر پردہ پڑ گیا اُسکی محبت بھی بھولا ہوا خواب بن گئی۔

عرب کے مشہور قبیلہ کا ایک معزز نوجوان کعب ابن مالک جو فطرت کی فیاضی سے دردمند دل لیکر پیدا ہوا تھا حسن و عشق کا حقیقی پرستار تھا۔ اُسکی شادی اُسکے قبیلہ کی ایک نوجوان خاتون سے ہوئی تھی جو نہایت حسین و شکیل تھی۔

دونون آپس مین بیحد محبت کرتے تھے، رفتہ رفتہ اُنکی موانست اسقدر ترقی کرگئی کہ ایک کو دوسرے کے بغیر بیقراری سی محسوس ہوتی تھی اور دیکھنے والون کو عشق کا دھوکا ہوتا تھا۔ کئی اولادین بھی ہوئین۔ ایک بچہ کا نام عُمر تھا جسکی وجہ سے وہ حسینہ خاتون ام عمر مشہور ہوگئی۔

ایسے مضبوط رشتۂ محبت کے ہوتے ہوئے کسے یقین ہوگا کہ ان دونون مین انقطاع بھی ہوسکتا ہے اور ایسا انقطاع جسکے بعد اتصال کی کوئی صورت ہی ممکن نہین، لیکن مستقبل کی حیرت انگیز واقعات سے معلوم ہوگا کہ یہ جو کچھ بھی تھا صرف عارضی محبت تھی جسے طبیعت انسانیہ ترک کرسکتی ہے۔

ایک دن کعب کسی ضرورت سے گھر مین بغیر اطلاع چلا آیا۔ ام عمر کسی وجہ سے بدن کے تمام کپڑے اُتارے ہوئے تھی، اُسکا صاف و شفاف نازک پنڈا جو ہاتھ رکھنے سے میلا ہوتا تھا بالکل عریان تھا، کعب نے اِس سے پہلے اپنی بیوی کو کبھی اس حالت مین نہین دیکھا تھا، یہ دلچسپ و مسحور نظر دیکھ کر اُسپر محویت کا عالم طاری ہوگیا، آنکھین نشۂ حسن سے سرشار ہوگئین، جذبات مین پُرشور تلاطم پیدا ہوگیا، اور مُنھ سے بیساختہ نکل گیا۔

ام عمرو! خدا تمھارے حسن مین روز افزون ترقی کرے، کیا دنیا کی کوئی بھی حسینہ تمھارے حسن کی ہم سری کرسکتی ہے۔

بعض وقت بلا سوچے سمجھے ایسی بات مونھ سے نکل جاتی ہے۔ جو کہنے والے کے لئے مضرت رسان اور خطرناک ہوتی ہے۔ سادہ لوح ام عمرو کو کیا خبر تھی کہ میری بات خود میرے ہی لئے باعث ہلاکت بنجائیگی، وہ بعض عورتون کی طرح مغرور و متکبر نہ تھی، اُسے اپنے حسن و خوبصورتی پر ذرا بھی ناز نہ تھا۔ چنانچہ پہلے تو کچھ شرما اور لجاکر ایک ادا کے ساتھ جس سے معصومیت ٹپکتی تھی اپنا جسم ڈھانکا، اور پھر بھولے پن سے کہا، "کیون نہین! میری چھوٹی بہن میلار مجھ سے کہین زیادہ خوبصورت ہے"۔

ام عمر سے بھی زیادہ کسی عورت کے خوبصورت ہونے کا کعب کو وہم و گمان بھی نہ تھا اُسکی ایک خاص وجہ بھی تھی کہ ام عمر سارے قبیلہ مین حسین و جمیل مشہور تھی، اُسکے مونھ سے یہ بات سُنکر کعب حیران رہگیا، اُسنے خیال کیا کہ کیا خدا کی قدرت کاملہ اس سے بھی زیادہ لطیف تر مخلوق پیدا کرسکتی ہے۔ یہ خیال اُسکے دماغ مین چکر لگا رہا تھا کہ عقل نے اس موقعہ پر رہنمائی کی

اور تھوڑی دیر کے بعد اُسکے دل نے اُسے سمجھا دیا کہ جس خدائے قادر و توانا نے ایسی حور وش کو پیدا کیا ہے اُسمین سب کچھ قدرت ہے۔

اِس خیال نے کعب کو ام عمر کی چھوٹی بہن کا گرویدہ بنا دیا۔ دلمین دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی اس کے اثر سے اُسکے تمام جذبات مغلوب ہو گئے۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا اور بے اختیار اُسنے ام عمر سے دریافت کیا۔

کیا مین کسی ترکیب سے اُسے دیکھکر تمھارے قول کی تصدیق کر سکتا ہون،،

یہ سُنکر پہلے تو وہ خاموش رہی مگر زیادہ اصرار دیکھا تو انکار بھی مناسب نہ سمجھا اور اُس مجسمۂ حسن کو اپنے گھر بلا بھیجا۔ ام عمر نے کعب کو ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہان سے وہ اُسکے حسن کا اچھی طرح نظارہ کر سکے۔

کعب نے جونہی اُس سراپا شعریت کی طرف دیکھا طبیعت مین انقلاب عظیم برپا ہو گیا اُسکا دل حسن و عشق کے لطیف جذبات سے لبریز ہو گیا۔ اُسکی شرمیلی اور مست نگاہون نے مقناطیسی کشش سے دل اور دل کے تمام جذبات پر قابو پا لیا، ہوش و حواس رخصت ہونے لگے عقل نے جواب دیدیا، دماغ معطّل ہو گیا غرضکہ بالکل مجنونون کی سی کیفیت ہو گئی وہ بہتیرا اس خیال کو دل سے نکالنا چاہتا تھا طبیعت دوسری طرف لگاتا تھا۔ مگر یہ وہ نشہ نہ تھا جو آسانی سے اُتر جاتا۔ یہ شرابِ عشق تھی جسکا پینے والا ہمیشہ کے لئے کھویا جاتا ہے۔ وہ جتنا اِس خیال کو دل سے دور کرنا چاہتا تھا، اُتنا ہی غیر معلوم طور پر اُسکا دل اُس نازنین کی طرف کھینچا جاتا تھا۔ آخر اس کشمکش مین وہ بالکل ہار گیا، اور دلی خواہشات پر عمل کرنے کے لئے مجبور!

سچا عشق اور دلی محبّت معشوق کے دل کو بھی موم کر دیتی ہے، چنانچہ اُسی روز سے وہ پری وش بھی غیر معلوم طور پر اپنے قلب مین محبت کی گُدگُدی محسوس کرنے لگی، کعب کے خیال سے اُسکا دل خوش ہوتا تھا۔ اور اُس سے خواہ مخواہ محبت کرنے کو جی چاہتا تھا، لیکن وہ اس بات سے سخت متحیر تھی، اور ساتھ ہی پریشانی بھی کہ کعب کی طرف اُسکا دل کیون کھینچ رہا ہے، بارہا اُسنے کعب کو دیکھا تھا مگر یہ کیفیت کبھی پیدا نہ ہوئی

دونون طرف کم وبیش آگ لگی ہوئی تھی عشق کا تیر دونون کے دلون مین ترازو ہوچکا تھا جس طرح کعب اُسکے تیر نظر کا گھائل تھا اُسی طرح وہ بھی اُسکی مجروح محبت تھی۔ قصہ مختصر دونون کا قریب قریب ایک حال تھا، اور ایک محشر تمنّا دونون کے دلون مین برپا تھا۔ مگر ان سب باتون کے باوجود دونون جذباتِ عشق کے پردہ دار تھے۔ گو ہر ایک بجائے خود وصل کا متمنی تھا۔ مگر شرم وحجاب نیز خوف کی وجہ سے اُنکی سمجھ مین نہ آتا تھا کہ کس طرح اپنے تعشق کا اظہار کرین خصوصًا وہ مجسمۂ حسن وہ پیکر شرم وحجاب یعنی میلا سخت کشمکش مین تھی، اُس سے یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ایک نامحرم سے اپنی محبت کا اظہار کرے۔

کعب کی حالت نازآفرین میلا سے بدتر تھی، اُسکی بیقراریان اپنی حد کو پہونچ چکی تھین وہ میلا کو صرف ایک نظر دیکھنے کا آرزومند رہنے لگا۔ عشق اُسکے تمام باتون پر غالب آگیا۔ اور اُسے مجبورًا وہی کرنا پڑا جسکے لئے بار بار شرم اور خوف مانع آتے تھے۔ کسی نہ کسی طرح اُس نے اس مہ پارہ کے پاس پہونچکر اپنے دردِ دل کا اظہار اور حسن وعشق کی شکوہ وشکایت کی مگر اُس مجسمۂ حسن کی حالت اسوقت کعب سے بھی زیادہ خراب تھی۔ چنانچہ جب وہ دل کے بخارات نکال چکا تو اُسنے پُردرد اور شیرین الفاظ مین کہا "آہ تمھاری محبت مین مبرا حال تمسے بھی زیادہ خراب ہے" عشق اور مشک چھپائے سے نہین چھپتے۔ چنانچہ ام عمرو پر یہ راز کسی طرح منکشف ہوگیا اُسکے لئے یہ حد سے زیادہ تکلیف دہ بات تھی۔ اتفاقاً ایکدن اُسے تحقیق کا موقعہ مل گیا۔ یہ دونون عاشق ومعشوق دل کی بھڑاس نکالنے اور ایک دوسرے سے باتین کرنے کے لئے کمین جارہے تھے یہ بھی دبے پاؤن اُنکے پیچھے پیچھے ہولی اور کان لگاکر باتین سُننے لگی۔ وہ دونون حسب معمول حسن وعشق کے شکوہ وشکایت مین مشغول تھے۔

یہ سب کچھ دیکھا اور سُنکر اُسکا شک وشبہ یقین سے تبدیل ہوگیا۔ وہ اُسی وقت اپنے بھائیون کے پاس گئی اور گذرا ہوا واقعہ بیان کرکے کہا۔

بس اب دو ہی باتین ہوسکتی ہین یا تو "میلا" کا کعب سے عقد کردو۔ یا اُسے اسی وقت کسی دوسری جگہ بھیج دو تاکہ رفتہ رفتہ کعب کا خیال اُسکی طرف سے بالکل ہٹ جائے۔ اور یہ عشق کی جلتی ہوئی آگ دھیمی پڑکر بالکل بجھ جائے۔

کعب کو جب یہ خبر دی گئی کہ میلاء کے بھائیون کو اُسکے تعشق کی اطلاع ہو چکی ہے تو اُسنے بعض وجوہ و مصالح کی بناء پر ایک منٹ بھی ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ دل پر پتھر رکھکر اُسی وقت شام کی جانب روانہ ہوگیا۔ اور وہان جاکر زخم ہائے دل کے اندمال کی تدابیر سوچنے لگا۔

ایک شامی نوجوان حج کعبہ کی غرض سے مکہ معظمہ جا رہا تھا اور منزل مقصود سے الگ ہو کر تلاش راہ مین اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا تھا کہ ایک خاتون نے اُسکی رہنمائی کی یہ خاتون وہی غم نصیب و ہجران نصیب میلاء تھی، اُسکے پاس اُسکی بہن ام عمر بیٹھی ہوئی تھی، شامی کو اطمینان ہوا تو خوش الحانی کے ساتھ اشعار پڑھنے لگا، پہلا شعر یہ تھا۔

افی کل یوم انت من مارج الھوی الی الشیم من اعلام میلاء ناظر؟

"کیا تو ہر روز شدائد عشق کی وجہ سے شام کی طرف میلاء کو خبردار کرنے کی غرض سے دیکھتا ہے"

یہ اشعار سُنکر جن سے ایک عاشق ناکام کے جذبات دلی کا اظہار ہوتا تھا دونون بہنون کے کان کھڑے ہوئے۔ خصوصاً میلاء کا خیال معاً کعب کی طرف گیا، کیونکہ اس قسم کے اشعار جنمین صاف طور پر خود اُسکا بھی نام ہو، بجز کعب کے کوئی موزون نہین کر سکتا تھا مزید تصدیق کے لئے شامی سے نام دریافت کرنے پر میلاء کا خیال بالکل صحیح نکلا۔

جس طرح ایک ڈوبتا ہوا شخص ایک تنکے کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے اور (ذرا دیر کے لئے) اُسکے قلب مایوس مین ایک موہوم سی اُمید پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح میلاء کے ڈوبے ہوئے دل مین اُمید کی ایک لہر پیدا ہوئی، اور یاس و نا اُمیدی کے سیاہ بادل اُسے چھٹتے نظر آئے، دونون نے شامی نوجوان سے نہایت لجاجت اور عاجزی سے درخواست کی کہ "خدارا آپ ہمارے بھائیون کے پاس جلکر کعب کا پورا پتہ بتلا دین۔ یقین جانئے ہم آپ کا تمام عمر احسان مانینگے۔ نیز ہمارے بھائی آپ کی اس عنایت بیکران کے بیحد شکر گزار ہون گے اور آپ کو انشاء اللہ اس کا کافی صلہ ملیگا۔

نوجوان اس نیک کام کے لئے فوراً آمادہ ہوگیا۔

اثنائے راہ مین میلاء نے دریافت کیا آپ کو کعب کے کچھ اور بھی شعر یاد ہین اسکے جواب مین

اُس نے بہت سے شعر سُنا دیئے، طوالت کے خوف سے یہان صرف چند شعر نقل کئے جاتے ہین۔

فوی اللہ ما ادری اکل ذوی ہوی علی نحکلنا ام نحن مبتلیان

خدا کی قسم مجھے نہین معلوم کیا سب محبت کرنے والے ہماری طرح محبّت کرتے ہین یا ہمین (اس عذاب مین) گرفتار ہین۔

فلا تعجبا مما بی الیوم من ہوی فبی کل یوم مثل ما تریان

پس اس محبت اور عشق پر (اور اُسکی سوزش) جو اسوقت میرے ساتھ ہے تعجب مت کرو، میری تو ہمیشہ یہی حالت رہتی ہے جیسی تم اسوقت دیکھ رہی ہو۔

خلیلی عن ای الذی کان بیننا من الوصل او ماضی الہوی تسلانی

اے میرے دونون دوستو! تم کس بات کے لئے مجھے تسلی دیتے ہو، آیا اُس وصل کے لئے جو ہمارے درمیان تھا یا گذشتہ محبّت کے لئے۔

وکنا کریمی معشر حسم بیننا ہوی محفظناہ بحسن جہان

ہم نہایت عیش واطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے مگر ہماری اس مطمئن زندگی کے درمیان عشق حائل ہوگیا اور ہمنے اُسکی اچھی طرح حفاظت کی۔

اذا ذرفت عیناہ قالت صحابتی لقد ولعت عیناک بالہملان

جب میری دونون آنکھین (آنسوؤن سے) بھر گئین، تو میرے دوستون نے کہا تیری آنکھین دریائے اشک بہانے مین حریص واقع ہوئی ہین"

افی کل یوم انت رام بلادھا بعینین السنانا ہما عرفان

"کیا تو ہر روز اُسکے (معشوقہ کے) بلاد کا اپنی دو آنکھون کے ساتھ قصد کرنے والا ہے جنکی دونون پتلیان (آنسوؤن مین) غرق ہین"

شامی نوجوان نے میلار کے بھائیون کو کعب کا پتہ بتلا دیا اُنھون نے اُسے اُسکا حق معاوضہ دیا۔ نیز مکہ معظمہ کا صحیح راستہ بتا دیا اور خود دونون بھنون کو ساتھ لیکر کعب کی تلاش مین نکل کھڑا ہوا۔

کثرت افکار اور طرح طرح کا غم اُٹھاتے اُٹھاتے میلار کی سچ مچ بیمارون کی سی حالت ہوگئی۔ سر مین ہر وقت درد رہنے لگا۔ ضعف ونقاہت بڑھگئی۔ بولنے مین بھی تکلف ہوتا تھا۔

اوران سب باتون کا واحد سبب وہی مرضِ عشق تھا، وہ ہر وقت جدائی و فراق کے غم مین چشم پُرنم رہتی - آخر اسی غم مین گھل گھل کر اسقدر ناتوان ہوگئی کہ موقعہ پاکر دوسرے امراض نے بھی حملہ شروع کردیا - مگر ان سب باتون کے ہوتے ہوئے شوقِ وصال اور شوقِ دید مین وہ اپنے بھائیون کے ساتھ سرگرم سعی تھی اور سفر کی زحمت بخوشی برداشت کر رہی تھی -

کعب کو کسی طرح خبر ہوگئی - یہ لوگ جسوقت اُسکے قیام گاہ پر پہونچے تو وہ کبھی کا گانون کے باہر جاچکا تھا -

وہ بہت اُمید کے ساتھ اسقدر مصائب و تکالیف اُٹھاکر یہان تک آئے تھے، جب اُنھون نے اُس گوہرِ مقصود کو یہان بھی نہ پایا تو اُنکی مایوسی کی حد نہ رہی ہر ایک پر یاس کا عالم طاری تھا، خصوصًا میلار کی حالت نہایت ہی قابلِ رحم تھی، اُسے جب معلوم ہوا کہ جس دُرِ شاہوار کی تلاش مین اپنے مرض کی حالت مین نکلی اُسکا یہان بھی پتہ نہین - ہائے نہ پوچھئے اُسوقت اُسکی کیا کیفیت ہوگئی مرض مین دوچند ترقی ہوگئی - انتہائے مایوسی نے اُسکی جان پر بنا دی، اور آہ! ایک نوخیز جمال کی اُٹھتی ہوئی جوانی ظالم عشق ..... کی نذر ہوگئی -

کعب گو خوف یا مصلحت سے قیام گاہ پر جانا اور اُن لوگون سے جو صرف اُسی کی تلاش مین آئے تھے، ملاقات کرنا مناسب نہین سمجھتا تھا - لیکن اُسکا جذبِ عشق اُسے وہین جانے کے لئے اُبھارتا تھا جہان میلار موجود تھی - وہی میلار جسکے لئے یہ غریب الوطن ہوا تھا، آج اُسکی تلاش مین ماری ماری پھر رہی تھی، شوق نے مجبور کیا، آخر وہ چھپکے سے نگاہون سے بچتا ہوا اپنے قیام گاہ کی طرف چلا - وہان جاکر دیکھا تو اُسکا گھر بھرا ہوا ہے، صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے، کعب کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اور سر مین چکر محسوس ہونے لگا -

مکان کی پشت پر ایک لڑکا کھیل رہا تھا - کعب نے اُس سے بُلاکے پوچھا، تمھارے باپ کا کیا نام ہے، اُسنے کہا کعب - گھر سے نکلتے وقت کعب اُسے شیر خوار چھوڑ آیا تھا کعب نے پھر دریافت کیا، آج اس گھر مین اسقدر آدمی کیون جمع ہین اُسنے جواب دیا میری خالہ (میلار) کا انتقال ہوگیا -

کوئی قاتل سے قاتل زہر بھی اتنا اثر نہین کرسکتا جتنا لڑکے کے اس فقرہ نے کعب پر کیا -

آہ جب تک وہ بری وضع زندہ تھی اُمید وصال قائم تھی، مگر آہ اب تو محل اُمید ہی نہین پھر امید کیسی۔ کعب کلیجہ تھام کر دیوار کے سہارے بیٹھ گیا، حالت نازک ہوگئی جسم مین خفیف سا لرزہ پیدا ہوا اور ہمیشہ کے لئے تکالیف و مصائب دنیوی سے آزاد ہوگیا۔ بوگون نے دیکھا تو صرف جسم تھا روح پرواز کر چکی تھی۔ اس واقعہ نے حزن و اضمحلال کو اور بھی زیادہ کر دیا۔ بالآخر اس عاشقِ ناشاد کو بھی اُسی نامراد (میلار) کے پہلو مین دفن کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

محمد حسین حسان

جذباتِ آثر

ایک دلچسپی کا سامان سعیٔ لاحاصل مین تھا — دور تھا منزل سے ورنہ جو قدم منزل مین تھا
عکس افگن جلوۂ جانانہ میرے دل مین تھا — دل میرے پہلو مین تھا یا آئینہ محفل مین تھا
اک چراغان تھا کہ سامانِ تجلی دل مین تھا — نقشبندِ آرزو کوئی حسین محمل مین تھا
بے نیازی طور پر تھی مائلِ راز و نیاز — کسقدر اندازِ دلکش لکنتِ سائل مین تھا
شوق کہنا تھا کہ "ہان"، حسرت یہ کہتی تھی "نہین" — مین ادھر مشکل مین تھا قاتل اُدھر مشکل مین تھا
بحرِ طوفان خیز الفت کے تھپیڑے الامان — بیچ دھارے مین سفینہ تھا کبھی ساحل مین تھا
دل کی بیتابی وہی ہے، خود فراموشی وہی — کیا نہین ہے ہجر مین جو وصل کی منزل مین تھا
سلب تھی قوت تڑپنے کی، تڑپتا کس طرح — ایک دلمین دوسرا خنجر کفِ قاتل مین تھا
حسرتون کی ایک دنیا تھی نگاہِ واپسین — جو کچھ اس عالم مین تھا وہ دیدۂ بسمل مین تھا
آج آہِ سرد بھر کر اُسکو بھی رخصت کیا — وہ جو اک اندوہِ ناکامی ہمارے دلمین تھا
عمر بھر کی آرزوؤن کا خلاصہ تھا وہی — ظاہرا اک قطرۂ خون دیدۂ بسمل مین تھا
اللہ اللہ جستجوئے دوست کی رنگینیان — ایک دل خون بستہ ہر نقشِ قدم منزلمین تھا

شوق کے ہاتھون آثر کیا کیا نہین کھائے فریب
دل وہی تھا جسکو ہم سمجھے ہمارے دلمین تھا

آثر عثمانی

زراعتی کہاوتین

ذیل مین چند مشہور کہاوتین لکھی جاتی ہین جو زمانہ سلف کے زراعت پیشہ اشخاص کے ذاتی تجربات کے نتیجے ہین اور جو ناظرین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ثابت ہونگی۔

۱- اُتم کھیتی مدھم بان نکھد چاکری جان سجان

یعنی سب پیشون مین افضل کھیتی ہے اسکے بعد تجارت کا درجہ ہے اور سب پیشون سے کمتر درجہ ملازمت یا نوکری کا ہے اے عقلمند! اسکو اچھی طرح سمجھ لے۔

۲- اوت اُدر ناکرے دجات ندنیا ہست نیچے ماگھا ترگئے تو کا کرہین گرہست

اگر اُدرا نچھتر کے شروع مین پانی نہ برسے اور ہست نچھتر کے اخیر مین بارش نہو نیز گھا نچھتر کے درمیان مین مطلع صاف رہے تو کسان حالت بے بسی مین مبتلا ہوگا۔ اور محرومی و نا اُمیدی کی صورت پیدا ہوگی۔

۳- ساون اس بہئے پُروا یا بیل بیچ لے دھین گیا

اگر ساون کے مہینے مین پُروا ہوا چلتی رہے تو کسان کو چاہیئے کہ بیل بیچ کر دودھارو گائے خریدے۔ مطلب یہ ہے کہ ساون مین پُروا ہوا کا چلنا عدم بارش کی دلیل ہے۔

۴- پوس اس بچھوا چلے کھڑا پڑے ضرور جیتی کھیتی ایکھ کی ہووے چکنا چور

اگر پوس کے مہینے مین بچھوا ہوا چلے تو کھڑا ضرور پڑیگا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اوکھ کی کاشت کو سخت نقصان پہونچے گا۔

۵- ماگھ اس گوڑے کھیت جانا بوجھا کرے بیاہ کھالے اونچے ڈالے جائین کبھی نہ پڑے اُپاس

اگر ماگھ کے مہینے مین کھیت بخوبی گوڑے جائین۔ اور شادی جب کیجائے تو پورے حالات دریافت کرکے کیجائے۔ اور نشیب و فراز کے کھیتون مین کاشت کیجائے یعنی ہر قسم کے

غلہ جات و دیگر اشیاء کی کاشت کیجائے۔ مثلاً جو۔ گیہون۔ باجرا۔ مکا۔ دھان اور ایکھ وغیرہ وغیرہ۔ تو فاقہ کشی کی نوبت کبھی کسی کسان کو نہین پہونچ سکتی۔

۶۔ ماگھ کھیت گوڑے بھادون سارے سینکی لوگائی کو بھلا پارے

یعنی اگر ماگھ کے مہینہ مین کھیت بخوبی گوڑے جاوین اور بھادون مین کھیتون کی مٹی پانی سے تر ہوکر بخوبی سڑے تو بہت اناج پیدا ہوگا۔

۷۔ کھن کے کاڑھے گہرے مور یا وے ایک بیل کا دام بیٹھے ہی پاوے

یعنی اگر اوکھ جڑ کھود کے نکالی جائے اور خوب دبا دبا کر کوھو مین پیری جاوے تو کسان بیٹھے ہی بیٹھے ایک بیل کی قیمت اُس سے حاصل کر لیگا۔

۸۔ ایک بیل بن انٹکا پارے گوسیان رُدوے کھیت کے آڑے

یعنی ایک بیل سے بخوبی کھیتی نہین ہوسکتی اور سخت دقتین پیش آتی ہین۔

۹۔ (۱) مینا لٹکن ہوئے پار دام کھولئے کنٹھا دار

(۲) اوہ پار جیب دیکھو مینا یہی پار سے پھینکو بیانہ

یعنی وہ بیل جسکے سینگ گھومے ہوئے سر پر لٹکتے ہون نہایت مبارک ہوتے ہین اُسکو ضرور خریدنا چاہیئے۔

۱۰۔ تین کیاری تیرہ کوڑ تب دیکھو اوکھی کا پوُر

یعنی اگر اوکھ کو کم سے کم تین دفعہ پانی دیا جاوے اور تیرہ دفعہ گوڑا جاوے تب وہ عمدہ دراز اور موٹی ہوگی۔

۱۱۔ ہر ہر واہی پکّا کام ٹھہر ٹھہر گرے چوپڑ کا چام

یعنی کاشتکاری نہایت مشقت۔ جفاکشی اور عرقریزی کا کام ہے۔ اسمین اسقدر محنت غریب کاشتکارون کو کرنی پڑتی ہے کہ اُنکے بدن کا چمڑا سوکھ جاتا ہے۔

۱۲۔ جو چاہو تو اُترا گا ہو۔

یعنی اگر تم جو خوب پیدا کرنا چاہتے ہو تو اُترا نچھتر مین کھیت جوُتو۔

۱۳۔ تیرہ کا تک تین اساڑھ۔

یعنی کاتک کے شروع کے تیرہ دنون مین کھیت بولے جائین۔ نیز اساڑھ کے پہلے تین دنون مین یعنی اساڑھ کی کاشت پانی برسنے ہی ہوجانی چاہیئے۔

۱۴۔ جوجارے گیہون بارے۔

یعنی جو کا کھیت جب خوب خشک ہوجاوے تب اُسمین پانی چلانا چاہیئے۔ اور گیہون کا پودا جب چھوٹا ہی ہو تب ہی اُسمین پانی دینا چاہیئے۔

۱۵۔ ستّو چاس موری اوکرے آدھا اوری اوکرے آدھا جَو۔ جب نہ اُپجے تو کہو۔

یعنی اگر ستّو دفعہ مولی کا کھیت جوتا جاوے اور پچاس دفعہ اُوکھ کا کھیت جوتا جاوے اور پچیس دفعہ جو کا کھیت جوتا جاوے تو بالیقین پیداوار کثیر دستیاب ہوگی۔

مدن کشور شادان اعظم گڈھی

جذباتِ روان

دل سے گر ذکرِ جمالِ شاہدِ یکتا کرین — محفل ہفتاد و دو ملّت تہ و بالا کرین
فکرِ عقبیٰ کی کرین ہم یا غمِ دنیا کرین — عقدۂ ہستی کو کس ناخن سے آخر وا کرین
ایک عالم محوِ نظارہ ہے اور وہ پردہ دار — گر اسی کا نام پردہ ہے تو وہ پردہ کرین
اپنے دامن مین بھرے بیٹھے ہین خاکِ کوئے دوست — دل کے کچھ ارمان نکلے۔ ارادہ ہے کہ پھر یکجا کرین
اس دلِ مردہ کا حال اے ہمنشین ہمسے نہ پوچھ — ہم پر جو گذری سو گذری انکو کیون رسوا کرین
جانیوالے چلدیئے دنیا کی بستی چھوڑ کر — رونے والے ایکدن کیا عمر بھر رویا کرین
اس قرینے کے ستمگارون سے اللہ کی پناہ — آپ ہی بیداد گر ہون آپ ہی شکوہ کرین
جب فنا ہونا یقینی ہے دلی جذبات کا — یاس کا غم۔ کامیابی کی مسرت کیا کرین

ایسے بھی کچھ نالہائے قلبِ مضطر ہین روان
جو فضائے آسمان مین حشر تک گونجا کرین

حکیم محمد یٰسین صاحب روان

ملکانوں کی شدھی اور اسکا جواز

اگرچہ ملکانہ راجپوتوں کی شدھی کا کام آگرہ کے آس پاس والے صرف چند اضلاع تک ہی محدود ہے۔ مگر کام کی نوعیت نے اُسکو ایک ایسی اہمیت دے رکھی ہے جسنے سارے ملک کے دماغ مین ایک عجیب ہیجان پیدا کردیا ہے۔ ملک کے مختلف افراد کی جانب سے مختلف نقطۂ خیال سے، مختلف آرا کا اظہار برابر کیا جارہا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہین جو تعصب اور تنگ نظری کے احساسات سے متاثر ہوکر اس پاک تحریک کو محض جابرانہ اور نامنصفانہ خیال کرتے ہین لیکن کچھ لوگون نے راستی اور غیر جانب داری سے کما حقہ کام لیتے ہوئے تحریک مذکورہ کی اشاعت کو ایک امر واجبی قرار دیکر اپنی انصاف پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ اہل الرّاے اصحاب کا ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو شدھی کے روحانی جواز کو تسلیم کرتے ہوئے بھی، بعض مادّی وجوہ کی بنا پر، اس تحریک کی موقوفی کا حامی ہے۔ رسالۂ زمانہ کے قابل قدر مضمون نگار منشی پریم چند صاحب بھی اسی فرقے کے ہمخیال ہین۔ جسکے ثبوت مین موصوف کا وہ قابلانہ مضمون پیش کیا جاسکتا ہے جو رسالۂ مذکور کے مئی نمبر مین "ملکانہ راجپوت مسلمانون کی شدھی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

شدھی کا مسئلہ بہت پُرانا ہے۔ اس تحریک کی بنا نہ مسلمانون نے ڈالی ہے، اور نہ اسکا اجرا، کوئی حال کا اجرا ہے، اسکے بانی ہمارے رشیون کے وہ دُور اندیش دماغ تھے جو ضروریات زمانہ و نیز اُن فوائد سے باخبر تھے، جنکا ہونا دنیا و عقبیٰ کے لحاظ سے، مذہبی اشاعت اور اُس اشاعت کی یکسانیت سے قلوب انسانی کے اثر پذیر ہونے پر بہت کچھ منحصر ہے۔ منوسمرتی، ہندوؤن کا مستند دھرم شاستر ہے، اور اُسکے متعدد اوراق ایسے اشلوکون سے بھرے پڑے ہین، جن مین مختلف انسانی حالتون کے لحاظ سے شدھی کے طریقے منضبط کئے گئے ہین۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ اقتضاے وقت کے موافق اُن طریقون مین کچھ ترمیم

کردیجاے، یا اُنکو ایسے دیگر مذاہب کے مختلف شعبون سے متعلق کردیا جاے، جنکا زمانۂ قدیم مین نام ونشان بھی نہ رہا ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان باتون سے بُنیاد کی قدامت مین کوئی فرق نہین آسکتا۔ ہندو مذہب کے علاوہ دُنیا کے اور بھی جتنے بڑے بڑے مذاہب ہین (یعنی بودھ مذہب، عیسوی مذہب، اور اسلامی مذہب) اُنکے دینی پیشواؤن نے بھی اُن ضروریات و فوائد کو نظرانداز نہین کیا جنکا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، اُنھون نے بھی اپنی اپنی سمجھ کے موافق ایسے اوامر کا اظہار کیا ہے جنکی تبلیغ کو ہم اُنھین مذاہب کے نقطۂ خیال سے ایک قسم کی شُدھی کہہ سکتے ہین۔ یہان پر اس بحث کی گنجائش نہین کہ اس شدھی کے اجرا مین ایجاد سے کام لیا گیا ہے، یا ہمارے شدھی والے اُصولون کی قدامت سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ تبدیلی مذہب کے اعتبار سے اس شدھی کے مسئلہ پر کس طریقہ پر کاربند ہونا مناسب ہے۔ اس معاملہ مین جبر و تشدد سے کام لینا انسانیت کے خلاف اور قابل نفرین ہے۔ اِس سے نہ تو مذہب کی عزّت بڑھتی ہے اور نہ ایسی شُدھی کو واقعی معنون مین شُدھی کہا جاسکتا ہے۔ البتہ اس بات کا ہر شخص کو کامل اختیار رہے کہ وہ اپنے مذہبی صداقتون کی اشاعت بلا کسی روک ٹوک کے کرتا رہے۔ ایسے اشاعتی کامون کا شمار پاک ترین انسانی فرائض مین کیا گیا ہے اور اس پاک فرض کے ادا کرنے والے لوگ ہر مذہب اور ہر مُلک مین ہمیشہ اعلیٰ ترین عزّت کے مستحق خیال کئے جاتے ہین۔ اگرچہ تبلیغی کوششین بیشتر حالتون مین شُدھی کا ذریعہ بن سکتی ہین لیکن بعض وقت خارجی مساعی کی ضرورت بھی نہین واقع ہوتی۔ فطرت انسانی مین حسیات کہنہ کے نقوش کچھ اس طرح مرتسم ہوجاتے ہین کہ محض تبدیلی مذہب (بالخصوص جب ایسی تبدیلی جبریہ واقع ہوئی ہو) اُنکو محو نہین کرسکتی۔ یہی نقوش صرف اُن اندرونی تحریکات کی وجہ سے جو قلوب انسانی مین برابر ہوتی رہتی ہین کسی وقت خود بخود نمایان ہوجاتے ہین۔ تو ملکانون کی حالت مین جنکے عقائد و خیالات اور رسم و رواج، سب کے سب قریب قریب ہندوانہ ہین، ہم مذکورۂ بالا داخلی تحریکات کو اُنکی شُدھی کا سبب کیون نہ مان لین؟ پھر بالفرض اگر یہ شُدھی خارجی اسباب کا نتیجہ ہے تو بھی اسمین کونسی بُرائی یا زیادتی ہے؟ بہرحال یہ امر مُسلّمہ ہے کہ مذہبی تبلیغ کی آزادی ہر شخص کو حاصل ہونی چاہیے۔ ایسی صورت مین اُس تبلیغ کے نتیجہ یعنی تبدیلی

مذہب کا کامل جواز بھی خود بخود ثابت ہوجاتا ہے، کیونکہ دنیا مین کوئی کام محض بے سود طریقہ پر تو کیا نہین جاتا۔ اور مذہب کی اشاعت بھی اِس کُلیہ سے مستثنیٰ نہین ہے۔

یہ ٹھیک ہی کہ عموماً ہندوؤن مین بھی کچھ ایسے رسم و رواج پائے جاتے ہین جو کم و بیش اسلامی عقائد سے وابستہ ہین مگر جہانتک حالات واقعی سے پتہ لگتا ہے، ہندوؤن کی حالت سے ملکانون کی حالت بالکل جداگانہ ہے۔ ملکانے پہلے ہندو تھے لیکن ہندو یقیناً بیشتر مسلمان نہین تھے، ملکانون مین ہندوپن ہے اُسکی نسبت سے ہندوؤن مین اسلامی مذہب کے اثر کا ہونا تقریباً نفی کے برابر ہے۔ خیر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اگر ہندو اپنی خوشی سے اسلامی مذہب کو قبول کرنے پر آمادہ ہوجائین تو اُنھین اس بات کا اُسیقدر حق ہے جتنا کہ مسلمانون کو دوبارہ ہندو بن جانے کا، اور اوّل الذکر حالت مین کوئی بھی انصاف پسند ہندو اسلامی مبلغین یا عموماً اہالیانِ اسلام کو مشتبہ یا مخاصمت آگین نگاہون سے دیکھنا گوارا نہ کریگا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ موپلا علاقہ مین کثیر التعداد ہندوؤن کو جبریہ مسلمان ہوجانے پر مجبور کیا گیا تو اُسوقت ہندو جماعت مین ایسا شور و شغب کب برپا ہوا تھا جو آج ملکانون کے خود بخود شُدھ ہونے پر اسلامی حلقون مین دکھائی دے رہا ہے؟

ہماری ناقص رائے مین ملکانون کی اس شُدھی والی تحریک کو RETALIATION یا انتقامی تحریک سے منسوب کرنا قطعاً نادرست ہے۔ ہم یہ ماننے کے لئے بالکل تیار ہین، کہ جس تحریک مین سوامی شردھانند اور سوامی دیانند جیسے پاک طینت بزرگ عملی حصّہ لے رہے ہین، اور جسمین جبر و تشدد کا ذرا بھی دخل نہین، اُسکی ہستی کینہ و انتقام والے مذموم جذبات پر مبنی ہے۔ اسمین شک نہین کہ اس تحریک سے اسلامی مذہب کو ضرور نقصان پہونچے گا، اور یہ ظاہر ہے کہ بحالت موجودہ ایسے نقصان کا پہونچنا لابدی ہے۔ بس یہ اور بات ہے کہ محض نقصان مذکورہ کے لحاظ سے شدھی کی تحریک کو بُرے ارادون سے متعلق کردیا جائے۔ مگر امر واقعی یہ ہے کہ دُنیا مین ہر شخص کو خوش رکھنا ناممکن ہے۔ کسی ایسی بات کا کھوج نہایت مشکل ہے جس سے ساری خلقت یکسان طریقہ پر مستفید ہو۔ ایک کے فائدہ کے ساتھ ہی دوسرے کا نقصان ہونا اور اُس نقصان کی وجہ سے رنج کی پیدائش بہت ممکنات سے ہے۔ البتہ اس نقصان و رنج کے لئے کوئی

شخص اپنے دل کو صرف اس خیال سے کافی تسکین دے سکتا ہے کہ جس تحریک سے اُسکو نقصان یا رنج برداشت کرنا پڑا ہے اُسکی محرک حق و انصاف کی اجتماعی قوت ہی۔ اور جبکہ ایک بار مذہبی آزادی کو اسی قوت کے نتیجہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا تو پھر یہی بات مذہبی تبلیغ اور اُسکے نتائج کے ظہور کی نسبت سے بھی کہی جا سکتی ہے، خواہ نتائج مذکورہ کا تعلق کسی خاص شخص سے ہو یا کسی خاص جماعت سے۔ بہرکیف اگر ملکانون کی شُدھی سے مخالف جماعت کو نادانستہ طریقہ پر ایذا پہونچتی ہے، تو یہ بات ایسی نہین ہے جو ناقابل عفو ہو، اور نہ محض اسوجہ سے اس تحریک مذکورہ کو انتقامی تحریک کہا جا سکتا ہے، خصوصًا جبکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اس شُدھی سے ملکانونکو اُنکے عقائد کے موافق روحانی نفع یقینًا پہونچے گا، اور اسکے علاوہ مذہبی تبلیغ کی آزادی برقرار رہے گی۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ایک شخص بھی روحانی نفع کے حصول کا متمنی ہو اور یہ نفع اُسکو انصافًا پہونچایا جا سکتا ہو تو صرف کثیر التعداد اشخاص کی ایذا رسانی کے خیال سے اُس ایک شخص کو نفع مطلوبہ سے مصلحتًا محروم رکھنا سخت ناواجب ہوگا، اس بات کو خیال مین رکھتے ہوئے ملکانون کی شدھی مین انتقام کا شائبہ بھی نظر نہین آتا۔ مجھکو مولانا ابوالکلام صاحب آزاد اور پنڈت پرشوتم داس جی ٹنڈن کی اُس مشترکہ رپورٹ سے اتفاق نہین ہے جسمین اُنھون نے یہ راے ظاہر کی ہے کہ ملکانون کو تبدیل مذہب کے لئے اُنکی خود اختیاری مساعی پر چھوڑ دیا جاوے کیونکہ بہرحال روحانی شناسنی کے عطا کرنے مین حمایت کرنا ہر مذہب کا پاک فرض ہے۔

اب رہا ہندوؤن کی تعدادی افزونیت کا معاملہ، تو یہ شُدھی کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر خواہ مخواہ یہ فرض کر لینا کہ صرف اسی ایک بات کے خیال سے، جسکا شمار سیاسی اغراض مین کیا جا سکتا ہے، شُدھی کی موجودہ تحریک جاری کی گئی ہے، قرین مصلحت نہین ہے۔ قابل مضمون نگار صاحب کا یہ کہنا کہ "میان مذہب نے قومیت، ذات، حسب و نسب، سب پر سکہ جما لیا ہے" اور پھر شدھی کی تحریک کو خالصًا اور کلیتہً سیاسی اُمور پر مبنی ہونا بتلانا، دو ایسی متضاد باتین ہین جنکو ایک ساتھ تسلیم نہین کیا جا سکتا۔ مذہب زمانۂ قدیم سے ہندوستان اور ہندو قوم کا خاصہ رہا ہے۔ اور میری راے مین اعلیٰ مذہبی معیار کا قائم نہ رہنا ہی موجودہ قومی و ملکی زوال کا خاص سبب ہے۔ بھر بھی اُس خاصۂ قدیم کا پاک اثر کچھ نہ کچھ باقی ہے، جسکا ہونا ایک بالکل قدرتی امر ہے۔ تو کیا

ایسی صورت مین یہ مان لینا زیادہ قرین انصاف نہین ہے کہ شدھی کی تحریک کا اجرا اوّلاً مذہبی اشاعت کے لئے ہے اور سیاسی فوائد کا ظہور محض ثانوی بات ہے؟ دراصل مذہب کو سیاست سے بالکل الگ سمجھ لینا ہی ایک شدید غلطی ہے اور کوئی مذہبی تحریک ایسی نہین ہوسکتی جسمین سیاسی اغراض کی قطعی شمولیت نہو، خواہ اِس بات کا اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ پھر ہم مذہب و ہم خیال اشخاص کی فراوانی سے کیا اُنکے الفاظ و اتحاد مین کوئی خاص مدد نہین پہونچتی، جبکہ الفاظ یا اتحاد کو عملی صورت مین لانے کی کوشش کیجائے؟ اس نقطۂ خیال سے بھی اشاعت کے کام کو محض اس بنا پر مجنونانہ نہین کہا جاسکتا کہ اُسکا اثر بجائے سارے مُلک کے کسی خاص خطۂ ملک تک محدود رہتا ہے۔ اس سے میرا یہ مطلب اصلا نہین ہے کہ غیر مذہب والے لوگون سے رشتۂ اتحاد قائم نہ کیا جائے یا کسی ملک کے باشندگان کا ایک قوم کی حیثیت سے ابتغیا طہ نہ کیا جائے۔ مذہب اپنے سچے معنون مین ایسی تنگ نظری کی اجازت نہین دیتا۔

مذہب کا تعلق خاص طریقۂ پر معبودِ حقیقی سے ہے اور اسلئے مذہب کا درجہ بلند ترین ہے۔ اس لحاظ سے مذہب پروری کوئی بُری بات نہین۔ اگر ایک ہندو پہلے ہندو، یا ایک مسلمان پہلے مسلمان، اور زان بعد ہندوستانی ہے تو واقعی ایسا ہی ہونا بھی چاہئے۔ مُلکی تعلقات کا لحاظ وہین تک کیا جانا مناسب ہے جہانتک کہ اُن تعلقات کی موجودہ یا اصلاح شدہ حالت سے مذہبی معیار کے حصول مین مدد ملتی ہو۔ ملکی حالات کا اثر وہان کے رہنے والون پر ہمیشہ براہِ راست پڑتا ہے، اور اُنھین حالات کی موافقت باشندگانِ ملک کو ارتقائی منزل پر پہونچنے کے لئے بہترین سہولیت بخشتی ہے۔ ہندوستانی اگر سوراج چاہتے ہین تو اسی لئے کہ وہ ساری باتین یکقلم دور ہوجائین جو اُنکی ترقی مین سدِّ راہ ہین، اور یہ ظاہر ہے کہ ترقی کا خیال صرف دنیاوی ترقی تک محدود نہین ہوسکتا۔ قدرت کا تعلق خدائے پاک کی ذات سے ہے۔ وہ باہمی نفاق کو پسند نہین کرتی۔ اُسکا منشا رہے کہ اپنے اپنے ملکی سوسیلیٹون کی مدد سے ارتقائی مدارج کو طے کرکے کُل بنی نوع انسان بالآخر ایک متحد قوم کی شکل مین منتقل ہوجائے، اور ایسا ہونا اُسیوقت ممکن ہے جب مذہبی وسیع النظری کا اعلیٰ معیار ہمیشہ پیش نظر رہے۔ ورنہ دوسری صورت مین مادی علائق کو فوقیت دینے کا نتیجہ وہی مذموم NATIONALISM یعنی قومیت ہے جو آجکل قدرت کے

متذکرۂ بالا مقصد کو فنا کر رہی ہے۔ اگر اقوام یورپ اپنے آپ کو اوّلاً عیسائی اور بعدہٗ اپنی اپنی ملکی قوم خیال کرتین تو بہتری کے اعتبار سے آج یقیناً دنیا کی کایا پلٹ ہوگئی ہوتی کیونکہ بہرحال انصاف و رواداری کے اعلیٰ خیالات مذہب کے ساتھ ہی وابستہ ہین۔ اور یہ بات کم و بیش ہر مذہب مین پائی جاتی ہے۔

اب جو بات کسی قوم کے اپنے ملکی رسائل کی مدد سے ترقی کرنے کے بابت کہی گئی ہے وہی بات کسی قوم کے اپنے پسندیدہ مذہب کے ذریعہ ترقی کرنے کی نسبت سے بھی کہی جاسکتی ہے۔ مذہب کی پسندیدگی، مذہب کی تبدیلی کا باعث بھی ہوسکتی ہے۔ اور اس تبدیلی سے ایک کمزور قوم یقیناً مضبوط بنجاتی ہے۔ یہ مضبوطی کس لئے ہوتی ہے؟ طاقتور قوم سے جنگی مقابلہ کرنے کے لئے نہین۔ کیونکہ ایسا کرنا اعلیٰ مذہبی اغراض و احکام کے منافی ہے۔ بلکہ طاقتور قوم کی واقعی زیادتیون کا مقابلہ کرنے کے لئے آخری نتائج طاقتون کا توازن، مساوات اخوت اور اتحاد ہین نہ کہ حرص و عداوت، جو انسانون کے اخلاقی معیار کے خلاف ہین۔ پس اس مقابلہ کی تشبیہہ ہندوستان کی خانہ جنگیون سے دنیا کسی طرح درست نہین ہوسکتا۔

اب رہا ملکانون کے اسلامی حلقہ مین دوبارہ واپسی کا اندیشہ، تو اُنکے معاشرتی پہلو کو خیال مین رکھتے ہوئے اس بات کی امید بہت ہی کم ہے۔ اگر دھرم پال وغیرہ شدھ ہونے کے بعد اسلامی مذہب مین پھر داخل ہوگئے تو اسکی ایک بڑی وجہ وہ مغائرت تھی جو نئی برادری کیطرف سے برتی جاتی تھی۔ ملکانون کی حالت دگرگون ہے۔ اوّل تو اُنکی راجپوت برادری اُنکو اپنے دائرہ مین ہر طرح شامل کرنے کے لئے برابر تیار رہے۔ دوسرے ملکانون کی تعداد خود اسقدر زیادہ ہے کہ وہ اپنی انسانی ضروریات کو بطور خود بھی رفع کرسکتے ہین۔ پھر اگر اس اندیشہ کا ہونا برحق بھی سمجھا جائے تو بھی بحالت موجودہ کیا ہندوؤن کا یہ پاک فرض نہین ہے کہ وہ ملکانون کو روحانی اطمینان دیتے ہوئے اُنکے پسندیدہ مذہبی وسائل کے ذریعہ سے اُس ارتقائی معیار کے حصول مین دامے، درمے، قدمے، سخنے اُنکی مدد کرین جسکی تشریح اوپر کیجا چکی ہے؟ پھر اس مدد کے حاصل کرنے کا ذریعہ بجز تشہیر کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اسکے علاوہ یہ بات سمجھ مین نہین آتی کہ جب انفرادی حیثیت سے مذہبی تبلیغ یعنی شدھی کا ہونا جائز تسلیم کیا جاتا ہے تو مجموعی حیثیت سے اُسکا کیا جانا

کیونکر ناجائز ہوسکتا ہے جبکہ اُسمین نہ تو جبر ہی کا دخل ہو اور نہ مسلمانون کی نسبت سے کسی قسم کے مخاصمانہ ارادہ کا - اسی مجموعی حیثیت کے اعتبار سے شدھی کیمپ یا کیمپون کا کھولا جانا اور والنٹیرون کا جمع کیا جانا بھی ضروری ہوجاتا ہے - اور نہین معلوم ان ضروری اور واجبی کارروائیون سے کیا برائی پیدا ہوسکتی ہے ؟ اسی شدھی کے سلسلہ مین فاضل مضمون نگار نے اچھوتون کے اپنانے کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ راجپوت جماعت شدہ کئے ہوئے ملکانون کو اپنے ہی جماعت مین جگہ دینے کے لئے عملاً تیار ہے - اچھوتون کے معاملہ مین مذہب کی تبدیلی کا سوال نہین ہے بلکہ اُن کو اُس ساری ہندو جماعت سے کچھ واجبی حقوق کا دلانا ہے جو وسیع معنون مین اُنکی "برادری" کہی جاسکتی ہے - یہ بتلانے کی ضرورت نہین کہ تعدادی اعتبار سے اس "برادری" کا تیار ہونا دیرطلب اور دقت طلب ہے - تاہم میرا یہ مطلب نہین کہ اسکے لئے کوشش نہ کیجاوے (اور یہ کوشش کی جارہی ہے) اور نہ میرے نزدیک یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگون کی مقصد براری جلد تر اور زیادہ آسانی کے ساتھ کیجاسکتی ہے اُنکے معاملہ کو خواہ مخواہ پس انداز کردیا جائے -

مضمون زیر تنقید مین تحریک شدھی کی انسداد کے لئے مہاتما گاندھی کے نام کا بھی واسطہ دیا گیا ہے - لیکن میری سمجھ مین یہ بات نہین آئی کہ جو پاک طینت بزرگ بالعموم ہر معاملہ مین آزادی کا اسقدر دلدادہ ہو وہ مذہبی آزادی کے معاملہ مین رُکاوٹ ڈالنا یا سمجھوتہ کرنا کیونکر پسند کریگا جبتک کہ اُسکی اشاعت ایکدم غیر استدادی ہو ؟ ہمارے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ مہاتما جی کی ذات ستودہ صفات ہندو مسلم اتحاد کے تعمیر کی بنیاد ہے - لیکن مین کہتا ہون کہ یہ اتحاد شکست کیون ہو، اور کیون اس شکستگی سے کسی تیسری طاقت کو فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا جائے ؟ کسی مذہب کے تعلق سے بھی مذہبی تبلیغ کی آزادی کا قائم رکھا جانا نہایت ضروری ہے - مشہور انگریزی فلاسفر جان اسٹوارٹ مِل JOHN STUART MILL کا قول ہے کہ "باہمی تقابل سے راستی کی اشاعت ہوتی ہے" تو ہمکو اس اشاعت کے روکنے کا اختیار ہی کب ہے ؟ ہماری بہتری اسی مین ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ کو تبلیغی معاملات سے الگ رکھا جائے، اور یہی واجب بھی ہے البتہ اسکے لئے تبلیغی مساعی کا اہنسا کے اُصولون کے عین مطابق ہونا ضروری ولازمی ہے - یہ ٹھیک ہے کہ انسانی طبائع قدرتاً کمزور واقع ہوئی ہین اور ذرا ذرا سی باتون مین مذہبی تعصبات کے برافروختہ

ہو جانے کا احتمال ہے۔ مگر جبکہ آزاد خیال مسلم رہنمایان ملک و قوم نے بھی تحریک شدھی کے جواز کو تسلیم کیا ہے تو کیا یہ اُنکا مقدس فرض نہین ہے کہ وہ ملکی آزادی کے ساتھ ہی مذہبی آزادی کے فوائد کو بھی اپنی قوم کے ذہن نشین کراتے ہوئے تعصبات کو فرو کرنے کی کوشش کرین، اور اسمین ذرا بھی شک نہین کہ سچائی بالآخر کامیاب ہوکر رہے گی۔ مہاتما جی کے اقوال کے بموجب تحریک عدم تعاون خود ہی ایک ایسی تحریک ہے جسکے اقتضاء کے موافق قوم کو ضبط و تحمل، صبر و استقلال، حق کوشی و انصاف پسندی، ہمدردی و رواداری، محبت و یگانگت کے ذریعہ اپنے آپ کو پاک بناکر سوراج حاصل کرنا ہے۔ ایسی صورت مین اگر شدھی کی تحریک یا اسی قسم کے اور کسی تبلیغی کام سے ہندو مسلم اتحاد کے شکست ہو جانے کا خطرہ ہے تو کم از کم مین یہی کہونگا کہ قوم نے تحریک عدم تعاون کے اُصولون کو ہنوز نہین سمجھا ہے۔ اور پس وہ ہند کے پاک روایات کے مطابق سوراج لینے کی ابھی اہلیت نہین رکھتی۔

شدھی کی نسبت | یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پر پہلے ہندوؤن نے پھاوڑا چلایا۔ مگر کیا اس سے پہلے والی موپلا زیادتیون کو خیال مین رکھتے ہوئے قابل مضمون نگار کا ہندوؤن کو پورا ملزم قرار دینا درست ہو سکتا ہے[1]؟ پھر جب یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ شدھی کی تحریک مین اہنسا کا شائبہ نہین تو "پھاوڑا چلایا" اِس فقرہ کا استعمال کسقدر نامورون اور قابل گرفت ہو جاتا ہے۔ ہم مانتے ہین کہ اُس موقع پر مسلمان بھائیون نے عموماً موپلاؤن کے اس فعل پر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اور مظلوم ہندوؤن کے ساتھ عملی ہمدردی دکھلاتے ہوئے اپنی فراخ دلی و حق پسندی کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن اگر موپلاؤن کا کام غیر اشتعال وی ہوتا تو غالباً اُس نفرت اور اُس ہمدردی کا اظہار نہ کیا جاتا۔ اور نہ ہماری رائے مین اُسوقت اِن باتونکی ضرورت ہی ہوتی۔

اِس امر کے متعلق کہ شدھی کی تحریک اس خاص موقع پر کیون جاری کی گئی، مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ ہر کام کے لئے ایک خاص وقت ہوتا ہے، اور یہ خواہ مخواہ ضروری نہین کہ یہ وقت

---

[1] اس سلسلہ مین ملتان والے گزشتہ فساد کے واقعہ کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

اس سے کچھ آگے یا پیچھے ہی ہوتا۔ اس سلسلہ مین بھی اُس رائے کا درج کردینا مناسب سمجھتا ہون جو رسالہ ماڈرن ریویو کے فاضل اڈیٹر نے اپنے پرچہ کے مئی نمبر مین صفحہ ۶۵۰ پر ظاہر کی ہے۔ وہ کہتے ہین کہ صرف یہ کہدینا کافی نہین کہ یہ مناسب وقت نہین ہے بلکہ یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ کون سا وقت مناسب ہوگا۔ ہمکو خوف ہے کہ ہندوستان مین اندرونی و بیرونی طریقہ پر ایسے اشخاص و اسباب کافی تعداد مین موجود ہین جنکی وجہ سے ہر مناسب وقت نامناسب وقت مین تبدیل ہوسکے۔ پس ہمین جملہ اہالیان مذہب کو اپنا خاص وقت پسند کرلینے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ بشرطیکہ وہ غیر شہدانہ اور ایماندارانہ وسائل و ذرائع سے کام لین۔" میری رائے مین سمجھوتہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر فریق کی جانب سے تبلیغی تحریکین فی الحال یکقلم بند کردیجائین، مگر ایسا کرنا مذہبی آزادی کے اُصولون کے صریحاً خلاف ہوگا جسکا ہر وقت قائم رکھا جانا ضروری ہے۔

اخیر مین مین اُمید کرتا ہون کہ دلائل مذکورۂ بالا پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائیگا۔ اور شانتی وصبر کو ہر طرح قائم رکھنے کی کوشش کیجائیگی۔ سوراج کا سوال صرف ہندوؤن کا سوال نہین ہے بلکہ کُل قوم کا مشترک سوال ہے، اور اُسکے ملنے یا نہ ملنے کی ذمہ داری کل قوم پر عائد ہوتی ہے۔ جسمین یقیناً کُل قوم کا ہی فائدہ یا نقصان ہے۔ سوراج کو ہندو راج کا مترادف خیال کرنا سخت غلطی ہے، کیونکہ جیسا کہ مسٹر داس نے گیا کانگریس کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت مین ارشاد فرمایا تھا اور مدلل پیرایہ مین ثابت بھی کردیا تھا، ابتک کوئی قوم زور و تشدد کے ذریعہ سے آزادی حاصل نہین کرسکی۔

سوراج کو ہندو راج مین تبدیل کرنے کے لئے زور و تشدد کا استعمال ایک لازمی امر ہوگا۔ پس ظاہر ہے کہ آزاد ہندو راج کا قائم ہونا اور قائم رہنا "این خیال است و محال است و جنون" کا مصداق ہے۔ دھارمک ہندوؤن کو ایسے راج کی چاہ نہین ہوسکتی جسمین نت نئے جھگڑے اور بکھیڑے اُٹھتے رہین۔

سحر ہتگامی

تنقید کتب

(بحر المحبت)

مصحفی مرحوم نے یہ مثنوی میر کی مثنوی، دریائے عشق، کے جواب مین لکھی تھی۔ قصہ وہی، زبان وہی، انداز بیان وہی، لیکن پھر بھی میر میر ہین اور مصحفی مصحفی۔

مصحفی کے اور تصانیف کی طرح یہ مثنوی بھی دنیاے ادب کی نگاہون سے اوجھل تھی، قابل ستائش ہین جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے، جنھون نے ایک زنگ آلودہ آئینہ کو اُجالا، اور سیکڑون برس کے کرم خوردہ و فرسودہ نسخے کو نئی آب و تاب سے شائع کیا، کاش اسی طرح دیگر اساتذہ کی وہ تصنیفین جو زمانہ کی ناقدردانی کے ہاتھون کُنج گمنامی مین پڑی ہوئی ہین، ادبی دنیا مین نئے سرے سے لائی جاتین، مگر اسکے لئے ہمت اور ہمت کے لئے دولت کی ضرورت ہے، جہان ہمت ہے وہان دولت نہین، خالی ہمت کچھ کام نہین کرسکتی۔

مولوی عبدالماجد صاحب فرماتے ہین کہ مصحفی کے مکمل دو اوین شاید ہی کہین موجود ہون مین انھین مژدہ سُناتا ہون کہ میرے مخلص دوست مولوی سید علی صاحب (ملازم سرکار بھوپال) کے کتب خانے مین مصحفی کے آٹھون دیوان اور دونون تذکرے موجود ہین۔ اسکے علاوہ اساتذۂ متقدمین کی اور بھی ایسی نایاب یادگارین موجود ہین جو آنکھون سے لگانے کے قابل ہین، کیا مولوی عبدالماجد صاحب انکو شائع کرنے کی کوشش فرمائینگے۔

بحر المحبت کے شروع مین آپ نے ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے، جسمین ناظرین کو اس مثنوی سے روشناس کرایا ہے اور اسکی بعض خصوصیتون کا اظہار کیا ہے، کتابت پر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہین،

"اسکے علاوہ بعض الفاظ کے لیے کاتب صاحب اپنا ایک مخصوص طرز املا بھی رکھتے ہین جسکی مثالین اس زمانہ کی طرز کتابت مین عام طور پر بھی ملتی ہین"

یہ عجب فلسفہ ہے، جب اس زمانہ مین یہ طرز املا عام تھا تو پھر خصوصیت کے کیا معنی، مولانا نے شاید اس فقرہ پر غور نہین فرمایا۔ دیباچہ کے بعد مقدمہ کا نمبر ہے، اسمین آپ نے مصحفی کے سوانح زندگی تحریر فرمائے ہین اور انکی شاعری سے بحث کی ہے، مثنوی کے مقدمہ مین غزلیات کا انتخاب کچھ زیادہ مناسب نہین۔ ہان اس سے اتنا ضرور ہوا کہ ضخامت بڑھ گئی۔

صفحہ ۲۲ سے بحر المحبت اور دریائے عشق کا تبصرہ شروع ہوتا ہے، بلاشبہہ یہ تقابل نہایت ضروری تھا اسلئے کہ مصحفی نے میر کی مثنوی کو سامنے رکھکر یہ مثنوی لکھی ہے، لیکن تقابل کا طریقہ ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ طبیعت الجھتی ہے، مولانا نے ہر موقع پر صرف میر کے اشعار نقل کرکے مصحفی کے شعرون کا حوالہ دیدیا ہے، اب یہ زحمت ناظرین کتاب کے سر رہی، کہ وہ کتاب کے اس صفحے سے نظر ہٹاکے اُن اشعار کے تلاش کی طرف توجہ منعطف کرین، جنکا حوالہ دیا گیا ہے، مثلاً آپ تحریر فرماتے ہین۔

کچھ دیر کے بعد دریائے عشق کے ہیرو اُٹھکر چلی جاتی ہے، عاشق صاحب خاک پر لوٹنے لگتے ہین اور خونِ جگر پینے لگتے ہین۔

جھاڑ دامن کے تئین وہ پارہ	اُٹھ گئی سامنے سے یکبارہ
دل پہ کرنے لگا طپیدن ناز	رنگ چہرے سے کر چلا پرواز
طبع نے اک جنون کیا پیدا	اشک نے رنگ خون کیا پیدا
بسترِ خاک پر گرا وہ زار	درد کا گھر ہوا دلِ بیمار

مصحفی نے اس کوچہ مین بھی ایک ایک قدم میر صاحب کے قائم کئے ہوئے راستہ پر اُٹھایا ہے (ش ۳۸-۴۷)

اگر تبصرہ ہی کرنا تھا تو میر و مصحفی دونون کے کلام آمنے سامنے درج کئے جاتے تاکہ تلاش کی زحمت مطالعہ کو بے کیف نہ بناتی، یہ جدت بے نتیجہ اور پریشان کن ہے۔ ۴۰ صفحہ کے بعد مطالعہ کو اس کشمکش سے نجات ملتی ہے، اور صفحہ ۴۱ سے اصل مثنوی شروع ہوتی ہے، مثنوی کے ہر شعر کے سامنے نمبر شمار دیئے گئے ہین، اسکا مدعا شاید یہ ہے کہ حوالے بہ آسانی ملسکین، اگر میر کے شعرون کے سامنے ہی مصحفی کے اشعار لکھ دیئے جاتے تو یہ جھگڑا کیون ہوتا۔

بحر المحبت کے ہر صفحہ کا چوتھائی حصہ، شرح کے لئے مخصوص ہی جسپر مثنوی کے لاینحل مسائل کی شرح درج ہے۔ مثلاً بحر المحبت کا پہلا شعر یہ ہے

لب زخم قلم ذرا وا ہو تاکہ مین تجھ سے نالہ پیدا ہو

دوسرے مصرع مین 'تا' محتاج تشریح تھا، آپ نے اس معمے کو یون حل فرمایا ہے، 'تا - تاکہ' اس نکتے کے سمجھ جانے کے بعد اب غالب کا شعر آسانی سے سمجھ مین آجائیگا۔

تا پھر نہ انتظار مین نیند آئے عمر بھر آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب مین

دوسرا شعر سُنئے۔

ساتھ کاغذ کے عشقبازی کر یعنی کچھ دستان طرازی کر

مولانا محاورے کی یون تصحیح فرماتے ہین "ساتھ کاغذ کے۔ کاغذ سے" جب یہ کوئی دقیق مسئلہ نہ تھا تو مولانا نے اسکے شرح کی زحمت ہی کیون اُٹھائی۔ میرے خیال مین یہ فقرہ شرح کا محتاج نہ تھا، آج بھی لوگ کہتے ہین، ہمکو اُسکے ساتھ محبت ہے، ہم اُسکے ساتھ کھیلتے ہین،

مثنوی کا نوان شعر یہ ہے۔

گرچہ ہے کلک میرنادر کار تو بھی ندرت کو اپنی کر اظہار

شعر بالکل عام فہم اور صاف ہے تاہم مولانا حاشیہ مین لفظ "کو" کی جگہ "کا" لکھتے ہین، شیخ مصحفی فرماتے ہین، اگرچہ میر نے نادر مضامین پیدا کئے ہین، لیکن تو بھی اپنی ندرت (آفرینی) کو ظاہر کر،

حاشیہ اور شرح کے محتاج وہی اشعار یا الفاظ ہوتے ہین، جو آسانی سے سمجھ مین نہ آسکین، لیکن جو عام فہم ہون، اُنکی تفسیر کرنا یا اُنکے معنی بیان کرنا تحصیل حاصل ہی۔ اور پھر اگر شرح اسی جدت کا نام ہے تو متقدمین کے ہر دیوان پر شرح کی ضرورت ہوگی، اور مولانا عبد الماجد صاحب کو یقیناً زحمت گوارا کرنی پڑے گی۔

پندرھوان اور سولھوان شعر ملاحظہ فرمائیے۔

اسکی نظرین چڑھی تھین لاکھ نگاہ دیکھیان تھین ہزار چشم سیاہ

بہ تقاضائے عشق سنجیدہ لیکن اُسپر بھی تھا وہ نادیدہ

مصحفی اپنے ہیرو شہزادے کی تعریف مین فرماتے ہین۔

اُسکی نظرین لاکھون نگاہون پر چڑھی تھین اور ہزارون خوبصورت آنکھین دیکھ چکی تھین، وہ عشق کے معاملات مین پختہ کار و سنجیدہ تھا، لیکن پھر بھی اُسنے کچھ نہین دیکھا تھا، یعنی باوجود تجربہ کے ناتجربہ کار رہتا۔

لیکن مولانا دوسرے شعر کے متعلق حاشیہ مین لکھتے ہین۔

نادیدہ، حریص، شعر مین تعقید ہے لیکن کا تعلق مصرعۂ اولیٰ سے ہے یعنی لیکن بتقاضائے عشق سنجیدہ۔ اسپر بھی نادیدہ تھا،

سبحان اللہ کیا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

اِسی طرح "تلک۔ تک" "آگہ ہوا۔ آگاہ ہوا" "تک۔ ذرا" "جاوے۔ جائے" "ہووے گی۔ ہوگی" وغیرہ وغیرہ اکثر و بیشتر مثالین موجود ہین۔

بعض بعض جگہ شرح الفاظ مین تحقیق الفاظ کی بھی کوشش کی ہے مثلاً مثنوی کے اِس شعر کے پہلے مصرعہ کے متعلق فرماتے ہین۔

کہین پیچاک آہ کر تحریر دے بنا زلف کی کہین زنجیر

(پیچاک) اس لفظ کا املا پیچاک تحریر تھا جس سے مصرع بھی موزون نہین رہتا، حاشیہ پر تبخال درج تھا، اسکے بھی کوئی معنی نہین نکلتے۔ پیچاک کے معنی فارسی مین پیچ و خم وطرۂ زلف کے آئے ہین، اسلئے قیاس سے یہ لفظ رکھدیا"

اسمین شک نہین کہ مولانا نے تحقیق خوب کی ہے، لیکن میری رائے مین تبخال ہی صحیح ہے اور غالباً تبخالہ سے بنا ہے۔ کبھی کبھی بخار یا اندرونی حرارت کی وجہ سے منھ مین چھالے پڑجاتے ہین اُسکو تبخالہ کہتے ہین، آہ مین، سوز بھی تسلیم کیا گیا ہے، اور زبان اور ہونٹھون سے اُسکا تعلق بھی ظاہر ہے، اشعار سلسلے سے پڑھے تو یہ تاویل دلنشین ہوجاتی ہے۔

اِس سے پہلے کا شعر یہ ہے۔

ناشکیبی کسی کی دکھلادے دلفریبی کسی کی دکھلادے

مصحفی اپنے قلم سے مخاطب ہین، کہ داستان عشق لکھ، کسی کی نا شکیبی دکھا، کسیکی دلفریبی کا بیان کر، کسی کے تبخالہ آہ کی کیفیت تحریر کر، کسیکی زنجیر زلف کے پیچ وخم کو ظاہر کر، غرض سیاق عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبخال ہی صحیح ہے، جو تبخالہ کا قایم مقام ہے، پیچ وخم سے آہ کو بظاہر کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا۔

شرح الفاظ پر بھی شمار کے لئے مسلسل نمبر دیئے گئے ہین، خاتمہ پر سلسلہ کا نمبر ۳۰۴ ہے۔ یعنی مولانا نے ۳۰۴ الفاظ کی تحقیق وتفسیر کی ہے، مگر جیسا ہم اوپر دکھا چکے ہین، یہ شرح بہت ہی معمولی اور ادنیٰ درجے کی ہے، اور اس سے کوئی معتدبہ فائدہ نہین ہو سکتا۔

بہرحال یہ مثنوی قابل قدر ہے اور شرح الفاظ سے اگر قابل گرفت باتین نکالدی جائین تو یہ بھی مفید اور کارآمد ہو سکتی ہے۔

کاغذ، کتابت، طباعت، قابل قدر، حجم ۹۰ صفحہ۔ قیمت ٹائیٹل پر تحریر نہین۔

شائقین انجمن ترقی اردو اورنگ آباد۔ حیدرآباد دکن سے طلب فرمائین۔

مشرقی ترکستان

اس دلکش رسالے مین سر اورل سٹین کے سفر ترکستان کے مکمل حالات درج ہین، کتاب اگرچہ بظاہر مختصر ہے لیکن حقیقتاً وسط ایشیا کے آثار قدیمہ کا بہترین مرقع ہے۔

مولوی سید محمود اعظم فہمی نے اس مغربی دلہن کو اردو کے لباس مین نمایان کیا ہے اور دائرۂ ادبیہ نے اپنے مجلۂ اشاعت مین جگہ دیکر اسکے حسن صورت مین چار چاند لگا دیئے ہین۔

تقطیع چھوٹی حجم ۸۰ صفحہ قیمت ۶ر ملنے کا پتہ۔ دائرۂ ادبیہ لکھنؤ۔

ترانۂ حبیب

یہ پیر شبیر محمد صاحب عاجز کی ایک نعتیہ نظم ہے، جو چھوٹی تقطیع کے ۴۰ صفحہ پر دیدہ زیب طریقے سے شائع ہوئی ہے۔ شروع مین خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی نے ایک مختصر سا دیباچہ لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم جناب عاجز نے جذب کی حالت مین لکھی ہے، اور جو کچھ مکاشفہ ہوتا گیا نظم کرتے گئے عوام کو بتایا گیا ہے کہ اس نظم کا وظیفہ فائز المرام بنا سکتا ہے، خوش اعتقادی عجب چیز ہے، زبان کے لحاظ سے اسکا درجہ نہ بہت بلند ہے نہ بہت پست، کہین کہین غلطیان بھی ہین۔ قیمت ۵ر

ملنے کا پتہ۔ پیر شبیر محمد صاحب عاجز کھانگہ خورد ضلع فیروزپور (پنجاب)

اعظمی

پپیہا اور پی کہان

سامنے پیپل کی ٹہنی پر یہ بیٹھا آ کے کون — دیتا ہے آواز کس کو درد سے چلّا کے کون
ناکہ کش ہے فرقتِ دلبر کا صدمہ پا کے کون — "پی کہان" رٹتا ہے تنہائی سے یوں گھبرا کے کون
کون خارِ دشتِ وحشت ہے پئے دامانِ ہوش
کسکی یہ آواز ہے غارت گرِ سامانِ ہوش

کس نے دل کی ٹیس کو اِک آن میں چمکا دیا — کس نے اک دم آتشِ خاموش کو بھڑکا دیا
دفعتہً کس نے دلِ پُر درد کو برما دیا — کس نے کہکر "پی کہان" اِک بار گی تڑپا دیا
تو پپیہے! کیا ہے؟ اک درسِ فنا آموز ہے
"پی کہان" تیری شرارِ برقِ ہستی سوز ہے

آمدِ فصلِ بہاری کی خبر دیتا ہے تو — مژدۂ ایّامِ عشرت در بدر دیتا ہے
سر کو سودائے جنوں انگیز کر دیتا ہے تو — جامِ دل کو بادۂ مستی سے بھر دیتا ہے
تیرے آنے سے ہوا معلوم آغازِ بسنت
"پی کہان" سے آ رہی ہے صاف آوازِ بسنت

"پی کہان" سے تو نے دامانِ ہوا کو بھر دیا — اِک سرورِ روح پرور سے فضا کو بھر دیا
نشۂ صہبا سے ہر صوت و صدا کو بھر دیا — کیفِ مے سے عرصۂ ارض و سما کو بھر دیا
اے پپیہے! ساقیٔ خمخانۂ مستی ہے تو
"پی کہان" کی لَے سے سازِ نغمۂ ہستی ہے تو

صفحۂ ہستی پہ رنج و غم کی تو تحریر ہے — کاشفِ اسرارِ جانبازی تری تقریر ہے
تیری آوازِ فغاں اک نالۂ شبگیر ہے — اے پپیہے! تو سراپا درد کی تصویر ہے

قطرۂ اشکِ تمنا خونِ صد ارمان ہے تو
مشہدِ امید و حسرت کشتۂ حرمان ہے تو

اپنے جسمِ ناتوان پر تجھکو رحم آتا نہیں — پھک رہے ہیں جان و دل لیکن تو گھبراتا نہیں
فصلِ گل میں اک نفس آرام تو پاتا نہیں — تجھ سے بے فریاد و بے شیون رہا جاتا نہیں

مشتِ پرہستی تری اور اس پہ یہ سوزِ فراق
پھونک دے تجھکو نہ تپ سے گرمیٔ روزِ فراق

دوپہر ہو شام ہو یا رات ہو یا ہو سحر — چاہے وہ کوئی گھڑی ہو چاہے وہ کوئی پہر
تیز بارش ہو کہ بارش سے ہوا ہو تیز تر — تجھکو بادل کی گرج کا ڈر نہ بجلی کا خطر

منھ کھلا رہتا ہے تیرا "پی کہاں" کیواسطے
دل ملا ہے تجھکو فریاد و فغاں کیواسطے

ہے زبان سوزِ دروں کی ترجمانی کے لیئے — چشمِ پرنم سیلِ گریہ کی روانی کے لئے
سینہ بریاں ہے تپشِ ہائے نہانی کے لئے — زندگی تیری ہے سوزِ جاودانی کے لئے

بیقراری سے نگاہِ دیدۂ بسمل ہے تو
اضطراب اعضا میں ہے گویا خود اپنا دل ہے تو

کتنا حسرت خیز ہے! ظالم ترا اندازِ درد — چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر تری آوازِ درد
مُردہ دل کو ہے دمِ عیسیٰ ترا اعجازِ درد — ہر نفس ہمدردِ درد اور ہر صدا دمسازِ درد

نالۂ جاں سوز ہے آہِ دلِ ناشاد ہے
تو پپیہے! شمعِ خلوت خانۂ فریاد ہے

صوفیوں کی رہنما ہے تیری آوازِ فغاں — رندِ مشرب سیکھتے ہیں تجھ سے اندازِ فغاں
کاش! زاہد پر بھی کھلجائے ترا رازِ فغاں — نعرہ ہو کھینچ کر دکھلائے اعجازِ فغاں

اے پپیہے! تو ہے خضرِ منزلِ دیوانگی
تجھ سے ہر پُرنور شمعِ محفلِ دیوانگی

"پی کہاں" کی وہ صدائے دلکش اب آتی نہیں — تجھ سے میری روح اب اپنی غذا پاتی نہیں

تو ہے چُپ تو کیا طبیعت تیری گھبراتی نہین پی کی یاد اب کیون ترے دل پر ستم ڈھاتی نہین
تیری فریاد و فغان کی لے ہوا مین مِل گئی
اِک صدائے سوز تھی ساز فضا مین مِل گئی

ننگ و غیرت کے قریبون مین نہین آتا ہی تو ہُوک اُٹھتی ہے ترے دلمین تو چلّاتا ہی تو
سوزِ پنہان سے جگر مین آگ بھڑکاتا ہی تو خود ہی اپنی آتشِ دل سے جلا جاتا ہی تو
دردِ دل تیرا نہین شرمندۂ احسانِ ضبط
پھُونک ڈالا آہِ آتش بار نے سامانِ ضبط

پھر گھٹائین اودی اودی آسمان پر آگئین پھر ترے سر پر بلائین کالی کالی چھاگئین
آکے پھر بے چینیان تیرے جگر کو پاگئین اُٹھ کے پھر ہوکین دلِ مضطر ترا برما گئین
پھر وہی رٹ ہے تری غارت گرِ سامانِ جان
"پی کہان" پھر "پی کہان" پھر "پی کہان" "پھر "پی کہان"

خوش نما ہے ابر و برق و باد و باران کا سماں دِل کشا ہین آسمان پر نیلی پیلی بدلیان
ہے بہت فرحت فزا کوئل کی یہ کو کو بھی ہان روح سب مین پھونکتا ہے تو یہ کہکر "پی کہان"
کیفِ مستی بنکے ابر و باد مین شامل ہے تو
نوعروسِ فصلِ بارش کا پپیہے! دل ہے تو

ہوگئی کوئل بھی ہم آہنگ تیرے ساز سے پی پی رقص کرتی ہے تری آواز سے
مست ہے خلقت تری صوتِ نوا پرداز سے کس پہ کیفیت نہین طاری ترے اعجاز سے
کر رہے ہین وجد دونون کیا زمین کیا آسمان
بان سنائے جا پپیہے نغمۂ سازِ فغان

آم کے گنجان باغون مین یہ تو بولا کہین ابرِ غم مین گھر کے یا روئی ہے کوئی نازنین
سُننے والون کے دلون پر برچھیان سی چل گئین ہوگئی بیزار قیدِ جسم سے جانِ حزین
گو کہ برماتی ہے دل کو آہ! آوازِ فغان
جان کو ہے جان سے پیاری مگر یہ "پی کہان"

رو رہا ہے آہ بھر بھر کر کسی کی یاد مین — درد ہے نالون مین تیرے سوز ہے فریاد مین
جوشِ اُلفت بھر گیا تیرے دلِ ناشاد مین — تو ہے اک عشقِ مجسّم عالمِ ایجاد مین
اے پپیہے! مایۂ نازِ غم ہستی ہے تو
"پی کہان" سے نغمہ سازِ غمِ ہستی ہے تو

کس کے دردِ ہجر سے دن رات چلّاتا ہے تو — کس کے آزارِ محبت مین گھلا جاتا ہے تو
کس کی لَو مین جل کے مُنھ سے آگ برساتا ہے تو — کس کے غم مین ہر گھڑی خونِ جگر کھاتا ہے تو
تو پپیہے! آہ! کس کا کُشتۂ بیداد ہے
کون ہے وہ پی؟ جو وجہِ نالہ و فریاد ہے

کس کی خاطر یہ ترا سوز و گدازِ عشق ہے — کون وہ معشوق ہے جس سے نیازِ عشق ہے
کیا بہارِ فصلِ گل ہنگامہ سازِ عشق ہے — ٹہنی ٹہنی پر جو شورِ دل نوازِ عشق ہے
جلوہ گر کو تو نے جلوے سے جدا سمجھا نہین
محملِ لیلیٰ نگاہون مین تری پردا نہین

قاتل

(ماخوذ از نظم مسٹر سروجنی نائڈو)

سحر کو جانِ جان! تم سے کوئی رہرو اگر پوچھے — کہ "اے نازک بدن ملبوس ہے شبنم مین تر کیسا
رُخِ پرنور کو دیکھو تو اک دریا کا عالم ہے — خمِ گیسو مین بارانِ سحر کا ہے اثر کیسا؟"
ادا سے مسکرا کر نیچی نظرون مین کہو "حاشا" — "غمِ الفت سے جوشِ آہ سے اور سوزِ فرقت سے
یہ قطرے موت کے ٹپکے نگاہِ یاس و حسرت سے"

سرِ شام ایک مستِ جام دیکھے اور چلّائے — کہ "کیا کچھ ارغوانی رنگ کے مے تم نے چھلکائی
کہ دین گلنار کی چھینٹین لباسِ ناز پر اپنے — کہ نازک سُرخ پتّون ہی کی رنگت ہے پسند آئی؟"
بصد اندازِ دلداری یہ اے جانِ جہان کہنا — "کیا تھا جسکو گھائل رنج و غم کی تیغ سے مین نے
یہ قطرے زندگی کے ہین کہ نکلے قلبِ رُشدی سے"

محمد حبیب اللہ رُشدی

نوائے عشق

(۱)

ہجومِ آرزو سے بڑھ گئیں بے تابیاں دل کی
ارے او چھپنے والے! یہ حجابِ جانستاں کب تک
تمنا کیا نہ برآئیگی چشمِ نیم بسمل کی
کرے گا حسرتِ دیدار کا تو امتحاں کب تک
تری فرقت میں آخر میں رہوں آتش بجاں کب تک

(۲)

یہ طرزِ پردہ پوشی، یہ ادائے سرنگیں اُف اُف
فقط کہنے کو پنہاں ہے مگر ہر سو عیاں تو ہے
غضب ڈھاتا ہے یہ تیرا جمالِ نازنیں اُف اُف
جدھر دیکھا اُدھر تو ہے، جہاں دیکھا وہاں تو ہے
یہ سب سچ ہے مگر پھر بھی خدا جانے کہاں تو ہے

(۳)

عروسِ حسن میں، رنگیں گلوں میں، لالہ زاروں میں
ترا جلوہ، تری نکہت، تری آواز پاتا ہوں
جمالِ صبح نورآگیں میں، شامِ عنبریں بو میں
تری نیرنگیوں کے نت نئے انداز پاتا ہوں
غرض ہر چیز میں مستور تیرا راز پاتا ہوں

(۴)

بہارِ لالہ و گل سے، چمن سے، سبزہ زاروں سے
تری دوشیزگیِ حسن کا اظہار ہوتا ہے
اُمنڈتے بادلوں سے، بجلیوں سے، آبشاروں سے
جمالِ روح پرور کا ترے دیدار ہوتا ہے
فروغِ حسن تیرا کاشفِ اسرار ہوتا ہے

(۵)

تری رنگیں ادا نے کوئی کوہِ طور سے پوچھے
کہ اُسنے ایک دن دیکھا تھا تیرا مستانہ
وہ کیا کہے گا، کوئی مجھ رنجور سے پوچھے
کہ تیرے حسنِ عریاں کا ہوا کیا حال دیوانہ

ارے تو نے کہاں سیکھی یہ شرم بے حجابانہ

(۶)

چھپایا تھا رخِ رنگیں تو پھر کیوں جلوہ فرما ہے
بتا دے! ہاں بتا دے! میں ترے اس ناز کے صدقے
بس اب پردہ اٹھا، یہ بھی کوئی پردے میں پردا ہے
مری آنکھیں ترے حسنِ ستم پرداز کے صدقے
میں تیری شرم کے قرباں، ترے اعجاز کے صدقے

(۷)

یہ مانا ایک پیمانِ وفا ہے، زندگی میری
یہی کم بخت گویا درمیاں میں حدِّ فاصل ہے
مگر یہ تو بتا! کیا میں ہوں؟ کیا ہے زندگی میری
ارے جو ہے ترا ہے، جان تیری ہے، ترا دل ہے
تجھے ہر بات آساں ہے مجھے ہر بات مشکل ہے

(۸)

کہاں تک ضبط ہو باقی نہیں تابِ شکیبائی
بس اک پردہ اٹھا کر جلوۂ عارض دکھا دینا
اگر فرصت نہیں دیتا تجھے شوقِ خود آرائی
تو پھر اتنا ہی کرنا میری ہستی کو مٹا دینا
اور اسکے واسطے کافی ہے تیرا مسکرا دینا

(۹)

ہجومِ آرزو سے بڑھ گئیں بیتابیاں دل کی
ارے او چھپنے والے! یہ حجابِ جاں ستاں کب تک
تمنا کیا نہ بر آئیگی چشمِ نیم بسمل کی
کرے گا حسرتِ دیدار کا تو امتحاں کب تک
تری فرقت میں آخر میں رہوں آتش بجاں کب تک

"نالۂ موزوں"

محمد یٰسین قریشی تلکین (سورونی)

چمن میں پھول تو کیا کوئی خار بھی نہ رہا
رہے نہ ہم تو وہ جوشِ بہار بھی نہ رہا
ابھی ہے نشۂ دوشینہ کا خمار مجھے
میں کیا کروں گا اگر یہ خمار بھی نہ رہا
مٹا کے عشق نے دنیا سے بے نیاز کیا
رہا نہ دل تو غمِ روزگار بھی نہ رہا

احسن سنبھلی

لطف سخن

جناب محشر لکھنوی

سحر ہے یا کہ معجزہ دیدۂ عشوۂ نازمین
جو کوئی آیا رہ گیا تیرے حریم نازمین

پوچھئے اُس سے جسکا دل واقفِ حسن و عشق ہو
فرق ہے جو کہ قدرتاً نازمین اور نیازمین

خون شدہ دل کے قطرے بھی آنے نہ پائے آنکھ تک
اُف ری ہماری کاوشین قدرتِ ضبطِ رازمین

پوچھ نہ مجھ سے ہمنفس کیا ہوا شوقِ دید سے
آئینہ بن کے رہ گیا دوست کی بزمِ نازمین

اور بڑھ اے نگاہِ شوق اور رکھین حقیقتین
دیکھ رہا ہون عکسِ دوست آئینہ مجازمین

میری خوشی پہ آسمان ہنستا ہی اور ہنسنے کیون
کوئی گیا ہے طور پر کوئی فرازِ عرش تک

اسکے سوا ہین قدرتین حسنِ کرشمہ سازمین
شدتِ دردِ عشق مین ہونا ہی جو وہ ہو رہے

اور ہو دیر اے خدا آمدِ چارہ سازمین

کہنے کی بات جو نہو کہتے ہین محشر اسکو بھی
دیکھئے بے تکلفی خدمتِ بے نیازمین

منشی رام بابو صاحب سکسینہ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی متخلص بہ سوز

حشر کیا ہے؟ ترے دیدار کا سامان ہونا
آئینہ تجھکو بنا کر مرا حیران ہونا

شرح بربادیٔ کاشانہ نہ پوچھ اے ہمدم
ذرّہ ذرّہ سے نمایان ہے بیابان ہونا

مین نکالا گیا ہر بار تیری محفل سے
میری قسمت مین ہے کیا غیر کا ارمان ہونا

بال کھولے ہوئے بالین پہ مرے بیٹھے ہین
سخت دشوار ہے مشکل مری آسان ہونا

سرد مہری سے تری ہو گیا ثابت سب کو
گل کے مانند مرا چاک گریبان ہونا

رونقِ خستہ اگر جان سے جاتا بھی رہا
جور سے تمکو نہ لازم تھا پشیمان ہونا

چودھری جگت موہن لال رواں ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی

انکو جفا پر فخر ہے۔ ہمکو وفا پر ناز ہے
حسن نواز ہے جنون۔ حسن جنون نواز ہے

ناصیۂ نیاز سے کہتی ہے گرد کوئے دوست
خاک مین جو ملا یہان بس وہی سرفراز ہے

آئینہ خانہ چھوڑیے آئیے بزم شوق مین
عشق کی جان پر بنی حسن کی مشق ناز ہے

جان کے زیست کا مآل پاکے اجل کو روبرو
پھر بھی ہین مست عیش ہم یہ بھی عجیب راز ہے

اُٹھ کے حرم سے اسلئے جاتے ہین میکدہ رواں
ایک کو ایک پر یہان فوق ہے امتیاز ہے

جناب مرزا یاس لکھنوی

سلامت رہین دل مین گھر کرنیوالے
اس اُجڑے مکان مین بسر کرنے والے

گلے پر چھری کیون نہین پھیر دیتے
اسیرون کو بے بال و پر کرنے والے

اندھیرے اُجالے کہین تو ملین گے
وطن سے ہمین در بدر کرنے والے

بہار دو روزہ سے دل کیا اٹکتا
خبر کر چکے تھے خبر کرنے والے

سر شام گل ہو گئی شمع بالین
سلامت ہین اب تک سحر کرنے والے

چھپے دامن ابر رحمت مین آخر
سیہ کاریون مین بسر کرنے والے

گریبان مین مونھ ڈال کر خود تو دیکھین
برائی پہ میری نظر کرنے والے

اِس آئینہ خانے مین کیا سر اُٹھاتے
حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے

طلسم حوادث کی تہ کو نہ پہونچے
زمانہ پہ گہری نظر کرنے والے

کھڑے ہین دوراہے پہ پیر و حرم کے
تری جستجو مین سفر کرنے والے

کہان صحن عالم، کہان گنج مرقد
بسر کر رہے ہین بسر کرنیوالے

وہی یاس اب فاتح لکھنؤ ہین
دل سنگ و آہن مین گھر کرنے والے

علمی خبریں اور نوٹ

اُردو کے مشہور فسانہ نگار منشی پریم چند صاحب نے حال مین اپنا ایک ناول "گوشۂ عافیت" ختم کیا ہے۔ جو ہندی مین پریم آشرم کے نام سے مقبول عام ہو چکا ہے، آپ نے ایک ہندی ڈراما بھی لکھا ہے، اور آج کل ایک اور ناول لکھ رہے ہین۔ ہندی دان طبقہ کی قدردانی سے آپ اُردو کے بہ نسبت اب ہندی مین زیادہ لکھنے لگے ہین۔

سنہ ۱۹۲۲ء مین انگلستان مین کل دس ہزار آٹھ سو بیالیس کتابین شائع ہوئین۔ ہندوستان مین بہت کم کتابین ہزار دو ہزار سے زیادہ چھپتی ہین۔ لیکن انگلستان مین شائد ہی کوئی کتاب دس ہزار سے کم تعداد مین شائع ہوتی ہو، بلکہ بعض تصانیف لاکھون کی تعداد مین چھپتی ہین، اس حساب سے ہندوستان انگلستان کی ابھی شائد صدہا برس برابری نہین کر سکتا ہے۔

اُردو کے نامور سخنور منشی اقبال ورما سحر ہنگامی نے اپنی قابل دید مثنوی شکنتلا کی جسکا پہلا ایڈیشن زمانہ پریس سے شائع ہوا ہے۔ اب نظر ثانی کی ہے۔ اب آٹھین ۹۰۰ ابیات ہین۔ اگر کوئی صاحب حق تصنیف خریدنا چاہین تو صاحب موصوف سے دفتر زمانہ کے پتہ سے خط و کتابت کرین۔

ہمارے صوبہ مین اسوقت اُردو ہندی کے کئی روزانہ اخبار شائع ہو رہے ہین، انمین ہندی کا اخبار آج جو بنارس سے شائع ہوتا ہے، اور لکھنؤ کے دو اُردو اخبار ہمدم و اودھ اخبار خاص طور پر قابل الذکر ہین۔ ہمدم ہمارے دوست سید جالب صاحب کی حسن کوشش سے بہت ہی قابل قدر پرچہ ہے، اور ہم سمجھتے ہین کہ اسوقت وہ ملک کے بہترین اخبارون مین شمار ہونے کے قابل ہے۔ اودھ اخبار نے بھی کچھ دنون سے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اُردو کا شاید یہ سب سے پُرانا اخبار ہے، مگر اپنے موجودہ اڈیٹر سید محمد محسن صاحب کی ایڈیٹری مین اسکو تازہ ترین اخبار کی خصوصیت حاصل ہو گئی ہے۔ محسن صاحب اودھ اخبار کو بڑی محنت سے ایڈٹ کر رہے ہین، اور جس طرح انھون نے ایک پُرانے اخبار کے نیم مردہ قالب مین نئی روح پھونک دی ہے

اسکے لئے ہم انکی تعریف کئے بغیر نہین رہ سکتے ہین۔

پنجاب سے اسوقت اُردو کے بہت سے روزانہ نکل رہے ہین، لیکن کیا باعتبار خبرون کے انتظام کے اور کیا بلحاظ مضامین وتجزیہ وغیرہ کے "بندے ماترم" ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا روزانہ ہے، سال مین اکثر اسکے بعض خاص نمبر بھی غیر معمولی تزک واحتشام سے شائع ہوتے رہتے ہین۔

حال مین لاہور کا مشہور "پیسہ اخبار" جو اُردو کے نامور اخبار نویس منشی محبوب عالم صاحب کی اولوالعزمی سے گذشتہ پچیس سال سے برابر شائع ہو رہا تھا، پبلک کی ناقدری کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ لیکن احباب کے اصرار اور پروپرائٹر صاحب کی ہمت سے اب پھر شائع ہونے لگا ہے۔

لندن یونیورسٹی کے پروفیسر کا ال پیرسن کا خیال ہے کہ خوشنویس ہونا صحت کی علامت ہے، ممدوح کا خیال ہے کہ توانا اور تندرست بچے، کمزور اور ناتوان بچون کے مقابلہ مین زیادہ خوشخط ہوتے ہین، آپ کی رائے مین صحت جسمانی اور صحت دماغی کا اثر براہ راست خوشخطی پر پڑتا ہے۔ آپ اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنیاد پر ایک خاتون کی مثال دی ہے کہ جسقدر اسکا خط اچھا ہوتا جاتا تھا اُسیقدر اسکی جسمانی صحت بھی ترقی کرتی جاتی تھی۔

افسوس کہ فرانس کے نامور ناول موسیو پیری لوئی کا حال مین انتقال ہو گیا۔ مرحوم اپنے دلکش اور نتیجہ خیز ناولون کے بدولت تمام دنیا مین مشہور تھے۔ ہندوستان کے بعض صحائف مین بھی "پیری لوئی" کے نام سے انکے اکثر مضامین شائع ہو چکے ہین۔ درحقیقت آپ کو مشرقی ممالک خصوصاً جاپان اور ٹرکی کے معاملات سے بہت دلچسپی تھی، کئی مرتبہ موصوف نے ان ممالک کا سفر بھی کیا۔ ہندوستان کے معاملات سے بھی اُنکو ایک گہری دلچسپی تھی، چنانچہ آپ نے تحریک ترک موالات کے متعلق چند مضامین بھی فرانسیسی اخبارات مین لکھے۔ پچیس تیس سال پہلے ترکون کے خلاف جو غلط فہمیان فرانس مین پھیلی ہوئی تھین وہ بڑی حد تک انھین کی تحریرون سے دور ہوئین۔ اور فرانس کے اخبارات مین مسائل فرمہ پر انھون نے بعض زبردست مضامین لکھکر ترکون کی تائید کی تھی۔ اسوقت انکی عمر ستر سال سے زیادہ تھی تاہم وہ بڑے جوش وخروش سے مضامین لکھتے تھے۔

افسوس صد افسوس کہ ۱۵ جولائی سنہ حال کو مشہور ومعروف مورخ ہند منشی دیبی پرشاد صاحب

منصف جودھپور و مؤلف تذکرہ شعرائے ہنود و تاریخ جودھپور وغیرہ تین دن کی مختصر علالت کے بعد ۶۷ سال کی عمر مین انتقال فرما گئے۔ آپ کی وفات سے رسالہ زمانہ کا ایک بہت بڑا معاون اٹھ گیا اور ہندوستانی مورخین کے صف مین ایک ایسی جگہ خالی ہوگئی ہے جسکا پُر ہونا مشکل بلکہ محال نظر آتا ہے۔ مرحوم ایک غریب خاندان مین پیدا ہوئے تھے، لیکن اپنے کمال علم و فن اور محنت و جانفشانی کے باعث آپ نے ایک ممتاز و برگزیدہ حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اور آپ کے ہم وطن آپ کی بڑی عزت و تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ کے مزاج کی نیکی وضع قطع کی سادگی اگلے وقتون کے تہذیب کی یاد دلاتی تھی۔ علم و ادب سے آپ کو ہمیشہ سے بڑی گہری دلچسپی رہی۔ ہمیشہ آپ علمی تحقیق اور تاریخی حالات کے تجسس مین منہمک رہتے تھے۔ آپ نے بیسیون کتاب تصنیف کین اور ملک کے اعلیٰ ترین اردو ہندی رسالون مین صدہا تاریخی مضامین لکھے۔ زمانہ کے بھی آپ ایک قدیم محسن تھے اور آپ کے کئی معرکۃ الآرا مضامین اسمین شائع ہو چکے ہین۔ آپ کے پاس نادر تاریخی تصاویر اور پرانے سکہ جات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اور مختلف زبانونکی نادر و نایاب کتابون کا قابل دید مجموعہ تھا جس سے آپ کے علم دوست احباب اکثر مستفید ہوا کرتے تھے۔ آپ کو ہمیشہ احباب کے خاطر و مدارات کا بہت بڑا خیال رہتا تھا۔ طبیعت مین مہمان نوازی کا بہت بڑا جوہر موجود تھا۔ ہندوستان کے قریب قریب سبھی مشہور و معروف اہل قلم سے آپ کا کسی نہ کسی طرح تعارف تھا۔ اور سب کو ممنون و مشکور بنائے رکھنا آپ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

منشی دیبی پرشاد صاحب مرحوم فیاض طبع واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے پچاس ہزار روپیہ سے زائد چند دن مین دیا ہوگا۔ آپ نے جودھپور مین ایک کنیا پاٹ شالا اور ایک ہسپتال قائم کیا ہے۔ جو اسوقت اہل جودھپور کی نہایت قابل قدر خدمت انجام دے رہے ہین۔

مرحوم نے تاریخی مسودون کا جو بیش بہا اور نادر ذخیرہ جمع کیا تھا اس سے ایک پبلک لائبریری قائم کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ مگر افسوس یہ خیال پورا نہین ہو سکا اور آپ رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔

نظامی پریس بدایون نے میر انیس کے مرثیون کا ایک نفیس ایڈیشن شائع کیا ہے، جسمین زیادہ تر میر صاحب مرحوم کی آخری عمر کا مشاقانہ کلام ہے، مولانا علی حیدر طباطبائی صاحب نے ایک دلچسپ مقدمہ بھی اس مجموعہ کے لئے لکھا ہے۔ جسمین میر صاحب کے مختصر حالات بھی دیے گئے ہین۔ کتاب کے شروع مین میر صاحب کا فوٹو بھی شامل ہے۔ ٹائیٹل گہرے رنگ سے چھاپا گیا ہے۔ جلد سنہری۔ حجم ۵۰۰ صفحہ۔ قیمت فی جلد دس روپیہ عہ۔

اودھ اخبار کی دو اشاعتوں میں مطبوعات جامعہ عثمانیہ کی فہرست شایع ہوئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے علوم جدیدہ کو زبان اردو میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں تمام علوم کو ملک کی مادری زبان میں سکھانے کا جو تجربہ کیا گیا ہے۔ اگر اسمیں کامیابی ہوگئی تو تو ہمیں یقین کامل ہے کہ تمام ہندوستان کے نظام تعلیم میں ایک انقلاب ہو جائیگا اور ملک کی دوسری یونیورسٹیاں جامعہ عثمانیہ کی تقلید کرنے پر مجبور ہونگی۔ اسی سلسلہ میں حضور نظام نے اپنی ناظم تعلیمات نواب مسعود جنگ بہادر کو جاپان کے طرز تعلیم سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ ناظم صاحب موصوف نے اس مسئلہ پر کہ جاپان نے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے میں کس طرح کامیابی حاصل کی ایک مبسوط رپورٹ پیش کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس رپورٹ سے تمام ہندوستان کو مستفید ہونے کا موقع دیا جائے گا

تصویرین

اِس مہینے میں جو تصویر، نوگرفتار قفس کے عنوان سے ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے اسمیں مصور نے ایک نوعروس کے جذبات کا مرقع کھینچا ہے، شادی کے بعد لڑکیوں کا گھر چھوٹ جاتا ہے اور ایک طرح سے بچپن کی آزادی بھی سلب ہو جاتی ہے، دولہن پہلے پہل جب رخصت ہوکر اپنی سسرال میں آتی ہے تو بعینہٖ اسکی وہی حالت ہوتی ہے جو ایک نوگرفتار قفس کی ہوتی ہے، تنہائی کے خیال سے اکثر میکے سے کوئی عورت ساتھ بھیج دیجاتی ہے تاکہ اُسکا جی بہلائے۔ ہندوستان میں عموماً اور ہندوؤں میں خصوصاً شادی کے لئے چند زیورات مخصوص ہوتے ہیں، جنکو کنواری لڑکیاں اور بیوائیں نہیں پہنتیں، اُنھیں زیوروں میں بچھوے بھی شامل ہیں۔

یہ تصویر اُس لڑکی کی ہے جو میکے سے جُدا ہوکر سسرال میں آئی ہے، تنہائی میں بیٹھی ہوئی یہ نوگرفتار قفس اپنی اس زنجیر یعنی بچھوے کو دیکھ دیکھ کر کہتی ہے، یہ کیسے منحوس ہیں۔ اِنھیں کی بدولت میری آزادی چھن گئی۔ دایہ یہ سُنکر کہتی ہے "ارے چُپ چُپ" ایسا نہ کہو یہ بڑے مبارک ہیں۔

اسی منظر کو اس تصویر میں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ناظرین سُنکر خوش ہونگے کہ اسکو ہمارے صوبہ کے ایک مصور بابو کیشو چندر سکسینہ نے خاص رسالہ زمانہ کے لئے تیار کیا ہے۔

ڈرو ئنگ کی تصویر، پہلے مضمون سے متعلق ہے ہم اس تصویر کے لئے بابو رشید لال صاحب بلند شہری کے ممنون ہیں۔

زمانہ

جلد ۴۱ اگست سنہ ۱۹۲۳ء نمبر ۲

اسکول مین بچّون کا ڈاکٹری معائنہ

غریب بچون کے لئے سرکاری طور پر یا کسی پبلک فنڈ کے ذریعہ منتظمان تعلیم عامّہ مدارس مین کھانے کا انتظام یا حصول حفظان صحت کے لحاظ سے ضروری اور مناسب لباس کا بندوبست کیا جانا اِتنا ضروری اور اہم نہین خیال کرتے جیسا کہ اُنکی صحت کی نگرانی کا ہونا اور اُنکی تندرستی کا پورے طور پر لحاظ کیا جانا ظاہر ہے کہ جس بچہ کو بھوک لگی ہوگی وہ اپنی ضرورت کا خود گھر مین اظہار کرکے جو کچھ بن سکیگا اُس سے اپنا پیٹ بھر لیگا۔ یا اگر ناکافی لباس کی وجہ سے اُسکے بدن کو سردی وغیرہ کی تکلیف پہونچتی ہوگی تو اُسکے مان باپ کے ذرایع حسب قسم کے انتظام کی اجازت دینگے وہ اُسکے لئے ہو جائیگا۔ لیکن اگر بچہ کے بدن پر گرمی دانہ ہونگے یا کسی جگہ درد ہوگا یا کوئی اور اسی قسم کی بیماری ہوگی جسکا آیندہ بڑھ جانا صحت جسمانی کیلئے مضرت اور خطرہ کے اندیشہ سے خالی نہین ہے تو بچہ اُسکو معمولی سی بات سمجھکر نہ خود اُسکا اظہار کریگا۔ اور نہ تاوقتیکہ کوئی واقف کار شخص یعنی ڈاکٹر وغیرہ اُسکو دیکھکر معلوم کرے ٹھیک طور پر حل کر سکیگا کہ کیا مرض ہے۔ اُستادون سے امراض کے متعلق اسقدر واقفیت کی توقع نہین کیجا سکتی کہ وہ خود کسی بچہ کی مرض کی حالت صحیح طور پر معلوم کر سکین اسلئے لازمی ہے کہ اسکول مین طلبار کی تعداد اور نیز مقامی حالات کا پورا پورا لحاظ کرکے سرکاری طور پر منتظمان تعلیم عامّہ کے ذریعہ سے

اس امر کا انتظام کیا جائے کہ اسکول مین داخلہ کے وقت بچون کا ڈاکٹری معائنہ کیا جائے اور تفصیل کے ساتھ اس امر کی صراحت درج کی جایا کرے کہ اوسط قد و قامت اور وزن کے لحاظ سے کس بچہ مین کسقدر کمی ہے، پیمایش اور وزن کی کمی وغیرہ تو اُستاد خود بھی وقتاً فوقتاً معلوم کرکے ڈاکٹر معائنہ کنندہ کی اطلاع کے لئے پیش کرسکتے ہین، لیکن اس بات کا معلوم کرنا کہ بچہ مین کس قسم کی جسمانی کمزوری یا نقص ہے۔ کس قسم کے مرض مین مبتلا ہے۔ آیا وہ مرض اُسکے لئے یا دوسرون کے لئے موجب اندیشہ تو نہین ہے۔ یا اُس مرض کی حالت مین وہ کلاس مین رکھے جانے کے اور معمولی کام کرنے کے قابل ہے یا نہین یا اُسکو تا صحت اپنے گھر پر رہنا چاہیئے اُنکے لئے کوئی آسان کام نہین ہے اسکے واسطے ضروری ہے کہ اسکول کے متعلق مڈیکل انسپکٹر متعین ہون جو حسب ضرورت اوقات معینہ پر اسکول مین اکثر بچّونکا معائنہ کیا کرین اور اُنکے متعلق بچون کے والدین اور اُستادون کو ضروری ہدایات کیا کرین۔ اس تفصیلی معائنہ کے علاوہ جو تیسرے یا چھٹے مہینہ یا ہر سال اوقات مقررہ پر ہوا کرے۔ جہان تک ممکن ہو مڈیکل انسپکٹر روزانہ تھوڑی ہی دیر کے لئے آکر اُن بچون کو دیکھ لیا کرے۔ جسکی بابت اُستاد کو کسی مرض کا اشتباہ ہو اُستاد کا کام ہے کہ ڈاکٹر کے آنے کے وقت مقررہ سے پہلے ایسے بچون کو منتخب کرکے اسکول کے سنٹرل ہال یا کسی دوسرے کمرے مین معائنہ کے لئے تیار رکھے تاکہ ڈاکٹر کا وقت ضائع نہ جائے اور بعد معائنہ کے اُن لڑکون کی بابت حسب ہدایت ڈاکٹر عمل کرے۔ اس معائنہ کے علاوہ اسی طرح وہ نرسین جو اسکول کے متعلق متعین رہین دیکھ بھال کرتی رہین اور بچون کے گھرون پر جاکر وقتاً فوقتاً اِس امر کی نگرانی کرین کہ مثل داد وغیرہ جلدی امراض کے اور کنافت وغیرہ کا اور آنکھون کے امراض آشوب چشم وغیرہ کا ٹھیک اور توجہ کے ساتھ علاج کیا جاتا ہے یا نہین۔ اس انتظام سے نہ صرف یہی نفع ہوگا کہ اسکول کے دیگر بچے امراض کے متعدی اثرات سے محفوظ رہ سکینگے۔ بلکہ یہ انتظام اُن خلقی طور پر ضعیف الجثہ اور کمزور دماغ والے مریض بچون کے لئے بھی اس لحاظ سے مفید ہوگا کہ اُنکے مرض کے متعلق فوراً ڈاکٹری مشورہ بہم پہونچ جانے کی وجہ سے اُنکو اس تکلیف کے بہت بڑے حصہ سے نجات مل گئی جو بصورت دیگر اُنکے لئے مزید انحطاط کا موجب ہوتی۔

اِنہین ضروریات اور فوائد کے لحاظ سے اسکول مین بچون کے ڈاکٹری معائنہ کا طریقہ

تقریباً بیس برس ہوئے ابتداً برسلز (جرمنی) مین اختیار کیا گیا تھا اور وہ تجربہ سے اس درجہ مفید ثابت ہوا کہ اب تمام یورپ امریکہ جاپان اور مصر وغیرہ قریب قریب تمام مہذب ممالک مین مروج ہے۔ فرانس مین مینوسپلٹی کی طرف سے اسکولون کے لئے میڈیکل انسپکٹر مقرر ہین۔ ناروے مین بھی مینوسپلٹی ہی زیر ہدایت جماعت منتظمان تعلیم اس انتظام کو انجام دیتی ہے۔

جاپان مین بھی اسوقت ایسے میڈیکل انسپکٹرون کی تعداد نو ہزار سے زیادہ ہے۔ امریکہ نیویارک۔ باسٹن اور واشنگٹن کے اسکولون مین ڈاکٹری معائنہ روزانہ ہوتا ہے اور اُسکا یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ باسٹن مین میڈیکل انسپکٹر روزانہ صبح کو اسکول مین آتا ہے اور اُن مشتبہ مریض بچون کا جنھین اُستاد پہلے سے منتخب کر رکھتا ہے۔ معائنہ کرکے اُنمین سے اُن بچون کو جو واقعی بیمار ہوتے ہین یا اُنکا مرض مزمن ہوتا ہے ایک تحریر کے ذریعہ سے اُسکے گھر بھیجدیا جاتا ہے (کیونکہ میڈیکل انسپکٹر خود علاج نہین کرتے) اور اگر وہ کسی مرض متعدی مین مبتلا پائے جاتے ہین تو اُنکی اطلاع حفظان صحت کو بھی دیدیجاتی ہے۔ اور اچھے ہوجانے کے بعد اسکول مین واپس آنے کے وقت ایسے بچون کو اپنی کامل صحت یابی کا ڈاکٹری سرٹیفکٹ ساتھ لاتا ہونا ہے۔

۱۲۔ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء مین جب پارلیمنٹ مین ایجوکیشنل بل زیر غور تھا۔ مسٹر ایچ۔ جی ٹینٹ نے اس امر کی تحریک کی کہ بل مذکور مین یہ ترمیم ہونی چاہیے کہ اسکول کے بچون کا ڈاکٹری معائنہ مقامی منتظمان تعلیم کے ذمہ لازمی قرار دیا جائے اور مسٹر ایم میور نے اس تحریک کی تائید کرکے اِس بات پر زور دیا کہ اگر اس مسئلہ کو اُن منتظمان کی رائے مصلحت بینی اور مرضی پر چھوڑ دیا جائیگا جیسا کہ ابتک ہے تو کسی طرح قابل اطمینان انتظام کی توقع نہین کیجاسکتی۔ مسٹر گلسرٹ بار کرنے وزیر تعلیمات کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ اس معاملہ مین پارلیمنٹ کے دونون فریق بالکل متفق الرائے ہین اور بڑے بڑے اہل الرائے ممبران مثل سر ولیم انسن۔ سر ولیم کالنس۔ مسٹر میکنا بارا۔ مسٹر بالفور اور سر ہنری کرمک نے مسٹر ٹینٹ کی تجویز کی تائید مین بہت کچھ بحث کی۔ سر ہنری کرمک نے اپنی اسپیچ مین بیان کیا کہ میڈیکل انسپکشن کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف بچون کی تندرستی کو ہی نفع پہونچیگا بلکہ اُنکی تعلیم مین بھی ترقی ہوگی۔

مسٹر برل نے اپنے جواب مین میڈیکل انسپکشن کے لازمی قرار دیئے جانے کی تجویز سے

اتفاق کیا اور اُسی سلسلہ مین بیان کیا کہ واقعی اس امر کے معلوم کرنے کے لئے کہ اس زمانہ کے بچے بمقابلہ سابقہ نسل کے بچون کی جسمانی اور دماغی حالت کے لحاظ سے کیسے ہین اُنکا ڈاکٹری معائنہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ میڈیکل انسپکشن کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اُسکے ذریعہ سے اُستادون کو بچون کی خلقی کمزوریون کے بابت معلومات ہوجانے سے کلاس مین اُنکے ساتھ خاص برتاؤ کرنے کے متعلق بہت کچھ امداد ملتی ہے۔ یہ ضروری نہین ہے کہ مدارس مین بچون کے ڈاکٹری معائنہ کے متعلق بہت کچھ زیادہ مصارف کئے جائین۔ نرسین اپنا اور کام بھی کرتی رہین اور اسکول سے بھی اُنکا تعلق رہے اُسکو وہ بخوشی منظور کرینگی۔ اور اسکول کا کام اُنکی نگرانی مین ہوتا رہیگا۔

مین اس تجویز کو ضرور کمیٹی کے سامنے پیش کرونگا کہ ہر جگہ کے مقامی افسران کو قانوناً اس امر کا ذمہ دار بنایا جائے کہ وہان کے پبلک اسکول مین داخلہ کے لئے جسوقت کسی لڑکے کی درخواست پیش ہو اُسوقت اور نیز دیگر موقعون پر حسب خواہش منتظمان تعلیم ہر متعلم کے ڈاکٹری معائنہ کا انتظام کرین۔

چنانچہ سنہ ۱۹۰۷ء کے قانون انتظام تعلیم مین ان شرائط کا پورا لحاظ کرکے اسکے پاس ہونے کے بعد سے انگلینڈ مین اور سنہ ۱۹۰۸ء کے قانون کے نفاذ کے بعد سے اسکاٹلینڈ کے مدارس مین بچون کا ڈاکٹری معائنہ لازمی قرار دے دیا گیا۔

ابوصوفیہ بھوپال

ہندوستان مین ہر ایک آدمی کی سالانہ آمدنی کی اوسط تین روپیہ۔ امریکہ ۵۸۵ روپیہ۔ برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ مین ۵۵۵ روپیہ۔ فرانس مین ۴۰۳ روپیہ۔ اور جرمنی مین ۳۳۲ روپیہ ہے۔

ہندوستان مین ہر ایک ملک کی جائداد کی اوسط ۱۵۰ روپیہ۔ امریکہ مین ۴۰۵۰۔ برطانیہ عظمیٰ آئرلینڈ مین ۵۰۱۰۔ فرانس مین ۳۷۸۰۔ اور جرمنی مین ۶۶۹ روپیہ ہے۔

رقیب

اُردو شاعری مین جہان اور بہت سی باتین جا بیجا طور پر رواج پا گئی ہین وہان رقیب کا ذکر بھی ایک لازمی امر ہوگیا ہے۔ گل و بلبل، شمع و پروانہ، طور و موسیٰ، دار و منصور، گریبان و بہار کی ردائتین، اگر شاعری کے دفتر سے خارج کردی جائین تو اسکے ذخیرے مین بہت بڑی کمی ہوجائیگی، اسی طرح اگر رقیب کا تذکرہ نظر انداز کردیا جائے تو شاعرانہ عشق کی تکمیل ہی نہین ہوسکتی۔ محفلِ دوست ہو، دورِ ساغر ہو، ابر بہار ہو، یہ سب کچھ ہو، مگر اسکے ساتھ رقیب کا ہونا بھی لازمی ہے، رقیب نہو تو ان فرضی عاشقون کو خاطر خواہ لطف ہی نہین آسکتا۔ اُنکی دلچسپی اسی مین ہے کہ یہ دیکھتے رہین اور ساقی کی نگاہِ مست رقیب روسیاہ کی طرف اُٹھے، یہ منتظر رہین اور ساغر غیرون کے سامنے پہونچ جائے، اور یہ دل ہی دل مین رقیب کو بُرا بھلا کہین۔

ماتم کی آوازون مین جب تک کوئی رشک انگیز صدا نہ ملی ہو، کچھ مزا ہی نہین، حتیٰ کہ تربت پر بھی اگر معشوق کا گزر ہو تو انکی یہ خواہش ہوتی ہے، کہ رقیب ساتھ ہو، اور اگر اگلی باتین یاد کرکے معشوق کی آنکھین پرآب ہون تو بدبخت رقیب دل ہی دل مین جلکر اپنے دامن سے آنسو پونچھے۔

مختصر یہ کہ اُردو شاعری مین رقیب کا ذکر نہو تو عشق بازی بے لطف ہے۔ اور اسکے بغیر کارنامۂ عشق یعنی غزل مین تغزل کی مثال ہی پیدا نہین ہوسکتی، سچ تو یہ ہے کہ شاعری کا یہ تاریک پہلو حسن کی رسوائی اور شاعری کی تذلیل کا بیّن ثبوت ہے۔

اُردو فارسی کی طرح عربی شاعری مین رقیب کی بھرمار نہین، زمانۂ جاہلیت کے شعراء عرب گو بہت ہی ذلیل طریقے سے اپنی محبوبہ کو بدنام کیا کرتے تھے، نام لے لے کر اشعار پڑھتے تھے۔ قصیدے کہتے تھے، مگر بایں ہمہ رقیبون کا ذکر کرنا بُرا سمجھتے تھے۔ اُردو شعراء کی طرح اُنکی غیرت یہ تقاضا نہ کرتی تھی کہ اپنی معشوقۂ دلنواز پر عشق رقیب کی تہمت لگائین اور معرکۂ حسن و عشق مین اپنی تنگ ظرفی

کا ثبوت دین۔

اسلام کے بعد عرب کی شاعری کا رنگ ہی بدل گیا، نفسانی ولولون مین روحانی رنگ جھلکنے لگا اور رکیک جذبات و خیالات کو نفرت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ چنانچہ بعد کے شعراء کے کلام مین اس قسم کی بدنما مثالین بہت کم پائی جاتی ہین۔

فارسی شاعری مین البتہ ان لغویات کی باقاعدہ نشو و نما ہوئی، اسلئے کہ ایران مین بوالہوسی کو عشق کا درجہ عطا کیا گیا، حدود فطرت سے نحل کے غیر فطری باتون کا رواج عام ہوگیا۔ شباب کی بدمستیون مین شاعرانہ خیالات شریک کرلئے گئے۔ امرد پرستی نے رقابت کا بازار گرم کردیا اور شاعری ویسا ہی عشق کے ساتھ رقیب کا تذکرہ عشق کا جزو لاینفک بن گیا۔

مگر بعض بعض فارسی شعراء نے رقیب کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ وہ زیادہ مذموم نہین۔ اور نہ اس سے بوالہوسی کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً

من از چہ در نظر یار شرمسار شدم رقیب نیز چنین محترم نخواہد ماند

یعنی اگرچہ مین دوست کی نظر مین شرمندہ ہوا لیکن رقیب کی بھی یہ عزت قائم نہ رہ سکیگی۔

فرض کیجئے ایک شخص کے دو دوست ہین، اُسنے ایک کی طرف سے آنکھین پھیر لین، دوسرا جل کے کہتا ہے، کہ کیا ہوا اگر مجھ سے دوست کی نظر پھر گئی، رقیب کی بھی یہ عزت قائم نہ رہیگی۔

اُردو شاعری کے دامن مین رقابت مذموم کے بیشمار دھبے موجود ہین، فارسی زبان مین چونکہ تذکیر و تانیث کے لئے ایک ہی صیغے مشترک ہین، اسلئے امرد پرستی کے الزام کی کچھ تاویل بھی ہوسکتی ہے، لیکن بدنصیب اُردو اس الزام سے اپنے دامن کو بچا ہی نہین سکتی، کیونکہ اسکے یہان تذکیر و تانیث کی الگ الگ ضمیرین موجود ہین، اسی خیال سے اُردو شاعری کا انداز بیان زیادہ قابل اعتراض ہوتا ہے اور بدقسمتی سے رقیب کا تذکرہ بھی اسکے یہان ضرورت سے زیادہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ اُردو نے فارسی شاعری کی تقلید کی، مگر خوبیون کے ساتھ برائیان بھی سیکھین۔ چنانچہ جو باتین فارسی مین دبی دبی تھین اسنے اُنھین الم نشرح کردیا، حسن و عشق کے ساتھ رقیبون کے لئے عجیب عجیب مضمون پیدا ہوگئے۔ جہان رقیب کا لفظ نظم نہ ہوسکا، وہان دشمن کردیا، جہان دشمن کا لفظ نہ بندھ سکا وہان غیر اور اغیار، سے مدد لی گئی۔ مثلاً

جسکے پہلو مین ہو تم اُسکا نصیب اچھا ہے — میری دانست مین تم سے بھی رقیب اچھا ہے
الٰہی کیون نہین اُٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے — ہمارے سامنے پہلو مین وہ دشمن کے بیٹھے ہین
شبستان مین ہین غیرون مین کہلاتین مجھسے کیون چھپتے — کہ راتین کس طرح کٹتی ہین دن کیونکر گزرتے ہین
شکوۂ وصل عدو پر یہ ملا مجھکو جواب — اسی مونھ پر تجھے دعویٰ تھا شکیبائی کا

بھاشا کی شاعری بھی رشک و رقابت سے خالی نہین مگر چونکہ عورت کی طرف سے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے، اسلئے عورت سوت کی شکوہ سنج ہوتی ہے، سوت کو بُرا کہتی ہے، کوستی ہے، اپنے شوہر کو منع کرتی ہے کہ سوت کے گھر نہ جاؤ، شوہر پر سوت کے گھر جانے کا الزام دیتی ہے۔ رشک و رقابت اور جلن کی کمی نہین لیکن خودداری کا پہلو بھی موجود ہے۔

غالب خدائے سخن مانا جاتا ہے، اُسکا کلام ان بدمذاقیون سے بہت کچھ الگ ہے، تاہم کبھی کبھی فارسی کے اثر سے کچھ نہ کچھ لکھ ہی جاتا ہے، ایک جگہ کہتا ہے۔

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے — آئے یہان خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یون

اندازِ بیان نے شعر مین ایک گرمی ضرور پیدا کردی ہے، لیکن شعر کے دامن سے بدمذاقی کا داغ مٹ نہین سکتا۔

بزمِ رقیب مین نہ پڑی ہو کہین یہ خو — دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ایک اور شاعر صاحب کہتے ہین۔

غیر کو مین نے مجھے غیر نے دیکھا دیکھا — آپ نے گھور کے دونون کی طرف کیا دیکھا

اس قسم کی مثالین اُردو شاعری مین عام ہین، ہان بعض اساتذۂ متقدمین نے اپنی شاعری کا دامن اِن آلایشون سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے، ذوق، غالب، آتش کے زمانہ تک شاعری کا اتنا بُرا حال نہ تھا، لیکن اسکے بعد تو تہذیب شاعری کچھ ایسی گرگئی کہ وصل، بوسہ، جوبن، کا تذکرہ عاشقانہ شاعری کا جزو اعظم قرار پاگیا۔ معشوق نے بیحجابی کو حجاب اور جلوہ فروشی کو ایک معمولی بات سمجھ لی۔ بوالہوسون نے ہوس پرستی کا نام عاشقی رکھ لیا۔ یعنی کے اعتبار سے رقیب اتنا بُرا نہین جتنا شعرا نے سمجھ لیا ہے، لغت مین اسکے معنی نگہبان کے ہین، نگہبانی کوئی بُری بات نہین، شعرا کی اصطلاح مین ایک معشوق کے دو عاشق ہون تو وہ آپس مین رقیب ہین، دو بت کا دوست بھی

رقیب ہوسکتا ہے، فطرتاً ہر شخص چاہتا ہے کہ دوست میری طرف التفات کرے اور دوسروں کو مقابلے مین مجھے ممتاز سمجھے، یہ صورت رشک کچھ زیادہ معیوب نہین، دنیا مین ہوتا آیا ہے کہ ایک شخص کے کئی کئی دوست ہوئے ہین۔ چنانچہ اشعار ذیل سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ رقیب کا ذکر خواہ مخواہ مخرّب اخلاق نہین۔

مرگ دشمن کا مجھے تم سے زیادہ ہے ملال دوستی کا لطف شکوؤن کا مزا جاتا رہا

یہ شعر دوستی کے لطیف جذبات کا آئینہ ہے شاعر اپنے دوست سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ دشمن یعنی رقیب کے مرنے کا مجھے تجھسے زیادہ رنج ہے۔ اس لئے کہ اُس سے مزے مزے کے شکوے ہوا کرتے تھے، اب وہ لطف مٹ گیا۔

غالب اپنے ایک فارسی کے شعر مین رقابت کو نہایت ہی پاکیزہ انداز مین بیان کرتا ہے۔

غالبا ز نہار بعد از ما بخون ما بگیر قاتل ما را کہ حاکم آزرومندش بود

عاشق کو حاکم وقت پر رقابت کا شبہہ ہے، اسلئے اپنے دوست کو اشارے سے ہدایت کرتا ہے کہ اگر میرا دوست مجھے قتل بھی کردے تو میرے قتل کا دعویٰ نہ کرنا اسلئے کہ حاکم اُسکا آرزومند ہے، آرزومند، سے اگرچہ رقابت کا پتہ چلتا ہے، مگر یہ رقابت ویسی صریح نہین جسکو وہ اپنے اُردو کے شعر مین یون ظاہر کرتا ہے،

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یون

دونون شعرون کے تقابل سے یہ فیصلہ بہ آسانی ہوسکتا ہے کہ فارسی شعر مین رقیب کا ذکر زیادہ مذموم نہین۔

اشرف جہان کہتا ہے۔

اگر یک حرف با اغیار و با من صد سخن گوید نیارم تاب آن یک حرف و ہم آنم بمن گوید

شاعر کو رقیب کے نام سے چڑ ہے وہ پسند نہین کرتا کہ رقیب سے معشوق ایک بات بھی کرے کہتا ہے کہ اگر وہ مجھ سے سو بات کرے اور رقیب سے صرف ایک بات، پھر بھی مجھے اسکی تاب نہین، مین چاہتا ہون کہ وہ سب کچھ مجھی سے کہے،

اس شعر کے متعلق جناب عارف سنبھلی اپنے ایک مضمون مین رقمطراز ہین،

اگر سو باتین مجھ سے کرے اور ایک بات رقیب سے کرے تب بھی حباب شرف جہان صاحب برداشت نہین کرسکتے، اس خودغرضی کی کوئی انتہا ہے

مگر جس چیز کو عارف صاحب خودغرضی فرماتے ہین وہ دراصل جذبۂ غیرت ہے۔

یہی شاعر پھر کہتا ہے۔

نمی خواہم کہ آن بے مہر از غیرے سخن پرسد کہ از غیرت دہم جان گرچہ دانم حال من پرسد

یعنی اگرچہ وہ میرا ہی حال غیر سے پوچھے، لیکن مجھے یہ بھی منظور نہین، مین چاہتا ہون کہ وہ بے مروّت کسی سے بات نہ کرے اگر ایسی صورت ہوگی تو مین موت کو اپنی زندگی پر ترجیح دون گا اس جذبہ کو ملاحظہ فرمایئے، وہ رقیب سے معشوق کا تخاطب گوارا نہین کرتا، اور کبھی ایسا ہوا تو اسکا علاج اپنے لئے موت تجویز کرتا ہے۔

عارف صاحب نے اسی مضمون مین ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ عاشق کا وجود بغیر رقیب کے وجود کے کوئی اہمیت نہین رکھتا۔ یا یون کہئے کہ بغیر رقابت کے عشق مین خامی رہتی ہے۔ تاویل کی دوسری بات ہے۔ لیکن آپ لیلےٰ مجنون، نل دمن، کے واقعات محبت پر غور فرمایئے مجنون کا کوئی رقیب نہ تھا، بعض حضرات کا خیال ہے کہ آخر مین لیلےٰ کے ماں باپ نے لیلیٰ کی شادی کردی تھی، اور اسکے متعلق دو ایک روائتین بھی بیان کیجاتی ہین، مجنون کے بعض اشعار بھی اسکی سند مین پیش کئے جاتے ہین، لیکن رقیب اور پھر اس رقیب کا وجود ثابت نہین ہوتا جس سے مجنون کے عشق مین اہمیت پیدا ہوگئی ہو۔

نل و دمن کے عشق مین کہین رقابت کا نام ہی نہین، حالانکہ اُنکے عشق کی اہمیت آجتک زبان زد ہے۔

سچ پوچھئے تو رقیب کا ذکر اپنے مذاق شاعری اور غیرت عشق کی توہین ہے، بلاشبہہ وہ احباب قابل تحسین ہین جو اس قسم کے مذموم جذبات وخیالات سے اپنی زبان وقلم کو محفوظ رکھتے ہین۔

اعظمی

انسانیت اور اسلام

مسٹر آر۔ لیسن۔ ایم۔ اے۔ ڈی۔ ریویو آف ریلیجنز میں ایک مضمون انسانیت پر اسلام کے احسانات کے عنوان سے لکھا ہے۔ اسمیں فاضل مضمون نگار نے یہ بتایا ہے کہ اسلام تحریک انسانیت کا سب سے بڑا رہنما ہے۔ اُسنے صرف توحید کا سبق ہی نہیں دیا بلکہ اقوام عالم کو زندہ کرکے ان میں تازگی اور شادابی کی روح پھونکدی۔ مسٹر لیسن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ تمام اعلیٰ خیالات اور لطیف جذبات جن پر یورپ کو آج ناز ہے مشرق ہی سے آئے ہیں۔ یہ اسلام ہی کے زرین اصول ہیں جنھیں صلیبی مجاہد اپنے ساتھ یورپ لائے تھے۔ فرانس نے جب پایۂ روم کی عدالت اونگلن کو منتقل کردی تو تمام کام سست پڑ گئے۔ لیکن جب مجاہدین صلیب اسلامی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوکر آئے تو پھر فرانس۔ اور فرانس کے دوسرے شہر علم وحکمت کی روشنی سے جگمگا اُٹھے۔

مسٹر لیسن صاحب نے یہ ایک تاریخی حوالہ دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسٹر موصوف جس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اُسکا پورا خاکہ کھینچ کر دکھادیں۔

مشرق کا کوئی حوصلہ مند اہل قلم جب اس موضوع پر قلم اُٹھاتا ہے، کہ مغرب کا شہرۂ کمال تمام تر اس بنیاد پر ہے کہ وہ مشرق سے شرف تلمذ رکھتا ہے، اور اُسکے بازار علم وفن میں آج جتنے سکے رائج ہیں وہ وہی ہیں جو ابتداً مشرقی دارالضرب میں مسکوک ہوچکے ہیں، تو اس اہم مبحث میں مضمون نگار کا رنگ پھیکا پڑجانے کی خاص وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ مدعی کی طرف سے واقعاتی دلائل دعوی کے ثبوت میں نہیں پیش کئے جاتے، جو دعوی کے لئے پرزور استدلال کا کام دیں۔ اسلئے دعوی بیدلیل نفی۔ واثبات کے حکم سے غیر مرجح رہجاتا ہے۔

بس ہم چاہتے ہیں کہ تمدن جدید کو مسلمانوں سے جو علمی استفادات ہوئے ہیں اسکے تاریخی نظائر پیش کرکے اس بحث کو ایک خاص انداز میں چھیڑیں تاکہ اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑے اور اصلی

تصویر کے ہر پہلو نمایاں ہو جائیں۔

آئیے آپ ہمارے ساتھ دنیا کے اس دور کی سیر کیجیے جو آٹھ سو برس پہلے گزر چکا ہے جبکہ آفتاب تمدن، مسلمانوں پر اپنی پوری طاقت سے شعاع بیز تھا۔

مسلمان! آسمان تمدن پر علم و عمل کے تارے بنے ہوئے مہر و ماہ سے چشمک زن ہیں۔ اور دنیا کے ممبر ترقی پر انکے نام کا خطبہ جاری ہے۔ حدود حکومت کے نقشہ میں بغداد سے لیکر دمشق و اندلس تک زرنگین اسلام ہے۔ ایوانِ شاہی میں مذاکرہ کی مجلسیں قائم ہیں جنمیں اسنۂ عالم کی جیتی جاگتی تصویریں موجود ہیں۔ اُنکی علمی زمزمہ سنجیوں سے فضائے عالم گونج رہی ہے۔ جو بلبل ہزار داستان اس چمن میں چہکتے ہیں، وہ محض باتوں کے نہیں ہیں، انکے علمی کارناموں کا بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ انکے دارالکتب علمی مرقعوں کا نگارخانہ چین بنے ہوئے ہیں۔ یونانی۔ سریانی۔ فارسی۔ ہندی۔ زبانوں کے علوم۔ منطق سے لیکر الٰہیات تک اُنھوں نے اپنی زبان میں لے لئے ہیں۔ غرض ہر قسم کے نادر و بیش بہا جواہر سے انکا خزانہ مملو ہے۔

ملکی نظم و نسق بھی تدبر و تصفت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے، نازک دماغوں کی قوت ایداعی کے ثنا خوان ہیں۔ جسکے جلوے مشاہدہ کرنے والے ہر قدم پر پاتے ہیں۔ اور ان خوش فکر و دقیقہ سنجان رموز سیاست کی خوش تدبیری پر بے اختیار درود پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ علم کے نئے شوقینوں کے لئے جا بجا مدارس۔ علم کا ذوق صحیح رکھنے والوں۔ اور اوسمین موشگافیاں کرنیوالوں طالب علموں کے لئے لائبریریاں۔ علمی انکشافات کی دُھن رکھنے والوں۔ اور آسمانی علامات سے سبق لینے والوں۔ شوقینوں کے لئے رصدگاہیں موجود ہیں۔

مشرق کا تو یہ ٹھاٹھ کہ تہذیب و تمدن کی برقی قمقموں سے جگمگا رہا ہے۔ اور ہمارا نیا مدعی تہذیب یورپ متمدن دنیا سے الگ جہالت کے دریا میں غوطہ زن ہے۔ وہ دماغی جوہر جو آج نوع بنوع سائنٹفک ایجادوں کی نذر ہے۔ عجیب و غریب مگر کیمیک حرکات کی ایجاد میں مصروف ہے۔ جہالت نے اِسکی معلومات پر ایسا کثیف پردہ ڈال رکھا ہے۔ جسکے ہٹانے میں مشرق کا دست ترقی متامل ہے۔ کیونکہ واقعات نے طبیعتوں میں رُکاوٹ کے ایسے اسباب پیدا کر دیئے ہیں جنکی اصلاح کے لئے عمر درکار ہے۔

پیشوایان ملت عیسوی بھی اپنے حقیقی فرایض سے غافل ہین، انکا مذہبی فرض تھا کہ قوم کو کجروی سے ہٹاکر راہِ راست اور ٹھیک اس ارض البلد پر لاتے جہان پر وہ آفتاب عالمتاب جو مشرق کے دائرۂ نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ کچھ اپنی آڑی ترچھی شعاعین اسپر ڈال سکتا لیکن

قاصد رقیب بود و من غافل از فریب بیدرد مدعائے خود اندر میانہ ساخت

پیشوایان ملت عیسوی دل مین ایسا چور تھا جسکی کسی کو خبر نہ تھی، گو انکا دل جانتا ہوگا کہ جو عظمت مشرقی دنیا کی انکی نظر مین تھی، لیکن یہ وہ حرف راز تھا جو آشنائے زبان نہو سکتا تھا کیونکہ اگر قوم اخلاقی، تمدنی، اصول سے واقف ہوجاتی، اور انسانیت کا صحیح مرکز پاجاتی، تو انکے وحشیانہ تقدس پر سر تسلیم خم کرنیوالا کوئی نہ رہتا۔ وہ ارض البلد جہان سے مغرب، تہذیب کے نیر اعظم سے اقتباس فیض کرسکتا تھا۔ وہ یہی مشرق کے کھلے میدان تھے۔ اور اگر کسی رُخ سے تمدن کی خوشگوار ہوا یہان پہونچ سکتی تھی، تو وہ یہی مشرقی سرسبز و شاداب مرغزار تھے، جنکے درمیان مسیحی پادریون نے غلط بیانی کی دیوار قائم کردی تھی۔ اور اس پالیسی کو اپنی کامیابی کا بڑا ذریعہ قرار دے لیا تھا۔ کہ مسلمانون کی طرف سے معاندانہ خیالات مسیحیون کے دماغ مین بھرے جائین۔ اور سب ملکر اختلاف خیالی۔ وکینہ کی ایسی آسمانی دیوار مشرق و مغرب کے درمیان حائل کردین، جس سے یہ طلسم ہرگز نہ ٹوٹ سکے۔ اور اس خیال کی تکمیل کے لئے پادری سیاح صورت واقعات بدل کر مشرق کے عیسائیون کے ساتھ مسلمانون کی سفاکی و بے رحمی کی مصنوعی داستانین سُناکر مسلمانون کے خلاف ملک مین ایک مذہبی جوش، پیدا کیا کرتے تھے، جسمین مسلمانون کو جاہل، وحشی، اور ظالم قوم بتلاتے تھے۔

یہ عجیب و غریب روایات عناد جنمین واقعیت کا شائبہ نہ تھا۔ مذہبی تلقین کے اثر سے دلون مین راسخ اور شہرت عام حاصل کرچکی تھین، جنکی وجہ سے مسیحی دنیا کا ہر فرد مسلمانون پر خار کھائے بیٹھا تھا۔ کہ دفعتہً اس حیرت ناک جوش کی بنیاد پڑی جس نے محاربات صلیبیہ کی شکل مین مشرق و مغرب مین تہلکہ ڈالدیا۔ منادی کی آواز پر مسیحی دنیا کے افق پر سے صدائے لبیک بلند ہوئی۔ اور عیسائی مجاہدین سحر و برسے سورمنے کی طرح اُمنڈ پڑے۔

سارے جوش مین گرمی حرب پیدا کرنے والا یہی مذکورہ بالا خیال تھا جو مسلمانون کے خلاف انکے مقدس پیشوایون نے واقعیت کے خلاف وعظ کرکے پُرجوش عیسائیون کے دلون مین پیدا کر رکھا تھا۔

بحر زمین بھی وہی افسانے دھرائے جاتے تھے جس سے مجاہدین مین تازہ روح پیدا ہوجاتی تھی۔ غرضکہ متواتر حملون کے بعد ۱۲۹۹ء بیت المقدس پر عیسائیون (فرانسیسیون) کا قبضہ ہوگیا۔ اور یہ تسلط ۱۳۸۷ء تک قائم رہا۔ مگر اسکے بعد لڑائیان روز کا دھندا ہوگئین۔ آئے دن سوریا کے لق و دق میدان زور آزمائیون کے عرصۂ مصاف بنگئے۔

آخر کار بغیر کسی غیر معمولی یورش کے ۱۲۹۱ء مین فرانسیسیون کو بیت المقدس۔ ارض شام۔ حوالی مصر وغیرہ چھوڑنے پڑے۔ ہزیمت یافتہ فرانسیسی ابھی اپنی حدود قلمرو مین پہونچکر دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ انکی عام ملکی بے سروسامانی کو آل عثمان کی للچائی ہوئی نظرون نے بھانپا۔ ایشیائے کوچک مین قدم جمالینے کے بعد فتح کی امید پر فرانس پر فوج کشی کی۔

الغرض معرکہ کا اختتام پندرھوین صدی کے وسط مین قسطنطنیہ کی فتح پر ہوا، جو اسوقت یونانی ارباب فضل کا مرکز، اور علوم کے نادر و بیش بہا جواہر کا معدن مانا جاتا تھا۔ جب ترک قسطنطنیہ پہونچے تو حکمت و فلسفہ کی اس یونانی بزم کو اس خوف نے برہم کردیا جو ہر ایک مفتوحہ قوم کو فاتح سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن یونانیون نے قسطنطنیہ کو چھوڑتے وقت اس بدحواسی و سراسیمگی سے کام نہ لیا جو ایسے مواقع پر پیش آنا لابدی ہے۔ بلکہ انھون نے اس اطمینان سے اپنا رخت سفر باندھا کہ وہان یونانی دفتر حکمت کا ایک پرزہ بھی نہ چھوڑا۔ یہان سے جاکر وہ تمام یورپ مین پھیلگئے۔ عیسائیون نے یہ دیکھکر کہ خانمان برباد یونانی جس چیز کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہین وہ انکی پھٹی پرانی کتابین ہین، ایک خاص اثر قبول کیا۔ جن فرنج دماغون سے اسلامی تمدن کا احساس زائل نہین ہوا تھا وہ انکے علمی خزانون کے ساتھ انکا شغف دیکھکر حیران رہ گئے۔

فرانسیسیون نے اسلامی ممالک سے لوٹتے وقت علم و عمل کے برکات کا جو خفیف نقش اپنے دل پر جمالیا تھا۔ وہ ان پریشان حال یونانیون کا علمی ذوق اور کتاب سے اسدرجہ عشق دیکھکر روشن ہوگیا۔ باوجود منافرت مذہبی کے جو مسلمانون سے عیسائیون کے دلون مین تھی۔ مسلمانون سے حریفانہ نسبت رکھنے کے بجائے ربط تلمذ رکھنا پوزیشن قرار دیا گیا تھا۔ غرض مغرب نے تہذیب و تمدن کے کرشمے دیکھکر اسکے مبادی پر غور کیا تو عقل نے علم کی صرصرت کو سمجھایا اور نظام ارتقار کی بنیاد اس طرح ڈالی گئی کہ دل و دماغ مین ذوق علم رکھنے والے طالب علمانہ طور پر بغداد

قرطبہ۔ طیطلہ کو روانہ ہوئے جو اسوقت کیمرج۔ اور اکسفورڈ کی طرح علوم کے مرکز تھے۔ اول اُن تشنگان علوم نے خوب سیر ہوکر اپنی پیاس بجھائی۔ اسکے بعد رفاہِ ملکی کے خیال سے ان علوم کا ترجمہ لاطینی زبان مین کرنا شروع کیا۔ آخر کار کچھ کم وبیش پانچسو برس کے عرصہ مین انکی قلمی عرق ریزیون سے اِس تنگ وتاریک یوروپین لٹریچر مین وہ جامع حیثیت پیدا ہوگئی جسکے زور پر اُسے مشرقی لٹریچر سے دعوی ہمسری کا حق ہوگیا۔ گویا یہی زمانہ یورپ کی تہذیب کا روزِ اوّل ہے ذہین۔ طبّاع۔ شاگردون نے مشرقی درسگاہون سے جو کچھ حاصل کیا اُسکو اپنی زبان مین ترویج دیکر ترقی کی جسپر آج یورپ کو ناز ہے۔ اسکے علمی کارنامے حیرت انگیز ہین۔ زمانہ کی روش نے بساط ہی اُلٹ دی۔ آج اُسی یورپ کو مشرق کی استادی کا فرض انجام دینا پڑ رہا ہے۔ مشرق مین جہالت کی تاریکی چھائی ہے۔ آفتاب علم اپنی آخری مگر سنہری کرنین مغربی ارض البلد پر ڈال رہا ہے۔ اور مشرق اسکی ضیا پاشی سے محروم ہوکر اپنے نہان خانۂ تاریک کو مغربی لالٹینون سے منور کرنا چاہتا ہے۔ مصرعہ بہ بین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔

مرزا عاشق علی بیگ مراد آباد

ہندوستانیون نے دنیا مین بڑے بڑے کارنامے نمایان کرکے دکھائے ہین۔ گر افسوس ہے کہ وہ سب پردۂ راز مین مخفی ہین لیکن جب کبھی انمین سے کوئی ظاہر ہوجاتا ہے تو پھر اس مین کسی قسم کا شک باقی نہین رہتا کہ کوئی کام اتنا عظیم نہین جسے ہندوستانی کرنے سے قاصر رہے ہون۔

ہم اس سے پہلے ایک موقع پر لکھ چکے ہین کہ ہمالہ کی سب سے بلند چوٹی کا نام کوہ ایورسٹ رکھنے سے پہلے گوری شنکر مشہور تھا۔ گویا ہندوؤن کو اس چوٹی کا پہلے سے علم تھا۔ لیکن ہمارے ناظرین یہ معلوم کرکے حیرت زدہ ہونگے کہ اول مرتبہ اس چوٹی کی بلندی کا صحیح اندازہ بھی ایک ہندوستانی بابو رادھانا تھ سکدر نے کیا تھا۔ بنگلہ کتاب "بنگیر یا ہر بنگالی"۔ یعنی اُن بنگالیون کے کارنامے جو بنگال سے باہر رہے اُنسے معلوم ہوا ہے کہ یہ شخص اقلیدس مین بڑا ماہر تھا اور ۱۸۳۱ء مین سروے کرتا ہوا کوہ ہمالہ کی چوٹیون پر سے گذرا۔ ہندوستان کے محکمۂ پیمایش کی رپورٹ مین اسکا ذکر ان لفظون مین کیا گیا ہے :-

"جن لوگون نے کوہی پیمائش کا کام کیا اُنمین سب سے قابل ذکر نام بابو رادھانا تھ سکدر کا ہے جو ہندوستان کے رہنے والے ایک برہمن تھے اور جنھون نے اعلیٰ ریاضی مین انتہائی قابلیت کا ثبوت دیا تھا"

اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوہ ایورسٹ کی بلندی کا جو ناپ اس شخص نے قائم کیا تھا وہی آج تک قائم چلا آتا ہے۔

چارلس ڈاروِن

چارلس ڈارون ۱۸۰۹ء مین پیدا ہوا تھا، اسکا خاندان متوسط درجہ کا تھا، لیکن وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اس سلسلے کا ہر فرد شخصی حکومت کا حامی تھا، جب کرامول نے چارلس اول کے خلاف فتح پائی اور انگلستان مین اُسکی حکومت قائم ہوئی تو اس خاندان کو گونا گون مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

ڈارون کا باپ ایک معزز ڈاکٹر تھا، اسکا بڑا بھائی باپ کا ہم پیشہ تھا، اسکی مان اعلیٰ تعلیم یافتہ نہایت متین اور نیک خاتون تھی۔ فطرت نے ڈارون کو شفیق مان کی تربیت سے آٹھ ہی برس کی عمر مین محروم کر دیا اسلئے اُسکی تربیت دوسرون کے ہاتھون ہوئی۔

وہ اپنی مان کی زندگی ہی مین ایک چھوٹے سے مکتب مین داخل ہو چکا تھا، اسکے بعد وہ مکتب سے نکلکر ایک بڑے اسکول مین جانے لگا۔ اُس زمانے مین مدرسون مین جو نصاب تعلیم جاری تھا، اُسمین ادب پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ ڈارون کو فطرتاً سائینس سے دلچسپی تھی وہ ادب کی تعلیم سے کیونکر خوش رہ سکتا تھا؟ اُسے مدرسہ کی تعلیم سے کچھ زیادہ فائدہ نہوا مدرسہ مین اُسکے دلچسپی کی چیز صرف اقلیدس تھی، اور وہ ایک حد تک اس علم سے مستفید بھی ہوا۔

اقلیم سائینس کا بادشاہ، ڈارون اپنے ابتدائی زمانۂ تحصیل علم مین اپنے ہمنشینون سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ اُسکو اپنے ہم جماعت طلبار کے ساتھ کھیلنے کودنے مین کوئی لطف نہ آتا تھا۔ جب مدرسے کے اور لڑکے کھیل کود مین مشغول ہوتے تو وہ مطالعۂ کتب مین غرق رہتا۔ یا مختلف قسم کی چیزون کا مشاہدہ کیا کرتا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ اکیلا کسی سمت کو گھومنے چلا جاتا۔ اسکی طبیعت مین لوگون سے ملنے جلنے کا مادّہ نہ تھا۔ وہ مدرسہ کے دوسرے

لڑکوں سے بہت میل جول نہ رکھتا تھا لیکن باوجود اسکے بنایت خوش مزاج تھا اور جب کبھی دوسرے لڑکوں سے ملتا تھا تو نہایت ہی پُرخلوص باتین کرتا تھا۔

اِس نے مدرسہ کی تعلیم سولہ برس کی عمر مین ختم کرلی اور اوبزگ یونیورسٹی مین داخل ہوا مدرسہ کی زندگی مین اُسنے بہ نسبت کتابی علم کے اپنے مشاہدات سے بہت سی معلومات حاصل کرلی تھین۔ مدرسے نے تو اُسے صرف یونیورسٹی ہی کی تعلیم کے قابل بنایا لیکن اُسکے مشاہدات وتجربات نے اُسے کہین سے کہین پہونچادیا۔

اُس زمانہ مین اوبزگ یونیورسٹی کی تعلیم خصوصًا اور دیگر یونیورسٹیون کی تعلیم عمومًا اتنی عمدہ نہ تھی جتنی آج ہے۔ جب ڈارون اوّل اوّل یونیورسٹی مین داخل ہوا تو اساتذہ نے اسکو ڈاکٹری پڑھنے کی ترغیب دی۔ لیکن وہ اس محدود پیشے سے مطمئن نہ ہوا۔ اور چونکہ اس یونیورسٹی مین اور کسی چیز کی تعلیم عمدہ نہ ہوتی تھی اسوجہ سے ڈارون ۱۸۲۸ء مین کیمبرج یونیورسٹی مین داخل ہوا۔ کیمبرج مین پہونچکر اوّل اوّل اُسے تاریخ طبیعی سے دلچسپی پیدا ہوئی۔

کیمبرج مین اُن دنون ایک نہایت لائق اور شفیق پروفیسر مسٹر ہالنسلو موجود تھے۔ پروفیسر ہالنسلو اپنے طلبہ پر بے انتہا مہربان رہتے۔ اور نوجوان شاگردون کے ساتھ اسطرح برتاؤ کرتے جیسے کوئی اپنے دوستون سے کرتا ہے۔ اسکا اثر یہ تھا کہ طلبہ اُنسے آزادی سے ہر طرح کی امداد حاصل کرسکتے تھے۔

شفیق اتالیق کے فیض صحبت سے ڈارون کا جوش اور بڑھ گیا اور اُسنے بہت ذوق وشوق سے تاریخ طبیعی کا مطالعہ شروع کیا۔ پروفیسر صاحب موصوف اسپر بہت مہربان تھے۔ اور اسکو اپنے مفید مشورون، اور قیمتی خیالات سے فیض پہونچاتے رہتے تھے۔

پروفیسر ہالنسلو نہایت منکسر المزاج اور خوش خلق آدمی تھے وہ کبھی کسی کی نسبت کوئی برا خیال قائم نہ کرتا، اُسکی زندگی نہایت سادہ تھی، تکلف اور تصنع سے وہ کوسون دور تھا، وہ اپنے اصول کا بڑا پابند تھا، اور اُس سے ذرہ برابر نہ ہٹتا تھا۔

ڈارون نے ۱۸۳۱ء مین یونیورسٹی کا نصاب ختم کیا اور پروفیسر ہالنسلو کی سفارش سے اُس گروہ مین شامل کیا گیا جو ممالک دور دراز مین سائنس کے مشاہدات کرنے کی نیت سے

روانہ ہونے والا تھا۔ غرض ڈارون اس مہم پر روانہ ہوا، اور ممالک غیر مین پہونچکر وہان سے مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے جانور اور پودے پروفیسر ہانسلو کے پاس بھیجے۔ پروفیسر ہانسلو اُن چیزون کا بڑے شوق سے مشاہدہ کرتا تھا اور ڈارون کو قیمتی مشورے دیا کرتا تھا۔

ڈارون کی تندرستی حالت سفر مین اچھی نہ تھی۔ بحری سفر نے اُسکی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا اور وہ اُن عوارض مین مبتلا ہو گیا جو بحری سفر کے لئے مخصوص ہین۔ لیکن باوجود علالت اور مصائب سفر کے جب یہ عالم کا مشہد ائی امریکہ پہونچا تو جوش شوق مین اُسنے اپنی علالت کی پرواہ نہ کی اور مشاہدات و تجربات کو جاری رکھا۔

ڈارون نے سفر سے واپس آکر دوسرے سائنس دانون سے تبادلۂ خیالات کیا۔ اُسی زمانہ مین وہ جیالوجیکل سوسائٹی مین شامل کر لیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسکی شہرت دن دونی رات چوگنی ہو رہی تھی اسکے خیالات اور مشاہدات سائنس دانون کے نزدیک قابل قدر سمجھے جاتے تھے یہان تک کہ ۲۴ جنوری ۱۸۳۹ء مین رایل سوسائٹی کا رکن بن گیا۔

۱۸۳۹ء کے اوائل مین ڈارون نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کی۔ یہ شادی ہر طرح سے مبارک ثابت ہوئی۔ تین سال تک لندن مین میان بیوی ہنسی خوشی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن چونکہ ڈارون کی تندرستی اچھی نہ تھی اسوجہ سے اُسنے لندن کو خیرباد کہا۔ اور کینٹ کے قریب ایک گانون مین بود و باش اختیار کی۔

ڈارون بظاہر نہایت تنومند تھا۔ لمبا قد، بلند پیشانی، اور آنکھین چمکدار تھین۔ وہ اکثر سیر و شکار سے اپنا دل بہلاتا تھا۔ اکثر گھوڑے کی سواری بھی کرتا تھا۔ اُسکے کل نو اولادین ہوئین۔ دو لڑکے بچپن ہی مین مر گئے۔ باقی دو لڑکیان اور پانچ لڑکے اپنی آخر عمر تک دنیا مین کامیاب زندگی بسر کرتے رہے۔

جب ڈارون سفر سے واپس آکر اپنے دیہات کے مکان مین زندگی کے دن پورے کر رہا تھا تو کون جانتا تھا کہ ایک دن وہ اپنی قابلیت سے لوگون کے خیالات مین ایک زبردست تغیر پیدا کرنیوالا ہے۔ جب یکے بعد دیگرے اُسکی کتابین شائع ہونا شروع ہوئین

تو علم دوست طبقہ مین ایک ہلچل پڑگئی - اسکی کتابین حد درجہ مقبول ہوئین - یہان تک کہ یورپ کے علاوہ اور ممالک مین بھی ان کتابون کے ترجمے کئے گئے اور وہان بھی وہ بہت مقبول ثابت ہوئین جب اسکی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اسکی شمع حیات گل ہونے کو تھی اُس زمانے مین اِسکو متعدد ڈگریان دی گئین - وہ آسٹرین سائنس اکیڈمی کا ممبر منتخب کیا گیا - ۱۸۷۷ء مین کیمبرج کی طرف سے اُسے ایل - ایل - ڈی کی اعزازی ڈگری ملی -

۱۸۷۸ء مین وہ پیرس کی سائنس اکیڈمی کا ممبر منتخب کیا گیا - اور ۱۸۷۹ء مین اُسے لیڈن کے طبی کالج سے ایک تمغہ دیا گیا - صرف یہی نہین بلکہ کیمبرج مین یہ تجویز ہوئی کہ مسئلہ ارتقا کے مصنف کی ایک تصویر بنوا کر فلسفہ کے کتب خانہ مین لگائی جائے - یہ تجویز عمل مین لائی گئی - چنانچہ آج تک اسکی تصویر کیمبرج یونیورسٹی کے فلسفہ کے کتب خانہ کو زینت دے رہی ہے -

ڈارون عمر بھر کبھی ایسا بیمار نہوا کہ مجبور و معذور ہو جاتا - مرنے کے چند دن پیشتر تک وہ معمولی کام کاج ہمیشہ کرتا رہا - آخر وہ وقت آگیا جو ہر ذی روح کے لئے مقرر ہے، اور جسمین فلسفہ و سائنس کو کچھ بھی دخل نہین، چنانچہ ۱۹ اپریل ۱۸۸۲ء (۴ بجے شام) کو ڈارون چارلس کی روح اس قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اُسکا مقبرہ ویسٹ منسٹر ابی مین بنایا گیا، جہان وہ انگلستان کے مشہور اربابِ فضل و کمال کے ساتھ زیر خاک آرام کر رہا ہے، ساری عمر وہ مسائل ارتقا کی موشگافیون مین مصروف رہا، خدا جانے اب اُسے کشش ارتقاء کہان لے گئی -

عالی لکھنوی

فغانِ ضبط

برباد خانمان نہ کیے باغبان مجھے
اے برق پھونکدے عوضِ آشیان مجھے

جز دردِ عشق بھول گئین سب حکایتین
کچھ یاد رہ گئی تو یہی داستان مجھے

ہنستے ہین آپ دیکھ کے بیتابیان مری
رونے کی اپنے حال پہ فرصت کہان مجھے

کہتا تھا سوزِ غم دلِ ایذا پسند سے
تو ایک عمر بھر مین ملا قدردان مجھے

اُلجھی ہے روح کشمکشِ رگ و زیست مین
اے ضبط سانس لینے کی فرصت کہان مجھے

ابھاگ

(۱)

میرے محلہ مین میری ایک ہم عمر سہیلی شکنتلا رہتی تھی - اُسکے والد لالہ رتن چند کی دوکان کے منیجر تھے - اگرچہ دونون کا تعلق آقا اور نوکر کا تھا لیکن مراسم برادرانہ تھے، آپسمین تکلف کا نام تک نہ تھا - میری اور بھی سہیلیان تھین لیکن شکنتلا سے بڑھکر کوئی نہ تھی - ہم دونون کو دن بھر مین کبھی ایک گھڑی کی جدائی بھی گوارا نہ تھی، بلکہ کبھی کبھی رات بھی ایک ہی جگہ بسر ہو جاتی تھی، جب سے مین نے ہوش سنبھالا ہے، مین اُسے اپنے ساتھ دیکھتی ہون اور اُسی وقت سے اُسکی محبت میرے دل مین پرورش پا رہی ہے بچپن مین میرا اور اُسکا کھیل بھی مشترک تھا - گڑیا گڑے کی شادی اکثر ہوا کرتی تھی - کبھی میرا گڑا اور شکنتلا کی گڑیا، اور کبھی اُسکا گڑا اور میری گڑیا - بیاہ خوب دھوم دھام سے ہوتا تھا - ایسے موقعون پر ہماری مائین بھی ہماری خوشی مین شریک ہو جایا کرتی تھین - روزانہ کے مقررہ پیسون کے علاوہ اور بھی بہت کچھ بیاہ مین خرچ کرنے کے لئے دیتی تھین - بیاہ والے دن ہمین خاص مصروفیت اور خوشی ہوتی تھی -

شکنتلا اور میری پیدائش مین صرف ایکدن کا فرق تھا، اوسکا چہرہ گول اور بھرا ہوا رنگ کندنی اور قد میانہ - وہ خوبصورت تھی - پہلے وہ اپنی خوبصورتی پر اترائی نہ تھی شاید اپنے حسن کا علم ہی نہ تھا - اکثر آئینہ مین اپنا چہرہ دیکھتی، اور پھر مسکرا کر میری طرف دیکھتی اور کہتی "تمھارا سفید رنگ! تمھارے نک سک! اری تم تو بالکل میم معلوم ہوتی ہو" اُسکی بات پر مین قہقہہ لگاتی، مین جانتی تھی کہ وہ مجھ سے بڑھکر نہین تو کم حسین بھی نہین - اُسکی آنکھون مین جادو تھا - اُس جیسا کندنی رنگ مین نے اور کہین نہین دیکھا -

چھٹے برس مین قدم رکھتے ہی مین مدرسہ مین داخل کر دی گئی شکنتلا بھی میرے ساتھ تھی -

آہ! کیسے پُرمسرت ایام تھے۔ اب وہ سب خواب کی سی باتین معلوم ہوتی ہین۔
اسکے بعد میرے ارمانون کی دنیا مین ایک انقلاب ہوا، مین چھٹی جماعت مین ترقی کرکے پہونچی ہی تھی کہ میری ماں ہمیشہ کے لئے مجھ سے رخصت ہوگئی، گیارہ روز کے لگاتار بخار نے اُسے موت کی گہری نیند مین سُلا دیا۔

۲

جس زمانہ مین شکنتلا میرے ساتھ آٹھوین جماعت مین پڑھتی تھی، اُنھین دنون اُسکی نسبت کا تذکرہ درپیش تھا۔ ایکدن اسکول سے واپس آنے پر معلوم ہوا کہ شکنتلا کا شگن قبول ہوگیا ہے، میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی، شکنتلا شرم کی ماری اپنے کمرہ مین جا چھپی، مین بھی اپنے گھر خوشخبری سُنانے کے لئے دوڑی۔ گلی مین دوڑتے دوڑتے میرے پانوُن سے سلیپر نکل گئی لیکن مجھے گھر پہونچ کر خوشخبری سُنانے کا اتنا اشتیاق تھا کہ مین اُسے اُٹھانے کے لئے رُکی بھی نہین اسی طرح ایک سلیپر کے ساتھ ہی دوڑتی رہی۔ گھر کی ڈیوڑھی مین پہونچکر مین نے دوسری سلیپر بھی اُتار پھینکی، اور بھاگتی بھاگتی اوپر چڑھ گئی۔

بھابھی چوکے مین بیٹھی ہوئی ترکاری کاٹ رہی تھی، اور قریب ہی بہن بیٹھی ہوئی برتن مانجھ رہی تھی، مجھے اس طرح بے تحاشہ آتی دیکھکر بھابھی نے پوچھا "کیون؟ کیا ہوا؟"

میرا دم چڑھا ہوا تھا۔ منھ سے بات نکلنی مشکل تھی۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح سے بولی "شکنتلا کی نسبت طے ہوگئی"

وہ پھر ترکاری کاٹنے مین مشغول ہوگئی، اور کہنے لگی "ہان لاہور مین ہوئی ہے، بڑا اچھا گھر ہے"

میرے جوش پر اوس پڑگئی، کتابون کو زمین پٹک دیا اور سر کے بکھرے ہوئے بال درست کرنے لگی، ساڑی کو اچھی طرح سر پر اوڑھتے ہوئے مین نے پوچھا "لڑکے کا باپ کیا کرتا ہے؟"

اِس دفعہ بہن نے جواب دیا "ریل سے پانچ سو روپیہ ماہوار پاتا ہے"

"لڑکا کتنا پڑھا ہوا ہے؟" بھابھی نے کہا۔ "ایم۔ اے مین پڑھتا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے میری طرف مسکرا کر دیکھا، اور پھر بہن سے مخاطب ہوکر کہنے لگی "اب نچلا کی بھی نسبت کہین طے ہوجائے تو ٹھیک ہے۔ آج بابوجی سے تو کہو"

"اچھا - اور تم بھائی پر زور ڈالو"

مین یہ سُنکر شرما گئی اور گردن جھکا کر وہان سے چلی آئی -

تین چار روز بعد بہن اپنی سسرال چلی گئی - بہن کی وجہ سے گھر کے کام کاج سے مجھے چھٹی تھی، اب اُسکے چلے جانے پر گھر کا کام پھر میرے سر پڑ گیا - اسکول سے فارغ ہوکر مجھے سیدھے گھر پہونچنا ہوتا تھا -

ایکدن مین اور شکنتلا دونون اسکول سے واپس آرہی تھین، اُس روز مین نے دیکھا تھا کہ شکنتلا معمول سے زیادہ خوش تھی، وہ کوئی بات مجھے بتانا چاہتی تھی، لیکن پھر رُک جاتی تھی - آخر اُسنے ہمت کی، چارون طرف نظر دوڑائی، اور پھر بڑی آہستگی سے میرے کان مین بولی -

"اُسکی ایک تصویر مجھے ملی ہے - گھر چل تو تجھے دیکھاؤن"

"کیسے ؟ . . . کہان سے ملی ؟

"گھر چل کے سب کچھ بتاؤن گی"

ابتک لڑکے کی شکل وصورت کا میرے دل مین خیال بھی نہ تھا - لیکن جب شکنتلا نے تصویر کا ذکر کیا تو میرا دماغ بھی اندازے لگانے لگا - طرح طرح کی شکلین میرے سامنے آنے لگین -

گھر پہونچ کر مین شکنتلا کے ساتھ اُسکے کمرے مین پہونچی - شکنتلا نے اندر سے دروازہ بند کیا - اور پھر میز پر کتابین رکھنے کے بعد ایک کرسی کھینچکر دیوار کے قریب لے گئی - کمرہ کی دیوارون پر چارون طرف نہایت اعلیٰ اعلیٰ تصاویر آویزان تھین - کرسی کے اوپر دیوار پر راجہ راوی ورما کی کاریگری کا نمونہ ایک بڑی تصویر سونپنی لٹک رہی تھی - شکنتلا نے کرسی پر کھڑے ہوکر اُسی تصویر کے پیچھے سے ایک لفافہ نکالا - اور نیچے اُتر آئی - کانپتے ہوئے ہاتھون سے اُسنے اُسمین سے ایک فوٹو نکالکر میرے ہاتھ مین دیدیا -

مین نے فوٹو کو دیکھا - پھر مین کرسی پر بیٹھ گئی، اور اُسے دیکھتی رہی - شکنتلا سامنے کھڑی میری طرف اس طرح دیکھ رہی تھی - گویا کہ مین کوئی جوہری ہون، اور کسی ہیرے کو پرکھنے بیٹھی ہون مین دلچسپی سے فوٹو کو دیکھتی رہی - تصویر بہت حسین تھی - حسن کے علاوہ اُسمین ایک خاص کشش بھی معلوم ہوتی تھی - یہ پہلا موقعہ تھا کہ میری توجہ کسی مرد کے حسن کی جانب منعطف ہوئی تھی -

مجھے اس سے پہلے کبھی خیال بھی نہین آیا تھا کہ مردون کا حسن بھی عورتون کی توجہ کا مستحق ہو سکتا ہے۔ یکایک مین نے تصویر سے نظر اُٹھا کر شکنتلا کی جانب دیکھا، وہ مسکرا رہی تھی، مجھے شرم محسوس ہوئی، مین نے تصویر شکنتلا کو واپس دیدی۔

اُسنے پوچھا "کیسے ہین؟"

مین اپنے دل کی اُسوقت کی حالت بیان نہین کر سکتی۔ کچھ خوشی تھی، کچھ رشک تھا، جوش مین مین نے شکنتلا کو چھاتی سے لپٹا لیا۔

"اُری تیرے تو پچھلے جنم کے کرم جاگے ہین۔ کونسا ایسا تپ کیا تھا جو ایسا بر ملا ہے؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر اُسنے فوٹو کو لفافہ مین بند کر کے اُسی موہنی کی تصویر کے نیچے چھپا دیا۔ اور کہنے لگی "جانتی ہو یہ تصویر مجھے کہان سے ملی؟"

"نہین"

"بابوجی کے ٹرنک مین پڑی ہوئی تھی۔ کئی دفعہ دیکھی تھی۔ آج صبح بابوجی کے کپڑے نکالتے وقت موقعہ پاکر نکال لی۔"

مین نے مذاق سے کہا "چوٹی!"

شکنتلا ایک دفعہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

(۳)

کھانا تیار ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی کھانے والے نہین آئے تھے۔ بابوجی دوکان پر تھے۔ اور بھائی دوستون کے ساتھ تہر پر بہلنے گیا تھا۔ مین بھابھی کو اپنی کتاب سے نل دمینتی کی کہانی سُنا رہی تھی۔

بابوجی روز نو بجے کے قریب آیا کرتے تھے۔ لیکن ابھی سات ہی بجے تھے کہ نیچے سے آنکی آواز آئی "بھلا! دروازہ کھول۔"

مین دوڑ کر نیچے گئی۔ دروازہ کھولتے ہی پوچھا "آج سویرے ہی آگئے؟"

اُنھون نے کچھ جواب نہ دیا۔ خاموشی سے میرے پاس سے نکل کر سیڑھیون پر چڑھنے لگے مین بھی دروازہ بند کر کے اُنکے پیچھے پیچھے چڑھنے لگی بابوجی رُک رُک کر چڑھ رہے تھے۔ ایک

سیڑھی پر چڑھتے اور پھر رک جاتے۔ کسی گہری فکر مین محو معلوم ہوتے تھے۔

اپنے کمرہ مین پہونچکر وہ کچھ سنبھلے۔ اُنھون نے اپنے چہرہ سے رنج و تردد کے نشان ہٹانے کی کوشش کی۔ اور ایک لمبی سانس لیکر اپنے آپ سے "اچھا" اِس انداز سے کہا جیسے کوئی شخص قسمت پر شاکر ہونے کا فیصلہ کر چکتا ہے۔

مین نے کہا "بابوجی!"

وہ چونک پڑے اور میری طرف دیکھکر بولے "کیا بیٹا؟"

"بات کیا ہے"

"لاہور سے ایک تار آیا ہے"

مین نے گھبراکر پوچھا "کیا؟"

"رات بھونچال آیا تھا نہ"

مین نے سر ہلایا۔

"یہان اُسکا کچھ بہت اثر محسوس نہین ہوا تھا۔ لیکن لاہور مین بڑا شدید تھا۔ شکنتلا کے سسرال والون کا مکان گر گیا۔ اور اُسکے نیچے سب دب گئے۔ کوئی زندہ نہین نکلا"

میرا دل سُن سے ہوگیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہی۔ آخر اپنے حواس قائم کرکے مین نے پوچھا "لڑکا بھی؟"

"نہین۔ وہ اپنی نانہال گیا ہوا تھا۔ لیکن میرے خیال مین اب یہ نسبت قائم نہین رہ سکتی۔"

"کیون"

"رتن چند کی باتون سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی یتیم لڑکے کو اپنا داماد بنانے کو تیار نہین"

اور وہی ہوا۔ دو تین روز بعد سب لگی محلے والون کو معلوم ہوگیا کہ شکنتلا کی نسبت اب وہان نہ ہوگی۔

شکنتلا اب بہت غمگین رہنے لگی۔ اُسکی کایا پلٹ ہوگئی۔ پہلے اُسے کتابون سے بڑی دلچسپی تھی۔ اُسکی ہنسی سے تمام مکان ہر وقت گونجتا رہتا تھا۔ وہ زندہ دلی کا مجسم نمونہ تھی۔ لیکن اب اُسکے بعد مین نے اُسے کبھی مسکراتے نہین دیکھا۔ اُسکے قہقہے غائب ہوگئے۔ گلابی رنگ زرد پڑ گیا

اندر ہی اندر گھلنے لگی - لیکن پھر بھی اُسکے حسن کی دلآویزی مین کوئی فرق نہین آیا - بلکہ جلی ہوئی رسّی کی مانند وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہونے لگی -

اُسنے اسکول جانا چھوڑ دیا - مین نے بھی اُسکی پیروی کی -

۴

مجھے تحقیق معلوم نہین - لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات بابوجی کے دماغ مین خود ہی پیدا ہوئی تھی - کہ کیون نہ اُس لڑکے سے (جس سے پہلے نلکنتلا کی شادی ہونیوالی تھی) میری نسبت کر دی جائے - لالہ رتن چند تو امیر آدمی ٹھہرے - اُنکی بیٹی کے لئے بر بھی کوئی امیر ہی ہونا چاہیئے - لیکن مجھ غریب کی بیٹی کو تو یہ یتیم ہی کافی ہے - اسی لئے اُنھون نے لڑکے کے ماموں کے پاس میرا شگن بھیج دیا -

مجھے یقین ہے یہ کارروائی لالہ رتن چند کی رضامندی سے عمل مین آئی تھی - کیونکہ اُسکے بعد بھی بابوجی اور اُنکے تعلقات مین کوئی فرق پیدا نہین ہوا - پہلے کی طرح ہی آپسمین بے تکلفی قائم رہی چند روز بعد اطلاع ملی کہ میرا شگن قبول ہوگیا ہے !

عورت خواہش کرتی ہے - لیکن اُسکے حصول کی کوشش اُسکے اختیار سے باہر ہے - کوشش کرنے کا اُسے کبھی خیال ہی نہین آتا - ایسی حالت مین اگر عورت کی دلی خواہش (جسکے پورا ہونے کا اُسے گمان تک بھی نہ ہو) خود بخود بر آئے - تو اُسے کتنی خوشی ہوتی ہوگی ! بس وہی خوشی مجھے ہوئی !

اگلے روز مین شکنتلا کے گھر گئی - وہ اپنے کمرہ مین اکیلی بیٹھی کچھ سی رہی تھی - سینے کا صرف بہانہ تھا، وہ دائین ہاتھ مین سوئی پکڑے - گردن جھکائے، سامنے پڑی دو بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھی - پہلے تو مین کچھ دیر باہر کھڑی اُسکی جانب دیکھتی رہی - اُسنے آہ سرد بھری - گردن کو حرکت دی اور پھر سینے مین مشغول ہوگئی -

مین نے آہستہ سے آواز دی - شکنتلا !

اُسنے گردن اُٹھائی مجھے دیکھا اور پھر گردن جھکا کر اپنے کام مین مشغول ہوگئی - میرے دل کو سخت صدمہ ہوا - پندرہ برس کے عرصہ مین یہ پہلا موقعہ تھا کہ شکنتلا مجھ سے ایسی سرد مہری سے

پیش آئی۔ مین نے دھیمی کانپتی ہوئی آواز مین کہا۔

"شکنتلا!" اور اندر چلی گئی۔ لیکن شکنتلا نے نظر اُٹھا کر میری طرف دیکھا بھی نہین۔ بلکہ سا کا سامان اور دوپٹہ وغیرہ اُٹھا کر کمرہ سے باہر نکل گئی۔ میرے مونھ سے ایک لفظ بھی نہین نکل سکا۔

جسوقت مین گھر سے چلی تھی۔ مجھے اُسی وقت اس بات کا اندیشہ تھا۔ میرے قدم اُٹھتے نہ تھے۔ میرا دل بیٹھا جاتا تھا۔ نسبت کی خبر سُنکر مین بڑی خوش ہوئی تھی۔ لیکن شکنتلا کی ناخوشی کا خیال اس خوشی کو بے لطف بنا رہا تھا۔ مین دل ہی دل مین سوچتی تھی "ارے تو نے شکنتلا کا بر چھین لیا۔ وہ تجھ سے کیونکر خوش ہوگی۔

پھر آپ ہی آپ کہتی تھی "میرا اسمین کیا قصور؟"

"لیکن تو خوش کیون ہوئی تھی؟" اس سوال کے سامنے مین لاجواب رہ گئی تھی۔ مین اپنی نظرون مین آپ ہی گری ہوئی تھی۔ میز کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اُس دنکی بات یاد آگئی۔ شکنتلا نے کس خوشی اور مسرت سے فوٹو دکھایا تھا۔ زمانہ آیندہ کے مسرور کن خواب دیکھکر وہ کیسی خوش تھی! آہ! اُسکی تمام اُمیدون پر پانی پھر گیا، اور پھر اسکا سبب مین ہوئی۔

لیکن اس خیال سے میری تسکین ہوگئی "کہ میرا اسمین کیا قصور؟"

میری طبیعت بے چین ہو رہی تھی۔ مین اُٹھکر باہر جانے لگی۔ لیکن ابھی دروازے تک ہی پہونچی تھی کہ ایک خیال آیا اور مین واپس لوٹ آئی۔

مین نے سوچا "اُنکے فوٹو پر اب شکنتلا کا کیا حق ہے؟"

اور خود ہی جواب دیا "بے شک۔ کوئی حق نہین"

مین دروازہ تک یہ دیکھنے گئی کہ کوئی اوپر تو نہین آ رہا ہے۔ اور پھر بڑی عجلت سے کرسی پر چڑھکر موہنی کی تصویر کے پیچھے سے فوٹو نکال لیا۔

میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہان سے تیزی سے نکل کر مین اپنے گھر جا پہونچی۔

(۵)

چھ مہینے بعد میرا بیاہ ہوگیا۔ اور مین سیالکوٹ اپنی سسرال جا پہونچی۔ میری ساس، سسر، نند، دیور، کوئی نہ تھا۔ لیکن یہ کمی مجھے بالکل محسوس نہ ہوئی۔ کیونکہ انکے ماما، مامی، اور بچیرے

بھائی بہن میرے لئے حقیقی ساس، سسر، نند اور دیور سے کم ثابت نہ ہوئے۔ مجھے کپڑے، زیور، محبت شفقت کسی چیز کی کمی نہ تھی، مین بہت خوش تھی۔

ایم۔ اے، پاس کرنے کے بعد وہ دیال سنگھ کالج لاہور مین پروفیسر ہو گئے تھے۔ ہمارا لاہور والا مکان ابھی شکستہ حالت مین ہی تھا۔ اسلئے وہ کالج کے بورڈنگ ہوس مین رہتے تھے۔ اُنکا ارادہ مکان کو از سر نو تعمیر کروانے کے بعد مجھے لاہور لے جانے کا تھا۔

وہ ہر سنیچر اور اتوار کو سیالکوٹ آجایا کرتے تھے۔ لیکن اُنکی موہنی مورت میرے دل پر ایسا قابو پا چکی تھی کہ اُن دو دنون کی ملاقات سے دل کو تسلی نہین ہوتی تھی۔ بعض اوقات کتابون اور طلبار کو بھی مین اپنا جانی دشمن تصور کیا کرتی تھی۔ کبھی کبھی اُنسے شکایت کرتی تو وہ ہنس دیتے۔

میرا دل ہر وقت اُنھین کی طرف لگا رہتا تھا۔ اُنکی تصویر میرے دل پر کھنچ گئی تھی، وہ لاہور چلے جاتے تو مین اُسی کو دیکھا کرتی تھی۔

"وہ میرے ہین!" جب یہ سوچتی تھی، تو مسرت کے ساتوین آسمان پر جا پہونچتی۔ حسن ظاہری اور حسن باطنی کے بہترین مجموعہ کو اگر کوئی اپنا کہہ سکے تو اس سے بڑھکر اُسکے لئے خوش قسمتی اور فخر کی بات اور کیا ہوگی؟

میرے ٹرنک مین شکنتلا والی تصویر پڑی ہوئی تھی۔ جب کبھی ٹرنک کھولتی وہ نظر آجاتی اور اُسکے ساتھ ہی حرمان نصیب شکنتلا کا غم آلود چہرہ سامنے آجاتا۔ اور یہ خیال مجھے ستانے لگتا۔ بھلا تو نے اُسکی راحت و اطمینان کو چھین لیا!! تیرا کیا حشر ہوگا!

لیکن پھر سوچتی "اسمین تیرا کیا قصور؟ جو قسمت مین بدا تھا، ہو گیا"

کبھی کبھی مین شکنتلا کو پہونچانے کی کوشش کرتی (بیاہ سے پہلے کی) عزیز ترین ہستی کی یاد کو اپنی خوشی کی خاطر اپنے ذہن سے ہمیشہ کے لئے مٹانا چاہتی تھی، لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ فوٹو دیکھکر میرے دل مین اسی قسم کے خیال پیدا ہوتے تھے، آخر ایک دن تنگ آکر مین نے فوٹو کو ٹرنک مین تمام اسباب کے نیچے چھپا دیا۔

میری ساس میری بڑی خاطر کرتی تھی۔ اُسے ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہین مجھے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے، وہ مجھے کام کو بھی ہاتھ نہین لگانے دیتی تھی۔ مین اگر کبھی اُسکا ہاتھ بٹانے پر

اصرار کرتی، تو وہ نہایت نرمی سے کہتی "کام کرنے کو تمام عمر پڑی ہے، ابھی سے بیتابی کیوں ہے"
اُسکے محبت بھرے سلوک نے مجھے چند ہی روز مین اپنا گرویدہ بنالیا۔ مان تو واپس نہین آسکتی تھی۔ لیکن قدرت نے مجھے دوسری مان عطا کردی۔

میرا مکان اسٹیشن سے متصل تھا، مین ہر صبح نہایت بے فکری سے چھت پر بیٹھکر آفتاب کے طلوع ہونے کا نظارہ دیکھا کرتی تھی۔ اور یا جنوبی اُفق کی طرف ٹکٹکی لگاکر آنے والی گاڑی کا انتظار کرتی تھی۔

دور سے لاین ہرے ہرے کھیتون مین سے ہوتی ہوئی اسٹیشن تک آتی تھی، اور اسٹیشن سے نکلکر پھر لینون مین گھستی ہوئی نہ معلوم کہان تک چلی جاتی تھی۔ اسٹیشن کے اُس پار جہانتک نظر جاتی تھی کھیت ہی کھیت نظر آتے تھے۔ علی الصبح آفتاب سامنے دنیا کے دورترین گوشہ مین سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اُفق کی سُرخی بڑی پُرلطف ہوتی تھی۔ اگر مین اُسوقت تک بیدار نہوئی ہوتی تھی تو آفتاب کی پہلی کرن میرے چہرہ پر پڑکر مجھے جگا دیتی تھی۔ اُسوقت پہلے تو مین ایک نظر اپنے جگانے والے کی طرف دیکھتی، پھر میری نگاہین دور بائین جانب کے کھیتون پر جم جاتین، جہان کہین کہین آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔

ریلوے لاین کی پٹریان سورج کی روشنی مین چمکتی رہتی تھین۔ تھوڑی دیر مین ہی جنوبی اُفق پر ایک سفید دھبّہ سا نظر آتا۔ جو بڑھتے بڑھتے ایک دھاری مین تبدیل ہوجاتا۔ کچھ گڑگڑاہٹ سُنائی دیتی، اور پھر انجن نظر آتا۔ جو بھاپ اور دھوئین کے پھنکارے مارتا، اژدہے کی مانند فولادی پٹریون پر رینگتا، بل کھاتا ہوا نظر آتا۔ آن واحد مین گاڑی اسٹیشن مین داخل ہوکر ٹھہر جاتی۔ مسافر اپنا اپنا اسباب لیکر باہر نکلنے لگتے۔

اور مین بھی نیچے اُتر آتی، پھر سارا دن کتابین پڑھنے، ساس کی پُرشفقت باتین سُننے اور ننھے دیور موہن سے ہنسنے کھیلنے مین گذر جاتا۔

لیکن ان دلچسپیون پر بھی میرا دھیان لاہور ہی مین رہتا، تصور میرے سامنے کبھی کالج کا ایک کمرہ کھڑا دیتا۔ جسمین اسٹیج پر کھڑے وہ لیکچر دیتے تھے، اور سامنے ڈیسکون پر لڑکے بیٹھے انھین نہایت توجہ اور عقیدت سے سنتے تھے۔ میرا دل خوشی، فخر اور غرور سے لبریز ہوجاتا۔ کبھی مین تخیل

کی امداد سے بورڈنگ ہوس مین اُنکے کمرہ مین پہونچ جاتی، اور سامان کی بے ترتیبی کو دیکھتی۔ اسوقت دل بے چین ہوجاتا تھا اور مفارقت ناقابل برداشت معلوم ہونے لگتی تھی۔

ایک روز شام کو یہ بے چینی بہت زیادہ ہوگئی، مین نے مصمم ارادہ کرلیا کہ بس اب اس مفارقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردینا چاہیے، اُنکے ساتھ ہی لاہور چلی چلون، چند روز بورڈنگ ہوس ہی مین رہونگی، پھر شہر مین کوئی نہ کوئی مکان ملجائیگا۔

رات بھر اسی خیال مین نیند نہ آئی، سوچتے سوچتے رات بھی گذرگئی، آخر تین بجے کے قریب ٹھنڈی ہوا کے جھونکون نے کچھ الیسا اثر کیا کہ ذرا آنکھ لگ گئی

(۶)

مین سوتی تھی، مگر تمنائین بیدار تھین، شوق مضطرب اور تخیل دونون حضوری مین مصروف تھے۔ دلمین چھپی ہوئی تصویر آنکھون کے سامنے مجسم ہوکر آگئی۔

مین نے پوچھا "بورڈنگ کے کھانے مین گھر کا سا لطف تو نہ آتا ہوگا"

"گھر کا سا لطف بھی کبھی آسکتا ہے۔ گھر اور بورڈنگ کا مقابلہ ہی کیا۔ تاہم میرا نوکر کھانا اچھا پکاتا ہے۔ بعض بعض چیزین تو نہایت عمدہ تیار کرتا ہے۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے رُکے، پھر شرارت آمیز تبسم کے ساتھ میری طرف دیکھ کر بولے "ہان۔ اگر یہان کھانا تم تیار کرتین۔ تو شاید . . . بورڈنگ بازی ہار جاتا۔

مین نے تنگ کر جواب دیا "اچھا جی! کبھی ایک دفعہ میرے ہاتھ کا کچھ کھا کے تو دیکھو۔ یونہی بن دیکھے کیسے مذاق اُڑاتے ہو"

نقلی سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ پھر بولے "اجی رہنے بھی دو۔ ابھی کل تو گوبھی کا چوکہ ہوتا تھا۔ آج ہمین بھی کھلانے لگین۔ ابھی کچھ روز ساس سے سیکھو"

مین فوراً روٹھ گئی۔ اور مونھ پھیر کر پلنگ پر لیٹ گئی۔

وہ منانے لگے۔ نہایت نرمی سے میرے شانے کو جھنجھوڑتے ہوئے اُنھون نے کہا۔ اجی واہ! یہ بھی کوئی بات ہے، مین تو دل لگی کر رہا تھا۔

مین جانتی تھی کہ اُنھون نے فقط دل لگی سے کہا ہے۔ لیکن مین بھی تو دل لگی ہی کر رہی تھی۔

کوئی سچ مچ تھوڑا ہی روٹھ گئی تھی۔

مین نے آنکھین زور سے میچ لین، تو اُنھون نے میری آنکھ کا پپوٹا اوپر اُٹھایا۔ مین نے کھلی آنکھ سے بھی کچھ نہین دیکھا۔

پھر دھیمی، محبت بھری آواز مین اُنھون نے مجھے پکارا "اُٹھو! اُٹھو!" لیکن مین ٹس سے مس نہ ہوئی۔

اُنھون نے مجھے گدگدایا۔ مین نے کروٹ بدل لی۔ اُنھون نے میرے تلوے کھجلائے۔ مین نے پانوٗن کھینچ لئے۔ اُنھون نے پکارا "اُٹھو! اُٹھو! مین کچھ نہ بولی۔

اب اُنھون نے زور سے میرا ہاتھ جھنجھوڑا۔ مین نے غصہ مین آنکھین کھول دین۔ تو کیا دیکھتی ہون۔ چھت پر کی چارپائی پر پڑی ہون۔ اور موہن میرا ہاتھ پکڑے زور زور سے ہلا رہا ہے "اُٹھ! اُٹھ! نیچے بھائی آیا ہے۔

مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔

دھوپ چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ مین اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور پریشان بالون کا جوڑا باندھنے لگی۔

موہن بولا۔ جلدی چل۔ بھائی کو بخار چڑھا ہے۔

"بخار!"

"ہان۔ ایک لڑکا اُنھین یہان تک پہونچانے آیا ہے"

مین ننگے سر نیچے دوڑ پڑی۔ لیکن سیڑھیون کے خاتمے پر پہونچ کر رُک گئی۔ ڈیوڑھی مین وہ کھڑے تھے، اُنکے پاس ہی ایک لڑکا تھا، سامنے ہی ساس کھڑی ہوئی کہہ رہی تھین "ارے تم بستر پر چل کر لیٹو۔ مین گٹھری اندر رکھوا لیتی ہون"

وہ بولے "اچھا آؤ۔ رام ناتھ اندر چلین"

مین اُنسے پہلے ہی اندر پہونچ کر اُنکا بستر جھاڑ کر بچھانے لگی۔ وہ دونون اندر آئے تو مین نے گھونگھٹ نکال لیا۔ اور ایک طرف کھڑی ہوگئی۔

بستر پر بیٹھتے ہوئے اُنھون نے رام ناتھ سے کہا "پرسون تمھارا حساب کا امتحان ہے؟"

"جی ہان۔ پیپر آپ نے سیٹ کیا ہے؟"

"نہین پروفیسر گھوش نے"

بخار زور کا چڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ سانس پھولی ہوئی۔ آنکھین چڑھی ہوئین۔ سرخ چہرہ۔ مونہ سے بات بڑی مشکل سے نکلتی تھی۔ پھر بھی اُنھون نے رُک رُک کر کہا۔ سترھوان پراپوزیشن ضرور دیکھنا۔ . . پروفیسر گھوش کی بڑی فیورٹ ہے . . . سمجھ مین نہین آتی ؟ آؤ مین سمجھاؤن . . . کرسی پر بیٹھ جاؤ"

یہ کہکر اُنھون نے جیب سے پاکٹ بک نکالی۔ اور پنسل سے ایک صفحہ پر کچھ شکل کھینچنے لگے۔ رام ناتھ کرسی قریب کھینچکر بیٹھ گیا۔

اُنکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ دو تین دفعہ شکل کھینچی۔ لیکن درست نہ بن سکی۔ ہنس کر کہنے لگے۔ "ارے لاین بھی سیدھی نہین کھنچتی . . . اچھا ایسے ہی سہی"

رام ناتھ نے کہا "آپ تکلیف نہ کرین۔ بخار زور کا ہے۔ آپ لیٹ جائین۔ مین لاہور جاکر کسی سے سمجھ لون گا"

"کچھ پروا نہین۔ . کچھ پروا نہین . . . یہان دیکھو . . . یہ لاین . . . (میری طرف اشارہ کرکے) ہان رام ناتھ کے لئے کھانا تیار کراؤ۔ . گاڑی گیارہ بجے جاتی ہے . . . . دیکھو یہ لاین . . ."

مین وہان سے کھانے کا انتظام کرنے چلی گئی۔

(۷)

ڈاکٹر نسخہ لکھکر اور فیس لیکر چلا گیا۔ ماما جی بھی اُسکے ساتھ دوائی لینے گئے۔ مین دیوار سے ہٹ کر پلنگ کے قریب چلی گئی۔

اُنکی طبیعت اُسوقت نہایت بے چین تھی۔ کبھی اس کروٹ لیٹتے تھے۔ اور کبھی اُس کروٹ۔ سانس لینے مین بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ بخار سے چہرہ تمتما رہا تھا۔ آنکھین چمک رہی تھین، کبھی کبھی نہایت تکلیف دہ کھانسی بھی آتی تھی۔

مین تھوڑی دیر خاموشی سے اُنکی طرف دیکھتی رہی۔ پھر دھیمے سے پوچھا "کیا سر مین درد ہوتا ہے ؟"

اُنھوں نے سر ہلایا۔ اور بولنے کے لئے لب کھولے۔ لیکن آواز کھانسی سے دب گئی۔
اتنے مین ماما جی دوا لیکر آگئے۔ مین پھر پلنگ سے ہٹ کر دیوار کے قریب چلی گئی۔
ناتجربہ کار نادان لڑکی مجھے دنیا کا پتہ ہی کیا تھا؟ مین خوشیون کے گہوارہ مین پلی تھی۔ ابتک سوائے عیش و آرام کے اور کچھ دیکھا ہی نہ تھا۔ آدمی اتنی شدید تکلیف مین مبتلا ہو سکتا ہے۔ یہ کبھی خواب مین بھی خیال نہین آیا تھا۔ اور اب جو اپنے سامنے اُنھین درد سے کراہتے دیکھا۔ دل بے قابو ہو گیا۔ بے اختیار رونے لگی۔

ماما جی نے اُنھین کچھ دوا پلائی اور ایک دوسری دوا اُنکی چھاتی پر ملی۔ مالش کرتے کرتے اُنھون نے کہا "بیٹا اتنا بخار تھا۔ تو لاہور ہی کیون نہ ٹھہر گئے۔ ڈاکٹر کہتا ہے۔ سفر سے بہت تکلیف ہو گئی ہے"

اُنھون نے کچھ جواب نہین دیا۔

شام کے قریب اُنکی آنکھ لگ گئی۔ تو سب نے تھوڑا بہت کھایا۔ رات کچھ آرام سے گذری۔ لیکن مجھے بالکل نیند نہین آئی۔ مین تمام رات یہی سوچتی رہی "اتنا بخار تھا۔ تو لاہور ہی کیون نہ ٹھہر گئے؟"

صبح کے قریب اُنھون نے پانی مانگا۔ مین نے جلدی سے اُٹھ کر گلاس بھر کر اُنھین دیا۔ دو چار گھونٹ پی کر وہ پھر لیٹ گئے۔

اُسوقت اُنکی طبیعت بحال معلوم ہوتی تھی۔ کمرہ مین دھیمی روشنی سے لمپ جل رہا تھا۔ قریب ہی سوئی ہوئی مامی کے سانس لینے کی آواز کے سوائے چارون طرف بالکل خاموشی تھی۔ وہ میری طرف خاموشی اور غور سے تک رہے تھے۔ مین اُنکی طرف دیکھ رہی تھی۔

بہت دیر تک ہم اسی طرح ایک دوسرے کی طرف خاموشی سے تاکتے رہے۔ آخر مین نے آہستگی سے پوچھا "اتنا بخار تھا۔ تو لاہور ہی کیون نہ ٹھہر گئے؟"

اُنھون نے کچھ جواب نہ دیا۔ فقط مسکرا دئے۔

نجانے کیون میری آنکھون سے دو آنسو نکل آئے۔

طبیعت کی بحالی عارضی تھی۔ صبح کے ساتھ ہی تمام تکالیف پھر عود کر آئین۔ شام تک

تھوک کے ساتھ خون بھی آنے لگا۔ سانس لینا دشوار ہوگیا۔ تیسرے دن ڈاکٹر نے ایک عجیب قسم کی بوتل اور ایک ربڑ کی نالی سانس لینے مین آسانی پیدا کرنے کے لئے دی۔

مجھے اُن دنون کی باتین اچھی طرح یاد نہین۔ کیونکہ اُنکی حالت دیکھکر مین اپنے آپ ہی مین کب تھی۔ مامی اور ماما دونون نہایت تن دہی سے ہر وقت اُنکی خدمت مین منہمک رہتے تھے۔ اور مین اُسی کمرہ کے ایک گوشہ مین یا اُنکے پلنگ کی پائینتی بیٹھی روتی رہتی تھی۔ مجھ سے کچھ بھی کام نہین ہوتا تھا۔ مامی کے بہت زور دینے پر ایک آدھ لقمہ زہر مار کرلیا کرتی تھی۔

چھٹی رات تھی۔ دو یا ڈیڑھ بجے ہونگے۔ تمام گھر پر ایک عجیب خوفناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ شام سے بیہوش پڑے تھے۔ کبھی کبھی عالم بیہوشی مین کچھ بڑبڑاتے تھے۔

پڑوس کے دو تین آدمی اور عورتین آئی ہوئی تھین۔ مین ایک گوشہ مین سہمی سمٹی پڑی تھی روتے روتے آنکھین سُرخ ہوگئی تھین۔ آنکھون مین اب آنسو بھی نہ تھے۔ مین نہ کچھ سوچ رہی تھی نہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ اتنے مین وہ بڑبڑائے۔

"بلا! اتنے بخار مین مین یہان کیون آیا ہون؟"

میرے بدن مین بجلی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مین فوراً دوڑکر اُنکے قریب جا پہونچی۔ لیکن مامی نے مجھے نرمی سے روکا۔ اور کھینچکر دوسرے کمرہ مین لیگئین۔

چند منٹ بعد ہی مجھے باہر کے کمرہ سے چیخین سُنائی دین۔ بس مین سمجھ گئی میرا سُہاگ مٹ گیا۔ مین بیہوش ہوگئی۔

(۸)

حُسن اور جوانی دونون نصیب ہوئے۔ لیکن خوشی میری قسمت مین نہ تھی۔ میرا دل اُجڑ چکا۔ جسمین اب ارمانون اور مسرتون کا نام نہین۔ میرا دماغ فقط خیالات منتشر کا ایک سرچشمہ ہے۔ مین گو زندہ ہون۔ لیکن میری حالت مُردون سے بدتر ہے۔ ایسی زندگی کی کیا خاک تمنا ہوسکتی ہے۔

بھری جوانی ہے۔ مگر کبھی بھول کر بھی تو مین سنگھار دان کی طرف ہاتھ نہین بڑھاتی۔ میز پر لگے آئینہ مین جب کبھی کبھی اپنا عکس نظر پڑجاتا ہے تو اُسی وقت تن بدن مین ایک آگ سی

لگ جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آئینہ کو چور چور کر دون۔

جب مین لڑکی تھی تو اکثر اپنی بہن کے نوندر کو للچائی ہوئی نظرون سے دیکھا کرتی تھی۔ اُسکی خوشنما ساریان، ریشمی غراک، دیکھکر میرا جی للچاتا تھا۔ مین بے مان کی بچی تھی۔ میرا باپ میری ہر ضد کو پورا کر دیتا تھا۔ میرا دن رات سنگھار مین گذرتا تھا۔ اپنی بھابھی کی دیکھا دیکھی مین بھی اپنے گلابی ہونٹ مسی سے سیاہ رکھا کرتی تھی۔

لیکن جب وہ سب چیزین خود بخود حاصل ہو گئین اُنکو استعمال کرنے کا مناسب وقت آیا تو قسمت پھوٹ گئی۔ مسرت پامال ہو گئی۔ مایوسیون نے امیدون پر قبضہ کر لیا۔ سنگھار کیسے کرون؟

عورت جسکا من موہنے کے لئے ہزار ترکیبین کرتی ہے۔ جسے خوش کرنے کے لئے بھی جان سے کوشان رہتی ہے، جسکی ایک مسکراہٹ، ایک محبت کی نظر کو حاصل زندگی جانتی ہے۔ جب وہ ہی نہو۔ تو پھر عورت مٹی کی کچی مورت سے بھی بدتر ہو جاتی ہے، مورت کو صرف کمہار ایک مرتبہ آگ مین جلاتا ہے، لیکن یہ ساری عمر اپنی آگ مین جلتی رہتی ہے۔

بیوہ کے لئے نہ سسرال مین سکھ ہے نہ میکے مین۔ اُسکا کہین بھی مان نہین ہوتا۔ اُسے کوئی بھی عزت کی نظر سے نہین دیکھتا، ہان ظاہری ہمدردی جتانے والون اور آنسو بہانے والون کی کمی نہین رہتی۔ مین جب سسرال مین ہوتی ہون، تب ساسی اور ماما دیورانی مجھے دیکھکر روتے ہین، اور جب میکہ مین جاتی ہون تو والد اور بھائی کی رحم سے بھری ہوئی آنکھین ہر وقت میری طرف لگی رہتی ہین۔

لیکن اس سے مجھے کیا فائدہ؟ اُنکے آنسو اور ہمدردی بھری باتون سے میرے دل کا کھنڈر پھر سے آباد نہین ہو سکتا۔ اُجڑا ہوا سہاگ کوئی باغ نہین کہ موسم بہار مین نئے سر سے لہلہا اُٹھے۔

جس دن میری نسبت ہوئی تھی، اُس سے اگلے دن مینے شکنتلا کو آخری مرتبہ دیکھا تھا اُسکے بعد اُسکے سامنے جانے کی نہ میری ہمت ہوتی تھی، اور نہ وہ کبھی ملنے آئی۔

میری طبیعت تو اب بھی اُس سے ملنے کو نہین چاہتی تھی، لیکن ایک بات نے اُسکے

گھر جانے پر مجبور کر دیا۔ مین میکے مین گئی ہوئی تھی۔ بھابھی نے بتلایا کہ شکنتلا کی نسبت ایک بڑے امیر گھرانے مین ہوگئی ہے۔ لیکن لڑکے! کی عمر پچاس برس کے قریب ہے، اُسکے یہان ایک لڑکی اور چار لڑکے ہین، بڑے لڑکے کی عمر چھبیس برس کے اوپر ہے۔

یہ سنکر مجھے بہت افسوس ہوا۔ ایک نوجوان، خوبصورت، تعلیم یافتہ لڑکی کے جذبات کو ٹھیس لگانے والی بوڑھے پانچ بچون والے خاوند سے بڑھکر اور کیا چیز ہوسکتی ہے؟ مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ جان سے عزیز لڑکی کی زندگی کو تلخ کرنے، اُسکی سیکڑون تمناؤن کا خون کرنے پر بڑے لکھے والدین کس طرح تیار ہوجاتے ہین۔

مین اُسی دن بھابھی کے ساتھ شکنتلا کے گھر گئی۔ ہمارا ارادہ شکنتلا کی مان سے نسبت کی بابت بات چیت کرنے اور حتی الوسع دلائل دیکر اُسے اس کام سے باز رکھنے کا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ نسبت اُسی نے کی ہے، اور اگر وہ چاہے تو اب بھی شکنتلا کی زندگی تلخ ہونیسے بچ سکتی ہے۔

شکنتلا کی مان میرے گلے ملکر بہت دیر تک روتی رہی، لیکن شکنتلا مجھسے بولی تک نہین۔ آخر مینے دل کڑا کرکے پوچھا "بہن اچھی ہو؟"

اُسنے بغیر میری طرف دیکھے روکھی آواز سے جواب دیا "ہان"

سلسلۂ گفتگو مین نسبت کی بات بھی چھڑ گئی "بھابھی نے کہا" گھرانا بہت امیر ہے"

شکنتلا کی مان نے جوش کے ساتھ کہا "شریف بڑے ہین"

بھابھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بول اُٹھین "شکنتلا کا بڑا لڑکا بالا کے بھائی کا ہم جماعت تھا۔ وہ کہتے ہین بڑا نیک اور خوش طبع ہے" شکنتلا کی مان کا جوش دفعتاً فرو ہوگیا۔ چہرہ پر زردی چھاگئی۔ مجھے بھابھی کی دلیری پر بڑی حیرت ہوئی۔ مجھے اُنکی یہ بات ناگوار گذری، اسلئے کہ اب مجھے اپنی تجویز مین کامیابی کی امید نہ تھی۔ مین نے ملامت آمیز تعجب کے ساتھ اُسکی طرف دیکھا۔ اُسنے مجھے آنکھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ دفعتاً شکنتلا نے سر اُٹھایا۔ اُسکا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ میری طرف قہر آلودہ نظر سے دیکھ کر گرجی "یہان طعنے بازی کرنے آئی ہو؟ تمھارا بیاہ تو جوان سے ہوا تھا۔ تمنے کونسا اٹل سہاگ بھوگ لیا ہے؟ مین ندامت سے سرنگون ہوگئی۔

گوپال کرشن

پایانِ وفا

اُم عقبہ بنت عمرو، اپنے چچیرے بھائی عثمان کو بیاہی تھی، دونون میان بیوی ایک دوسرے پر جان دیتے تھے، اگر وہ شمع جانگداز تھی تو یہ پروانہ جگر سوخت، وہ بلبل خانمان برباد تھا، تو یہ گل آوارہ بو، غرض یہ زندگی ایسی بےچپ اور متحد المذاق واقع ہوئی تھی کہ دیکھنے والے رشک کرتے تھے، حتیٰ کہ یہ امتیاز اگر ناممکن نہ تھا تو دشوار ضرور تھا کہ اِن مین عاشق کون ہے، اور معشوق کسکو کہہ سکتے ہین، مگر جہان دنیا فانی ہے، وہین دنیا کی ہر چیز فنا کے لئے چشم براہ ہے، آخر ایکدن وہ آیا کہ عثمان کی تمام آرزوئین اپنا عارضی دورِ حیات ختم کرکے ایک ایسے وقت کے استقبال کے لئے آمادہ ہوئین جسکو "موت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اب عثمان بھی اپنی پُرفریب زندگی سے سیر ہوچکا تھا، اور کوئی سبب ایسا نہ تھا جو اُس کے دنیا سے جدا ہونے پر اُسکو ملول کردیتا، اِلّا "اُم عقبہ کی محبت"، جسکی خاطر اگر اُسکو یقین ہوتا کہ اسکی یہ تمنا پوری ہوجائیگی تو ایک بار اور "درازی حیات" کی التجا کرنے کے لئے تیار تھا، لیکن آہ! وہ جانتا تھا کہ موت، ظالم موت، زندگی سے اتنی ہی نفور ہے جتنی روشنی ظلمت سے یا ظلمت روشنی سے۔

جب عثمان کو یقین ہوگیا کہ اب اسکی زندگی نام ہے، چند انفاس کا جو لمحے دو لمحے کی اور مہمان ہین تو اسنے اُم عقبہ کو گلے لگایا اور کہا "پیاری اُم عقبہ! دل سے سنو! اور جو کچھ مین پوچھون اُسکا سچ سچ جواب دو

اُم عقبہ (آبدیدہ ہوکر) جہان تک مجھے یاد ہے مین تم سے کبھی جھوٹ نہین بولی، اب بھی یہی چاہتی ہون کہ تم اپنے آخر وقت مین مجھے جھوٹ کی تہمت لگاکر اپنے خیال کو صدمہ نہ پہونچاؤ۔

عثمان۔ مین امید کرتا ہون کہ تم اپنے وعدہ کی پابند رہوگی، اور میرے بعد بھی میری ہی رہوگی، خدا کی قسم مجھے تم پر اعتماد ہے، بجز اسکے کہ سوءِ ظن سے مجبور ہون اور عورتون کی بےوفائی

سے خائف ..... اِسکے بعد غسان کی زبان لڑکھڑانے لگی، آنکھین پتھرا گئین اور روح پرواز کرگئی، اُم عقبہ کا جی دھک سے ہوکر رہگیا، دونون ہاتھون سے کلیجہ تھام لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

قدرت نے جو نظام قائم کردیا ہے ایسا پائدار اور صحیح الاصول ہے کہ کسی زمانہ مین بھی اُسکی خلاف ورزی نہین ہوتی۔ اُم عقبہ کچھ دن تو رنج والم کے ہاتھون جان سے بیزار رہی مگر آخر کب تک، مجبوراً پھر اُسی تباہ کن زندگی سے مانوس ہوئی، لوگون نے ذرا موقع پایا تو چارون طرف سے پیغامِ شادی کی بوچھار کردی، گویا اس دن کے پہلے ہی سے منتظر تھے، اور کیون نہ ہوتے، اُم عقبہ جیسی پاکدامن، کریم النسب، شریف خصلت اور عفت کی دیوی کسکو نصیب ہوتی ہے، مگر ابھی یہ عدیم المثال خاتون اپنے وعدہ کو نہ بھولی تھی اور اسے یاد تھا کہ وہ اپنی نہین ہے ..... غسان کی ہے، اُسنے ان پیغامون کا طولانی قصہ اِن تین شعرون مین مختصر کردیا۔

ما حفظ غسانا علی بعد دارہ	وارعاہ حتی نلتقی یوم نحشر
مین غسان کو باوجود اُسکی دوری کے یاد رکھون گی	اور قیامت تک اس عہد کی پابند رہونگی
وانی بفی شغل عن الناس کلهم	فکفوا فما مثلی من الناس یعذر
اور مین تو سب سے بے پرواہون (کہدیا جائے) اُن لوگون نے	اس حرکت سے باز رہین مجھ جیسا شخص بیوفائی نہین کرتا
سابکی علیه ما حییت بدمعة	تحول علی الخدین منی فتکثر
مین جب تک زندہ ہون اسپر رخسارون	پر بہنے والے آنسوؤنکے ساتھ روتی رہونگی جو ہمیشہ اُبلتے رہینگے

لوگ مایوس ہوگئے اور اسوقت تک اُن کو امید کی صورت نظر نہ آئی جب تک اُم عقبہ نے اپنا عہد خود فراموش نہ کردیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اُم عقبہ کو اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کرنا پڑے، مَن فقد مات فقد فات (جو مرگیا یقیناً ہاتھ سے گیا)

جو لوگ اُم عقبہ پر بہت زیادہ فریفتہ تھے اور اُسکے لئے اپنی زندگی تلخ کئے ہوئے تھے اُنمین ایک مقدام بن جاسر تھا۔ اسنے اُم عقبہ کی اس خاموش رضامندی سے فائدہ اُٹھایا اور اپنی خوش قسمتی سے اُسکو آمادہ نکاح کرنے مین کامیاب ہوا۔ جس رات کو یہ حرمان نصیب لطف وصلت

کے متوقع تھے۔ اسی رات کو اُم عقبہ خواب دیکھتی ہے کہ عنان یہ اشعار پڑھ رہا ہے۔

عذرت ولم ترعی لبعلك حرمة ولم تعرفی حقا ولم ترع لی عهدا

تو نے دھوکا دیا اور اپنے شوہر کی حرمت نہ کی یہ حق شناسی سے کام لیا اور نہ میرے ایفائے عہد کی رعایت کی

عذرت به لما تو مے فی ضریحه كذالك ينسى كل من سكن اللحدا

تو نے اس شخص سے بیوفائی کی جو قبر میں آسودہ ہے اسطرح فراموش کر دیا جاتا ہے ہر شخص جو لحد میں سکونت رکھتا ہے

بیدار ہوئی تو گویا کسی بڑی غلطی سے آگاہ ہو کر اُسکی تلافی کے لئے بیچین تھی، اب وہ اپنے آپ کو شرم و حیا کا پیکر پاتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عنان اُسکو دیکھ رہا ہے، اور وہ عنان کو، سہیلیان آئین اور یہ رنگ دیکھکر چونک پڑین، سب نے گھبراکر پوچھنا شروع کیا۔ "کیون کیا حال ہے"۔

اُم عقبہ نے کہا۔ حقیقتاً عنان نے میرے لئے زندگی کی کوئی ضرورت باقی نہین رکھی، میرا جینا تو بالکل بے سود ہے، ابھی وہ مجھے خواب مین نظر آیا اور اُسنے یہ اشعار سُنائے، سہیلیان بھی حیرت زدہ ہو کر رہگئین اور آنکھون مین اشک بھر لائین تاہم اُنھون نے ام عقبہ کو باتون مین بہلانے کی ناکام کوشش کی کہ شاید ام عقبہ اس خیال سے درگذرے، مگر کہان تک، ذرا غافل ہوئی تھین کہ ام عقبہ ایک ضرورت کے بہانے سے اُٹھی، اور گلے مین رسی کا پھندہ ڈالکر اپنی زندگی مایوس سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو گئی۔

(ماخوذ از اخبار النسا مصری)

ابو الولا محمد زکریا مالی

اس درجہ بے اثر مری آہِ جگر ہوئی — اس بے خبر کے دل کو نہ مطلق خبر ہوئی

اُلجھن بھی شام سے مجھے مضمونِ زلف کی — کس پیچ کی مہم تھی کہ شب بھر مین سر ہوئی

سینچا جو خونِ دل سے عنادل نے عمر بھر — گلشن مین جب تو نشو و نماے شجر ہوئی

اک وقت مین یہ دونون معمے نہ حل ہوئے — پیدا کیا دہن کو تو پنہان کمر ہوئی

صیاد نے رہا نہ کیا فصلِ گل مین بھی — نالان ہزار بلبلِ بے بال و پر ہوئی

پہلو سے بس اِدھر وہ اُٹھے اور اس طرف — دل ہل گیا وہ شدتِ دردِ جگر ہوئی

خاکِ مدینہ آنکھ مین عثمان لگائینگے — قسمت ہے اپنی کاش رسائی اگر ہوئی

اعلیحضرت نظامِ دکن

لوکمانیہ تلک

تلک مہاراج کے کارنامے تاریخ ہند کے اہم ترین واقعات مین شامل ہوگئے ہین انکا مقدس نام آنے والی نسلون کے لئے باعث فخر ہوگا اور وہ مرحوم کی پسندیدہ روش پر چل کر معراجِ ترقی پر پہونچ سکین گی۔

لوکمانیہ پنڈت بال گنگادھر تلک ۲۳ جولائی ۱۸۵۶ء مین بمقام ابن گری پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ہندوستان کے مختلف حصے ہندوستانیون کے قبضے سے نکل کر انگریزون کے ہاتھون مین جا رہے تھے۔ آپ نے دکن کالج پونہ سے ۱۸۷۶ء مین بی۔ اے اور قانون کی امتیازی ڈگریان حاصل کین۔ اختتام تعلیم کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ اکتساب معیشت کے بجائے قوم اور ملک کے آزادی کی کوشش زیادہ فائدہ بخش ہے۔ چنانچہ آپ نے دولت کے خیال کو اس جذبے پر قربان کر دیا۔ اور حصول آزادی کے لئے تعلیم کو عام بنانے کی ضرورت محسوس کی۔

آپ نے (۱۸۸۰ء مین) پونہ مین ایک اسکول کی بنیاد ڈالی جو نہایت کامیاب ثابت ہوا اور رفتہ رفتہ ایک کالج کے گریڈ تک پہونچ گیا۔ اسکے بعد آپ نے قومی ضروریات کو قوم تک پہونچانے کے لئے دو اخبار "مرہٹہ" اور "کیسری" جاری کئے۔

اُسوقت ایسا کوئی شخص نہ تھا جو مردانہ وار میدان مین حکومت کے خلاف آواز بلند کرتا صرف تلک مہاراج کی آواز پہلی مرتبہ فضاء سیاست مین گونجی اور اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ حکومت کی آنکھون مین کھٹکنے لگے۔ اُنھین دنون مہاراج کولہاپور کے ساتھ وہان کے رزیڈنٹ نے بدسلوکی کی۔ مہاراج کولہاپور نے مذکورۂ بالا اخبارون مین نکتہ چینی کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوکمانیہ تلک پر توہین کا مقدمہ چلایا گیا اور ۶ ماہ کی سزا ہوگئی۔

سوشل معاملات مین بھی آپ اکثر موقعون پر گورنمنٹ کے بیجا مداخلت پر مخالفت

کرتے رہے۔ آپ کو غریب اور اچھوت ذاتون سے بھی بڑی ہمدردی تھی۔ ۱۸۹۰ء مین مشرقی مذاہب کی ایک کانگریس لندن مین منعقد ہوئی۔ آپ نے اس کانگریس مین ایک زبردست مضمون وید کی اوّلیت وحقانیت کے متعلق لکھکر بھیجا۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ والون کو سر جھکانا پڑا۔ جرمن کے مشہور عالم پروفیسر میکسملر نے اپنی کتاب مین مجبور ہوکر لکھا کہ دُنیا کی لائبریری مین "وید" پہلی کتاب ہے۔ آپ نے جیل مین پاک گیتا کا بھی ترجمہ کیا اور سیاسی سبق لینے کیلئے ایک زبردست نسخہ پیش کیا۔

آپ کا قول تھا کہ "سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے" اور ہم اُسے حاصل کرنا چاہتے ہین۔ اکثر لوگون نے پوچھا کہ سوراج ملنے پر آپ کس محکمہ مین کام کرنا پسند فرمائینگے۔ آپ نے کہا کہ مین میدان سیاست سے قطعی علیحدہ ہوجاؤنگا۔ اور کسی کالج مین بطور پروفیسر کام کرنا پسند کرونگا۔ انگلستان کے ایک زبردست مدبر نے لکھا تھا کہ اگر تلک انگلستان مین پیدا ہوئے ہوتے تو یقینی برطانیہ عظمیٰ کے وزیر اعظم ہوتے۔

آپ لیجسلیٹو کونسل بمبئی، میونسپلٹی بمبئی کے ممبر اور بمبئی یونیورسٹی کے فیلو بھی رہے اور نہایت بےخوفی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۸۹۵ء مین آپ انڈین نیشنل کانگریس کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ ۱۸۹۷ء مین چند ناعاقبت اندیشون نے طاعون کے سلسلے مین دو انگریزون کو مار ڈالا گورنمنٹ نے کیسری کے مضامین کو اس اشتعال کا سبب ٹھہرایا۔ اور آپ کو ڈیڑھ سال قید کی سزا بھگتنی پڑی۔ لیکن کوئن وکٹوریہ کے مراحم خسروانہ نے چند دن کے بعد آپ کو رہائی عطا فرمائی۔

۱۹۰۶ء مین بعض ممتاز حلقون سے آپ کا نام کلکتہ کانگریس کی صدارت کے لئے پیش کیا گیا مگر بعض لوگون نے مخالفت کی اور اسی طرح دوسرے سال سورت مین کانگریس کی دو پارٹیان بن گئین۔ ایک ماڈریٹ اور دوسری ایکسٹریمسٹ۔ اور کانگریس کا اجلاس نزاع باہمی کی وجہ سے نہین ہوسکا۔

ملک کی لیڈری کو گورنمنٹ نے خطرناک خیال کیا۔ اور تقسیم بنگال کے جوش کے سلسلے مین انکو چھ سال کے لئے جلاوطن کرکے مانڈلے مین نظر بند کردیا جہان آپ نے گیتا رہسیہ تحریر فرمائی۔ ۱۹۱۴ء مین آپ رہا کئے گئے۔ آپ کی رہائی پر تمام ملک مین خوشیان منائی گئین۔ اسی سال

برطانیہ اور جرمن مین جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ اُس زمانے مین بھی تلک مہاراج کے لکچرون کو حکومت نے خطرناک خیال کیا اور آپ سے چالیس ہزار کی ضمانت طلب کی۔ بعدہٗ آپ کے قدرشناشون نے آپ کو ایک لاکھ کی تھیلی نذر کی۔ مگر آپ نے اس کثیر رقم کو اپنی ذاتی اغراض سے بالکل الگ رکھا بلکہ اپنی جیب خاص سے کچھ اور رقم ملاکر ہوم رُول کی تحریک کے لئے وقف کردیا۔

سر ولنٹائن چرول نے آپ پر کئی الزامات لگائے۔ آپ انپر مقدمہ دائر کرنے کے لئے انگلینڈ گئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ گورنمنٹ نے بولشویک خطرہ پر دہلی مین ایک کانفرنس کی جسمین ملکی لیڈرون مین سے آپ کو بھی مدعو کیا۔ آپ نے سات سو نوجوان کو مع اپنے لڑکے کے فوجی خدمت کے لئے پیش کیا۔ اور بمبئی کی جنگی کانفرنس مین بھی آپ شریک ہوئے۔

جولائی سنہ ۱۹۲۰ء مین آپ کو نمونیہ ہوگیا اور ۶۶ سال کی عمر مین ۳۱ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء کو آپ اس دنیا کو چھوڑکر سورگباش ہوگئے۔ مرحوم کے جنازہ کے ساتھ بمبئی مین ایک لاکھ سے زاید آدمی شریک ہوئے۔ آپ کی راکھ بمبئی سے الہ آباد لائی گئی اور گنگا اور جمنا کی مقدس لہرون کے سپرد کردی گئی۔

گو تلک مہاراج ہم سے جُدا ہوگئے۔ لیکن اُنکا زرین قول ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتا رہیگا کہ "سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے"۔

مہیشری پرشاد نگم

خیالات ٹالسٹائی

جو شخص محض اپنی ذات کی حفاظت اور نفع رسانی مین زندگی بسر کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ لیکن جو دوسرون کی نفع رسانی مین منہمک ہے اصلی زندگی اسی کی ہے۔ اپنی ہستی کو فراموش کردینے سے دنیا مین بڑے بڑے کام ہوسکتے ہین۔

منکسر ہونا دشوار ہے۔ دولت سے غرور پیدا ہونا لازمی ہے۔ علم سے تکبّر ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص منکسر المزاج ہے تو اسکو اسیکا ناز ہے۔

تنقید کتب

(۱) (حسین بیتی):-

یہ مثنوی کربلا کے دردناک واقعات کی تاریخ اور شہدائے کربلا (علیہم السلام) کی خونین داستان کا المناک مرقع ہے جسکو حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی نے جوش عقیدت کے ساتھ نظم کیا ہے دیباچہ مین تحریر ہے کہ حکیم صاحب موصوف ہمیشہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو کوئی سلام یا مرثیہ ضرور تصنیف فرمایا کرتے ہین - اسی سلسلے مین آپ نے عشرۂ محرم کے اندر اندر یہ مثنوی مرتب فرمائی ہے -

حسین بیتی کے ہر بیان کا آغاز ساقی نامے سے ہوا ہے، اور ساقی نامہ بجائے خود مکمل اور واقعات سے اسقدر چسپان ہے کہ حکیم صاحب کی قادر الکلامی داد کی مستحق ہے - مثلاً جب اہل بیت اطہار کربلا سے اسیر ہوکر کوفہ کی طرف روانہ ہورہے ہین اس موقع پر ساقی نامے کا رنگ ملاحظہ ہو -

یہ ہے محتسب کس بلا کا شریر — کیا ساقی مہوش کو اسیر
وہ ساقی جو ہے گل سے نازکبدن — بندھے دونون ہاتھ مین اسکے رسن
وہ ساقی جو پھولون کا پہنے نہ ہار — گلے مین پڑے طوق کا اسکے بار

وہ ساقی ہے سجاد عالی وقار — وہ ساقی ہے سجاد عالی تبار
وہ نورِ نگاہِ حسینِ شہید — وہ مجروح و مظلوم دستِ یزید
انھین لے چلا کربلا سے عمر — طرف شہر کوفہ کے المختصر

اس مثنوی مین، قریب قریب، کربلا کے سب واقعات آگئے ہین، اور پھر اس بے تکلفی سے نظم ہوئے ہین کہ قلب پر ایک خاص اثر پڑتا ہے، مثلاً جب حر ابن یاجی نے حضرت امام مظلوم علیہ السلام سے مدینہ واپس جانے کے لئے کہا اور آپ ساری رات چلنے کے بعد ایک صحرائے پرخطر مین پہونچے، اور یہ معلوم ہوا کہ یہی کربلا ہے، تو آپ نے رفیقون سے مخاطب ہوکر فرمایا

یہ سنکر کہا شہ نے یاد آگیا — یہ وہ کربلا ہے، یہ وہ کربلا
یہی تو ہماری ہے آرام گاہ — اِسی سے رہیگا ہمارا نباہ
سحر کو روانہ ہوئے پھر حسین — پہونچکر کربن تا مدینہ مین چین
مگر شام کو آئی منزل جو پاس — تو حضرت نے دیکھا بصد رنج و یاس
گئے تھے جہان سے وہان آگئے — وہی کربلا ہے جہان آگئے
اسی طور سے سات دن سات رات — سفر کرتے تھے حضرت خوش صفات
مگر کربلا مین پہونچتے تھے آپ — دہانِ بلا مین پہونچتے تھے آپ

جب حضرت امام حسین علیہ السّلام زخمون سے چُور ہوکر گھوڑے سے نیچے اُتر آئے، اور فوج یزید نے نرغہ کرلیا، اس موقع پر حضرت مصنّف نے یہ اشعار لکھے ہین۔

لعینون نے چاہا کہ سر کاٹ لین — سنبھلنے کی حضرت کو فرصت نہ دین
کہا شاہ نے تم تامّل کرو — مرا وقت آخر ہے، پانی تو دو
کہا تمکو پیاسا کرینگے شہید — یہی ہمکو پہونچا ہے حکمِ یزید
تیمّم کیا آپ نے اور کہا — نہ دو مینے، اتمامِ حجّت کیا

غرض، حسین بیتی، بلحاظِ بندش اور بلحاظِ واقعات ایک قابلِ قدر کتاب ہے، بعض بعض جگہ بندش مین کچھ خامیان نظر آتی ہین، لیکن اس سے مثنوی کی لطافت پر کوئی حرف نہین آتا، مثلاً امام مظلوم علیہ السّلام جب بے یار و مددگار میدان مین تنہا رہ گئے اُسوقت فوجِ شقی کا تقاضا تھا کہ کسی اور کو میدان مین بھیجئے، یا خود تشریف لائے، اس موقع پر یہ شعر لکھا ہے۔

تقاضا تھا میدان مین آیئے — وگرنہ کوئی اور بھجوایئے

دوسرے مصرعے کا مفہوم یہ ہے کہ "کسی اور کو بھجوایئے"۔

حُر نے امام مظلوم کو مشورہ دیا کہ آپ رات کے وقت مدینہ کو تشریف لیجائیے صبح کے وقت جب میری فوج آپ کو نہ دیکھیگی، تو مجھے اطلاع دے گی، مین ٹال دونگا، اس مضمون کو حکیم صاحب نے ان شعرون مین ادا کیا ہے۔

چلے جائین فوراً مدینے کو آپ — نہ عازم ہون کوفہ کینے کو آپ
نہ پائین گے جب آپ وقتِ سحر — مری فوج مجھکو یہ دے گی خبر

مین کہدونگا اُنسے کہ جانے بھی دو نہ پیچھا نہ اِنکا تجسس کرو

دوسرے شعر مین پہلے مصرعے کا یہ مفہوم ہے جو موجودہ مصرعے سے ادا نہین ہوتا۔ "جب صبح کے وقت آپ کو (فوج والے) نہ پائینگے" یا شاید کتابت کی غلطی ہو۔ اصل مصرعہ یون ہو، ملینگے نہ جب آپ وقتِ سحر۔

زبان کے متعلق تو کچھ کہنا ہی نہین۔ محاورے اور پھر دھلی کے محاورے۔ اُنکی صحت مین کسکو کلام ہوسکتا ہے، لیکن زنانہ کی جمع زنانون بناکے عورتون کے معنی مین لکھنا شاید دھلی ہی مین درست ہو۔ حکیم صاحب نے اس لفظ کو دو جگہ لکھا ہے، ایک جگہ فرماتے ہین۔

زنانون کو بھی ساتھ مین لے لیا تقاضا یہی مصلحت کا ہوا

بہرحال حسین بیتی آنکھون سے لگانے کے قابل ہے، واقعات کربلا کی مختصر مگر جامع تاریخ ہے۔

تقطیع ۲۰×۲۶ حجم ۶۴ صفحہ قیمت ۸ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ، مینجر خطیب، نظام المشائخ وکلچین، پوسٹ بکس نمبر ۵۱۸ دھلی،

کرشمۂ عشق

کرشمۂ عشق، شاہ پیر شبر محمد صاحب عاجز کا دیوان ہے۔ اسکے شروع مین عاجز صاحب کا دیباچہ اور اسکے بعد جناب عشرت لکھنوی کی تحریر دلپذیر ہے۔

عاجز صاحب صوفی صافی بھی ہین، اور شاعر نازک خیال بھی، چنانچہ ٹائیٹل پر لکھا ہے۔ شاعر نازک خیال، مصور فطرت حضرت شاہ پیر شبر محمد صاحب"، اِس عبارت کے مطالعہ کے بعد قیاس یہ کہتا تھا کہ غزلون مین معارف حقیقت اور جذباتِ فطرت کا رنگ نمایان ہوگا، لیکن دیوان کی ورق گردانی سے نہایت مایوسی ہوئی۔ غزلین عموماً پھیکی اور عام مذاق کی ہین۔ یون تو تصوف کی شان معمولی سے معمولی شعرون مین بھی ثابت کی جاسکتی ہے، لیکن متصوفانہ کلام کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

اشعار اگرچہ صاف ہین، لیکن عمدہ شعر کم ہین، سرسری ورق گردانی مین جو شعر نظر آگئے وہ نذر ناظرین ہین۔

تمھارا عارض گلرنگ جب سے دیکھا ہے خیال تک نہین بلبل کو آشیانے کا

بیزار دل ہوا ہے دنیا کے رنج و غم سے — تکلیف ہمنے پائی بے انتہا سفر مین

آپ ہی یارانِ رفتہ تک ہمین جانا پڑا — وہ تو خود آتے نہین اُنکی خبر آتی نہین

اچھے شعرون کا نمونہ تو آپ ملاحظہ فرما چکے، اب اُن شعرون کا نمونہ حاضر ہے جنمین کوئی نہ کوئی خامی ہے، نک اضافت کی مثال۔

اپنا مونس تھا نہ کوئی بھی شبِ ہجرِ صنم — حال محزون ہوگیا اِس تیرے عاشق زار کا

پستیٔ مذاق و غلطیٔ تشبیہ،

لب گلرنگ پر لاکھا نہین ہے — تصور سے ہی بوسون کے دہن سُرخ

لاکھا سُرخ نہین ہوتا۔ مذاق کسقدر پست ہے۔

بے ربطیٔ الفاظ، و سستیٔ بندش،

بوسہ جو مین نے مانگا دین گالیان ہزارون — عاشق کا دل دُکھایا کیا داغ ہے جگر مین

شبدا تمھارا بیدل بیتاب ہے الم سے — جور و جفا کے رکھنا کیا داغ ہے جگر مین

اسی قسم کے اشعار کرشمۂ عشق مین اکثر نظر آتے ہین۔ کاش جناب عشرت "تحریر دلپذیر" کے ساتھ ساتھ انتخابِ کلام کی بھی زحمت گوارا فرماتے، تاکہ اس نگارخانے سے بُری تصویرین نکل جاتین۔ کتابت و طباعت معمولی۔ حجم ۲۰ صفحہ تقطیع ۱۸+۲۲ قیمت عہ، ملنے کا پتہ۔ پیر بشیر محمد صاحب عاجز ساکن گھانگہ خورد ڈاکخانہ جلال آباد ضلع فیروزپور

درس عمل

درس عمل مولانا محوی لکھنوی، کے ان معرکۃ الآرا نظمون کا مجموعہ ہے جو اس سے پہلے مختلف رسایل و اخبارات مین شائع ہوکر دنیاے ادب مین مقبول ہوچکی ہین۔ محوی صاحب کا کلام اپنی خوبیون کی وجہ سے کسی تبصرے اور تنقید کا محتاج نہین، ادبی دنیا مین آپ کو قبول عام کا طرۂ امتیاز حاصل ہوچکا ہے۔

اس مجموعہ مین مولانا ے موصوف کی دس نظمین شامل ہین، تقطیع چھوٹی ہے، کتابت و طباعت کی خوبیون کے لئے، دائرۂ ادبیہ کی ضمانت کافی ہے۔ قیمت ۴ ملنے کا پتہ۔ دائرہ ادبیہ لکھنؤ۔

انتخاب صحاح ستہ

اِس متبرک کتاب مین مولوی نیاز علی صاحب پنشنر اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس پنجاب نے ۹۵، مستند حدیثین جمع کی ہین، انتخاب مین وہی حدیثین لی ہین جو مسلم اور غیر مسلم دونون کے لئے یکسان مفید ہین - مثلاً - بیوہ عورت اور مسکین کی مدد کرنیوالون کی مثال اس شخص کی ہے جو خدا کی راہ مین جہاد کرتا ہے، یا دن بھر روزہ رکھتا ہے، یا رات بھر عبادت کرتا ہے۔

شروع مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری درج ہے، جسکے آخر مین محدثین کرام کے مختصر حالات بھی درج ہین - اسکے بعد اردو مین ردیف وار عنوانات قائم کرکے حدیثون کا ترجمہ پیش کیا ہے - اردو ترجمے کے آخر مین مضامین کی فہرست دی گئی ہے، اور پھر اصل حدیثین تحریر کی گئی ہین - آسانی مطابقت کے لئے اصل حدیثون پر بھی ترجمے کی طرح سلسلے کے نمبر ڈالے گئے ہین، غرض یہ مقدس مجموعہ قابل قدر ہے - مسلمانون کے لئے خصوصیت سے اس مقدس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

تقطیع ۲۰×۲۶ حجم ۳۵۶ صفحہ - کاغذ عمدہ - کتابت وطباعت دیدہ زیب، قیمت صرف ۴ء، ملنے کا پتہ - دفتر تہذیب لنسوان لاہور، ملک فضل الدین تاجر کتب قومی کشمیری بازار لاہور،

ہیئت جدید

(حصہ اوّل)

ہیئت جدید ایک مشترکہ تالیف ہے جو اسلامیہ کالج پشاور کے دو قابل پروفیسرونکی دماغ سوزیون اور عرق ریزیون کا نتیجہ ہے - یعنی منہاج الدین صاحب بی اے - ایم - ایس - سی - پروفیسر طبعیات اور برکت علی صاحب ایم اے - بی - ایس - سی پروفیسر ریاضیات کی متفقہ کوششون نے ہیئت جدید کی چین بندی کی ہے -

علم ہیئت، ایک مستقل علم ہے، اسکی بنیاد اُن تحقیقات اور انکشافات پر ہے جو اجرام فلکی کے متعلق ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک جاری ہین - انسان فطرتاً تحقیق وتجسس کا شیدائی بنایا گیا ہے - چنانچہ انسانی کوششین اجرام سماوی کے حالات واثرات کے انکشاف مین ہمیشہ سرگرم کار رہین اور حتی المقدور کامیاب بھی ہوئین، انھین عجائب وغرائب اور محیر العقول باتون پر ہیئت جدید مین روشنی ڈالی گئی ہے - غرض علم ہیئت کے متعلق یہ ایک جامع کتاب ہے - کاغذ عمدہ - کتابت وطباعت دیدہ زیب - حجم ۳۳۲ صفحہ - قیمت قسم اول ۴ء

اعظمی

پپیہا اور پی کہان[1]

(۲)

ہو چکا ہے کاروانِ موسمِ گرما رواں — گرمیون کی انتہائی ہین شرر افشانیان
ابر کے آثار سے خالی ہے روئے آسمان — بڑھتی جاتی ہین کسانون کی بہت بیتابیان
شدّتِ تاب و تپش سے بھن رہی ہے کائنات
اسمین کیا حیوان و انسان کیا جماد اور کیا نبات

دفعتہً تو نے کہین سے جب صدا دی "پی کہان" — تھی کڑک بجلی کی جس سے گونج اُٹھا آسمان
اُٹھ گئین سب کی نگاہین سوئے گردونِ ناگہان — پھر گیا آنکھون مین اِک دم ابر و باران کا سمان
یک بیک جسمِ فضا مین روح فرحت آگئی
دل مین ٹھنڈک اور آنکھون مین طراوت آگئی

ڈھاک کی اک شاخ پر آکر جو تو نے دی صدا — دفعتہً خوابِ گران سے سارا جنگل چونک اُٹھا
وجد مین آکر لگا ہلنے بدن ہر برگ کا — جھوم اُٹھین سب ٹہنیان ایسی بندھی تیری ہوا
ذرّہ ذرّہ لے اُٹھا نامِ خدائے انس و جان
رُخ پھرے سوئے خدا تو نے جو پوچھا "پی کہان"

گنبدِ گردون سے تیری "پی کہان" ٹکرا گئی — جو صدا جنگل سے اُٹھی وہ فضا مین چھا گئی
تابِ سوزِ عشق ہر ذرّے کے دل مین آگئی — باؤلی ہو کر ہوا پیڑون سے سر ٹکرا گئی
ڈھونڈتی ہے عالمِ بالا کا رستہ "پی کہان"
چھانتی پھرتی ہے بیتابی مین راہِ آسمان

---

[1] اس نظم کا ابتدائی حصّہ زمانہ جولائی ۱۹۲۳ء مین ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے۔

ہو رہا ہے تیرے محبوبِ سمن بر کا سنگھار رُوئے رنگین دھوتی ہین مینھ کی پھوارین بار بار
ہے شفق پھولی ہوئی یا غازۂ حسنِ عذار یا گلال اُڑ کر دکھاتا ہے یہ ہولی کی بہار
یا بہارِ سرخیٔ جوشِ جوانی ہے عیان
موجزن ہے رخ پہ یا رنگِ شرابِ ارغوان

کالے کالے بادلون پر ہی یہ بگلون کی قطار یا گندھے ہین موتیون سے طرّہ ہائے مشکبار
بجلیان کالی گھٹا سے کوندھتی ہین بار بار یا مسی آلودہ لب پر ہے تبسم کی بہار
شور ہے چشمون کا یا گھنون کی جھنکارین ہین یہ
پائے زیبون کی چھما چھم ہے کہ بوچھارین ہین یہ

سب یہ نشتر ہین ترے زخمی جگر کے واسطے سازو برگِ سیلِ گریۂ چشمِ تر کے واسطے
خارِ صحرائے جنون تیری نظر کے واسطے باعثِ وحشت، دلِ وحشت اثر کے واسطے
وصل مین یہ شدتِ غم کیون ہی اے بیمارِ عشق؟
تجھ کو ہونا ہے فنائے لذّتِ آزارِ عشق

شاہدِ رعنا ترا لیتا ہے جب غربت کی راہ اور نہین دکھلائی دیتے گیسوِ ابرِ سیاہ
زیست سے بیزار ہو جاتا ہے تو بے اشتباہ غم سے مٹ جانے کو تو کرتا ہے پیہم سرد آہ
سخت جانی سے جب اپنی تنگ آجاتا ہی تو
پھوڑنے کو سر پہاڑون پر چلا جاتا ہے تو

صبح دم جب آکے دریا کو جگاتی ہے نسیم چوم کر منھ خوابِ شیرین سے اُٹھاتی ہی نسیم
گدگدا کر اُسکی موجون کو ہنساتی ہے نسیم مِل کے پھر ہر موج سے ارگن بجاتی ہے نسیم
گنبدِ زرین ادھر مشرق مین دیتا ہی بہار
جگمگاتا ہے ادھر پانی مین عکسِ زرنگار

ناچتی ہین صاف پانی مین سنہری مچھلیان یا ہین عکسِ مہر سے دریا کی موجین زرفشان
ہین طیورِ نغمہ پرور کی ترنّم ریزیان اُٹھ رہی ہے موج پر موج سرورِ قلب و جان
کچھ ہے دلچسپی فضا مین کچھ ہے کیفِ جانفزا
کچھ ہے کیفیت کا عالم کچھ حلاوت روح زا

جھومتی پھرتی ہین ناریخی سنہری بدلیان جیسے اُڑتی ہون ہوا مین گلرخونکی ساریان
نوعروسون کی طرح کرتی ہین باہم شوخیان گاہ لیتی ہین خمارِ شوق مین انگڑائیان
کیف ریزِ شوق بھی ہین خود بھی مستِ شوق ہین
لٹ رہی ہے مے کدھر صہبا پرستِ شوق ہین

تونے چھیڑا اِک شجر پر اپنا نغمہ "پی کہان" کھول دی گویا فضاے کیف آگین نے زبان
گونجتے ہین نغمہ ہاے شوقِ معبودِ جہان مست و بیخود ہو رہے ہین وحش و طیر و انس و جان
ایک ایسی دم کے قربان لالہ زارِ زندگی
ایسی اک ساعت کے صدقے صد بہارِ زندگی

ڈوبتا سورج کا تمہیدِ نشاطِ عام ہے دلفریبی کا مرقع چرخ نیلی فام ہے
لالہ رخ رنگِ شفق سے نوعروسِ شام ہے دستِ قدرت مین شرابِ معرفت کا جام ہے
خامشی چھائی ہوئی ہے چپ ہے ساری کائنات
کر رہی ہے بندگی ذاتِ باری کائنات

اختتام شورش و دہشت ہے آغازِ سکوت نفس کی تہذیب کرتا ہے یہ اندازِ سکوت
گوشِ دل کھولین تو سن سکتے ہین آوازِ سکوت نغمۂ ذوقِ عبادت سے ہے پُر سازِ سکوت
ساری خلقت اس گھڑی گویا کہ اک حجرے مین ہے
بند آنکھین لب پہ خاموشی ہے سر سجدے مین ہے

دھیمی دھیمی بج رہی ہین گورودوارے کی گھنٹیان جنکے ہر ہر سُر پہ صورت سرمدی کا ہے گمان
آرہی ہے دور سے آوازِ ناقوس و اذان بنکے دل قدرت کا تونے کی کہین آہ و فغان
چشمۂ جوشِ عبادت "پی کہان" مین مل گیا
ملتے ہی دریا سے بحرِ بیکران مین مل گیا

شام موہن لال گرگ بریلوی

نوائے حسرت

(تازہ غزل مولانا حسرت موہانی از قید فرنگ)

ہو گئی کثرت نظر — پردہ حسن بے خبر
تجھکو دم وداع جان — دیکھ لیا بچشم تر
عاشق نامراد کی — آہ مین بھی نہین اثر
بھرتے ہین دم سب آپکا — جن و بشر شجر حجر
دھوئیگی داغ معصیت — پاگئی گر یہ سحر
عشق تلاش حسن مین — خاک بسر ہے دربدر
بزم سرور یار مین — غم کا بھلا کہان گذر
کشمکش فراق سے — ہے لب جان پہ الحذر
وصل کے بعد روح مین — کچھ بھی رہا نہ شور و شر
نور جمال یار پر — جم نہ سکی کوئی نظر
دیکھے جو انکو بے حجاب — کب ہے یہ طاقت بصر
جی کا نہو کہین زیان — راہ جنون ہے پرخطر
کہنے گئے تھے اپنے حال — کچھ بھی نہ کہہ سکے مگر
عشق سے درد کے سوا — دل کو نہ کچھ ملا مگر
کثرت اشک شوق سے — دامن جان ہے پرگہر

بے ہنری ہے عشق مین
حسرت زار کا ہنر

امواجِ تخیل

(از محمد مبین نازش۔ بدایونی)

دستِ نازک کے وہ چھینٹے وہ نہانا لبِ جو
ہائے وہ یار کا بیساختہ پن پانی میں

نیچی نیچی وہ نگاہیں وہ تبسم کی جھلک
سمٹنا اور چرانا وہ بدن پانی میں

کبھی بالوں کو جھٹکنا کبھی شانہ کرنا
دیکھنا عارضِ تاباں کی پھبن پانی میں

قدِ زیبا کی درازی پہ یہ پھبتی کہنی
کیا تماشا ہے کہ ہے سروِ چمن پانی میں

موج سے برقِ نظر کا وہ مقابل ہونا
مدعا یہ کہ سما جائے جلن پانی میں

دمِ نظارہ یہ گستاخ ہوا کوتاہ کید
نقش پر آب ہو عکسِ دہن پانی میں

پھینکنا رات کے ہاروں کو یہ کہکر اسکا
پھیل جائیگی ابھی بوئے سمن پانی میں

اگرمیٔ شوق بڑھانے کے لئے یہ کہنا
کیا بھلی لگتی ہے سورج کی کرن پانی میں

غسل کے وقت یہ گفتارِ غضب نازش سے
کہ ہمیں دیکھ نہ اے سوختہ تن پانی میں

گر یہ کیا تو نے اسی دن کو اٹھا رکھا تھا
دید کا نشہ نہ ہو جائے ہرن پانی میں

کوسنے منھ سے جو نکلے تو قیامت ہوگی
پر تو جسم کا مشتاق نہ بن پانی میں

گرد ہوں چشمِ سخن گو کے اشارے دمِ شوق
سرد ہو گرمیٔ سودائے سخن پانی میں

دامنِ دشت نہ ڈھانکے تری نعشِ عریاں
نہ ملے آبِ رواں کا بھی کفن پانی میں

محمد مبین نازش

علمی نوٹ اور خبریں

پنڈت پربھولال عاشق لکھنوی کی مثنوی پیک ابر مقبول عام ہو چکی ہے اب آپ نے کالیداس کی دوسری مشہور نظم رت سنگھار کا بھی حسین ہندی سال کے مختلف موسموں کا شاعرانہ بیان ہے موسم کی تصویر کے نام سے اردو میں ترجمہ کر ڈالا ہے، اردو میں اولوالعزم پبلشروں کی کمی ہے تاہم ہمکو امید ہے کہ اس دلپذیر نظم کی اشاعت کا جلد ہی انتظام ہو جاویگا۔ "رت سنگھار" کا اس سے پہلے بھی ایک اور ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے جو شاکر سیر بھی صاحب کے انتظام سے اکسیر سخن کے نام سے شایع ہوا ہے یہ ترجمہ دراصل حضرت سرور مرحوم کی طبع رسا کا نتیجہ تھا، عاشق صاحب نے ترجمہ میں اصل کا زیادہ خیال کیا ہے۔

۱۱ اگست کو ہندی کے مشہور و مقبول شاعر تلسی داس کی وفات کو پورے تین سو سال ہو گئے ملک کے تمام مشہور مقامات میں حامیان ہندی نے اس تقریب کو جس جوش عقیدت سے منایا ہے اس سے قدر دانان اردو بھی سبق لے سکتے ہیں، ہندی زبان کی اسوقت جو ترقی ہو رہی ہے وہ ہمارے لئے چراغ ہدایت کا کام دے سکتی ہے تلسی داس کی ذات پر تمام ملک کو فخر و مباہات کا موقعہ ہے، انکی شاعری تمام بہترین ادبی خصوصیات پر حاوی ہونے کے ساتھ معارف و حقایق کا بھی سرچشمہ تھی کیونکہ سوامی تلسی داس ایک نفس کش اور حقیقت شناس مذہبی رہنما تھے، عشق الٰہی میں سراپا شرابور رہتے تھے، بھگتی مارگ کے وہ بہت بڑے آچاریہ ہوئے ہیں، انکی تصانیف اسوقت بھی ہندوستان میں کروروں آدمیوں کی ورد زبان اور جزو ایمان ہیں، درحقیقت جو مقبولیت تلسی کرت رامائن کو ملک میں نصیب ہوئی ہے وہ بقول ایک انگریز عالم کے انگلستان میں انجیل مقدس کو بھی حاصل نہیں ہے۔ شاعرانہ حیثیت سے تلسی داس کا درجہ ہمیشہ ہندوستان کے ماضی و حال کے بہترین شعراء میں ہوگا۔ رامائن ہی کی وجہ سے بھاشا

کو ایک علمی زبان ہونے کا فخر نصیب ہوا ہے، رزم بزم، حسن و عشق، اخلاق و تمدن فرض تمام اصناف سخن پر تسلی واس کو یکساں قدرت ہے، انکی تشبیہات بالکل نئی اور انکی بندشیں مرغوب اور نرالی ہوتی ہیں پامال مضامین میں بھی انکی شاعرانہ جدت طرازیاں دیکھ کر ناظرین محو حیرت ہو جاتے ہیں آج تین سو سال گذرنے کے بعد بھی انکے لطیف نمونوں سے کروڑہا دلوں کو تسکین اور آتما ؤں کو نور باطن کی تلقین ہوتی ہے۔

سر جگدیش چندر بوس نے اپنی حیرت انگیز تحقیقاتوں سے یورپ کے سائنٹفک مرکزوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے، آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بعض کیمیاوی اشیاء کا اثر حیوانات کی طرح نباتات پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ نباتات میں بھی نشوونما کا وہی اصول ہے جو حیوانات میں ہے، آپ نے حال میں ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جو ذی حس ہونے کے لحاظ سے انکے ایجاد کردہ ایک دوسرے آلہ کو پر نمیلو گراف کا حریف ہے جسکے ذریعہ سے ایک تی کے دس لاکھویں حصے کے جزو بدن ہونے کا پتہ لگ جاتا ہے۔

سر جگدیش نے بعض اُن کیمیاوی اشیاء کے متعلق بھی تجربہ کیا ہے جنکے ایک جزو میں اگر ۱۰ کھرب حصہ پانی ملا لیا جائے تو طاقت باہمہ ۳ گنی بڑھ جائے، آپ اسی مضمون کے متعلق لکچر دینے کے لیے یورپ تشریف لیجا رہے ہیں

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں ملک کی مادری زبان میں اعلیٰ تعلیم دینے کا جو تجربہ کیا جا رہا ہے اور جسکی طرف تمام ہندوستان کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں اس اسکیم کی کامیابی کا انحصار زیادہ تر اُن تراجم کی خوبی پر ہے جو دیگر زبانوں سے مختلف علوم و فنون کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی غرض سے ایک باضابطہ سرکاری محکمہ کے تحت میں ہو رہی ہیں جسکا نام دارالترجمہ ہے، رجسٹرار جامعہ نے اس محکمہ کے متعلق ایک یادداشت شایع کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب تک کیا کام ہوا اور اس صیغہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئی ہیں اس محکمہ میں ایک ناظم تیرہ مترجمین اور دو مشیر ہیں اب تک یہ محکمہ تیس کتابیں شایع کر چکا ہے، چودہ کتابیں اسوقت زیر طبع ہیں پندرہ کی نظر ثانی ہو رہی ہے اور ۳۸ کتابوں کا ترجمہ ہو رہا ہے ہز اکزالٹڈ ہائنس اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ نے اس محکمے کے لیے آیندہ دس سال قایم رہنے کی منظوری عطا فرمائی ہے اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ شعبہ بہت ہی قابل تعریف کام کر رہا ہے اسکی اہمیت اس سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ وضع اصطلاحات کا کام بھی ہوتا جاتا ہے اور اسکے لیے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی کمیٹیاں بنا دی گئی ہیں اور اسوقت بہت سی اصطلاحات وضع بھی کر چکی ہیں۔

مراسلات

(ملکانہ راجپوتوں کی شدھی)

منشی پریم چند صاحب کے مضمون "ملکانہ راجپوت مسلمانوں کی شدھی" کو مین نے دو بار پڑھا ہے مین منشی پریم چند صاحب کا بحیثیت فسانہ نویس کے بہت بڑا مداح ہون۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ فسانہ نویس ہی نہین بلکہ حقیقت نویس بھی ہین۔ انھون نے اس زمانہ مین جبکہ تعصب نے ہمکو اندھا کر دیا ہے۔ غیر معمولی بے ریائی اور سچائی سے کام لیا ہے۔ مین اُنکے مضمون کو اُن اتحاد نما اپیلون پر ہزار درجہ ترجیح دیتا ہون، جنکے الفاظ کی تہ سے ریا کی بُو اور نفاق کی بساند آتی ہے۔ مجھے ہندو مسلمانون کے اِس اختلاف نزاع اور اختلاف کا بیحد صدمہ ہے۔ بلکہ اپنے مورکھ دیس کی طرف سے بالکل مایوسی ہو چلی تھی مگر منشی پریم چند صاحب کے مضمون نے میرے دل کو بہت کچھ ڈھارس دی۔ اگر کچھ اور لوگ اُنکے ہم خیال نکل آئین اور اسی اخلاقی جرأت سے کام لین تو پھر زیادہ نا امیدی کی وجہ نہین۔ اسمین شک نہین کہ اب بھی بہت سے لوگ منشی صاحب کے ہم خیال ہونگے۔ لیکن اسقدر کافی نہین۔ اخلاقی جرأت کی بھی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصلاح ایک دوسرے کو الزام دینے سے نہین ہوتی بلکہ الزام قبول کرنے سے ہوتی ہے۔

یہ ملک ہمیشہ نفاق کا شکار رہا ہے۔ اور اہل ملک اپنی کوتہ بینی کی وجہ سے بے حقیقت چیزون کے لئے لڑتے مرتے رہے۔ یا اغیار کے ہاتھون مین کٹھ پتلی بنے رہے۔ یہ لڑائی نہ مذہب کی ہے نہ سیاسیات کی۔ بلکہ دلون کا کھوٹ، نظر کی تنگی، خیالات کی پستی، اور تعصب وجہالت کی تاریکی ہے۔ تاریکی مین اکثر اپنون نے اپنون پر حملہ کیا ہے۔ اور تعصب کی تاریکی شب دیجور کے اندھیرے سے کہین زیادہ گہری ہوتی ہے۔ مجھے جب کسی نے شدھی اور ارتداد کا ذکر کیا تو مین نے ہمیشہ یہی جواب دیا: "کیا اتحاد سے بڑھکر بھی کوئی مذہب ہے"۔

بلندی مقام کی ہوا خیال کی، جب انسان وہان پہونچ جاتا ہے تو ادنیٰ اور حقیر چیزین جنھین نشیب مین ہم بہت اہم سمجھتے ہین، زیادہ حقیر بلکہ موہوم سی ہو جاتی ہین اور بلند اور ارفع چیزین زیادہ

نمایاں اور حسین نظر آنے لگتی ہیں۔ ابھی ہمارے ہم وطن اُس مقدس بلندی یعنی "اتحاد" تک نہیں پہونچے۔ دو سال پہلے محبت اور اُخوت کے غیر معمولی جوش نے، جو درحقیقت ایک رحمت تھی اور ایک پاک نفس ہستی کا اثر تھا، پرانے نفاق کو دبا دیا تھا۔ ہم نے اُسکی قدر نہ کی، وہ ذرا سی ٹھیس سے پھر اُبھر آیا۔ اور آج بھائی بھائی سے دست بگریبان ہے۔ مذہب درحقیقت حیلہ ہے، دلوں کے کھوٹ اور آپس کی بدگمانی کا۔ کاش یہ کوتہ نظر اُس مقدس بلندی پر پہونچ کر دیکھتے (جسکا نام اتحاد ہے) تو انھیں معلوم ہوجاتا کہ جن مقدس مذاہب کا نام لے لے کر وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں وہ ایک ہی بیج کے درخت اور ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔

منجملہ اور دھوکوں کے تعداد کا خیال بھی ایک دھوکا ہے۔ اگر تعداد ہی پر کامیابی کا انحصار ہوتا تو آج ہندوستان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ حشرات الارض سے بڑھکر کسکی تعداد ہوگی؟ تاہم دنیا میں اُنکا کیا درجہ ہے۔ ہم موجودہ حالت میں اُنسے بڑھکر کیا دعویٰ کرسکتے ہیں؟ منشی پریم چند صاحب نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر ہندوؤں نے بہت سرگرمی سے کام لیا تو چند سال میں چوبیس ۲۴ کروڑ سے سوا چوبیس کروڑ ہوجائینگے جب چوبیس کروڑ ہندوؤں نے اپنے کو سیاسی غلامی سے آزاد کرنے کے ناقابل پایا تو ۲۵ لاکھ کے اضافہ سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔ شاید زیادہ سے زیادہ اسکا یہ اثر ہوگا کہ ایک یا دو ممبر کونسل میں زیادہ ہوجائینگے۔ تو اتنے حقیر نتیجے کے لئے اسقدر شور و شغب کی کیوں ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ کیا اس تحریک کے حامیوں کو اتنا بھی نظر نہیں آتا کہ اس سے باہمی مغائرت بڑھتی جاتی ہے۔ اور ہم روز بروز سوراجیہ کی منزلِ مقصود سے دور ہوتے جاتے ہیں"! اگر ہندوستان کی یہی حالت رہی تو سوراج کا ملنا تو معلوم، ہم میں غلام بن کے رہنے کی بھی صلاحیت نہیں رہے گی۔ ×

کچھ عرصے سے پُرجوش اہل ملک کو یہ دعویٰ تھا کہ ہم اول ہندی ہیں۔ اور بعد میں ہندو یا مسلمان، میں یہ سُن سُن کر ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ اول انسان اور بعدہٗ ہندو یا مسلمان۔ پہلے ہم انسان تو بن لیں پھر اور کچھ دعویٰ کریں۔ یہ کیا انسانیت ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ اور ایک کا ہاتھ دوسرے کے گلے پر ہے؟ کیا آزادی اور سوراج حاصل کرنے کے یہی لچھن ہیں؟ یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ جسکا سب سے بڑا معین و مددگار تعصب ہے۔ ہمارے دائیں طرف جہالت ہے۔ اور بائیں طرف تعصب۔ اور ہم دونوں کے بیچ میں ذلت و خواری کی دلدل میں دھسے جارہے

ہین - اور جسقدر زیادہ جوش دکھاتے ہین اُسیقدر اور دھنستے جاتے ہین - ایک ایسے ہی موقع پر جبکہ اُسکے اہل مُلک مین اختلاف پیدا ہوگیا تھا - پولستان (پولینڈ) کے سچے محب وطن شاعر (مِس کیاوچ) نے جو کچھ لکھا تھا وہ بالکل ہم پر صادق آتا ہے -

"یہ ویران، سفید، وسیع کھلا مُلک مثل ایک سادے کاغذ کے ہے، جسپر ابھی کچھ لکھنا باقی ہے - کیا خدا کی اُنگلی اسپر کچھ لکھیگی اور اپنی نشانیون کے لئے وہ نیک نیّت آدمیون کو کام مین لائیگا؟ کیا وہ اسپر یہ مُقدس صداقت رقم کریگا کہ انسانی خاندان پر محبّت کی حکومت ہوگی - اور دنیا کی کامیابیان ایثار یا قربانی مین ہین؟ یا بجاے اسکے خدا کا پُرانا دشمن نازل ہوگا - اور اپنی تلوار سے یہ نقش کریگا کہ بنی نوع انسان زنجیرون مین جکڑے رہین - اور انسان کی کامیابیان تازیانے مین ہین"

لیکن افسوس کہ ہم اپنے ملک کو سادے کاغذ سے بھی تشبیہ نہین دے سکتے - کیونکہ اسپر جہالت، تعصب، ناعاقبت اندیشی، اور بزدلی کے نقش نظر آتے ہین - ہمین اوّل یہ مٹانے ہونگے اور بجاے اُنکے لسان الغیب کا یہ شعر کندہ کرنا پڑیگا -

نہالِ دشمنی برکن کہ رنج بیشمار آرد درختِ دوستی بنشان کہ کام دل بیار آرد

اسوقت ہماری حالت حشرات الارض سے بڑھکر نہین ہے - جس طرح ہم حشرات الارض سے ترقی کرتے کرتے انسانی رُتبہ کو پہونچے کیا ہمین اب انسانیت حاصل کرنے کے لئے پھر وہی تمام مرحلے طے کرنے ہونگے؟ کیا یہ انسانیت ہے کہ ہم اتنے وسیع تر اعظم مین بھی صلح و آشتی سے نہین رہ سکتے - جبکہ ہم مین سے کوئی بھی فاتح نہین، بلکہ دونون مفتوح، دونون مغلوب، دونون محکوم اور دونون غلام ہین - اور غضب یہ ہے کہ صلح و آشتی کی جتنی کوششین کی گئین وہ سب ایک معمولی سے وہم کے نذر ہوگئین، محبت و اتحاد کے لئے جتنے جتن کئے گئے وہ سب خاک مین مل گئے - اور ہم پھر اصلی رنگ مین نظر آنے لگے - مولانا حالی مرحوم نے کچھ عرصہ پہلے اپنے بدنصیب ملک کی حالت دیکھکر جو چند شعر کہے تھے اور جو ہماری حالت کا صحیح مرقع ہے وہ اب بھی ہم پر ویسے ہی صادق آتے ہین -

فسادِ مذہب نے جو ہین ڈالے نہین وہ تا حشر مٹنے والے یہ جنگ وہ ہے جو صلح مین بھی یونہین ٹھنی کی ٹھنی رہے گی
صفائیان ہو رہی ہین جتنی، دل اُتنے ہی ہو رہے ہین میلے اندھیرا چھا جائیگا جہان مین، اگر یہی روشنی رہے گی

اگرچہ موجودہ حالت نہایت شرمناک اور مایوس کُن ہے، لیکن اگر منشی پریم چند صاحب کی طرح

چند ایسے صاحب کھڑے ہوجائین جو سچے اور بے لاگ ہین اور وہ نفسانیت اور تعصب کو بیرون کے تلے کچل ڈالین اور گذشتہ واقعات کو بھلا دین۔ اور گمراہ اور گمراہ کن لیڈرون کے کھوٹ کھول کر دکھائین اور انھین انکے افعال پر خبردار کرائین تو یہی مایوسی امید سے بدل جائے گی۔ اور ویسے ہی محبت اور دوستی کی لہرین دلون مین اُٹھنے لگین گی۔ اتحاد، تمام کامیابیون کی کنجی ہے۔ ایک ہونا ہی نیک ہونا ہے۔ ایک حال کے فلسفی کا قول ہے کہ "انسان تنہا محض انسان ہے۔ لیکن انسان، انسان کے اتحاد سے، یعنی میرے تیرے ملنے سے خدا ہے"

عبدالحق

مادۂ کہن

رُباعی حضرت دبیر مرحوم مغفور

ہم چشم بہت کم آشنا ہوتے ہین — کب مردم دیدہ ایک جا ہوتے ہین
یہ مجمع احباب غنیمت ہے دبیر — اک بات مین دونون لب جدا ہوتے ہین

رُباعیات حضرت اوج مرحوم

بے برگ و نوا ساتھ ہے پیچھے پیچھے — مشتاق لقا ساتھ ہے پیچھے پیچھے
اے عمر رواں اپنی سواری ٹھیرا — اک آبلہ پا ہے ساتھ پیچھے پیچھے

سرشار عبث ہے خواب غفلت کے لیے — کھو آج کی نیند کل کی راحت کے لیے
ہین موے سفید مین جو کچھ موے سیاہ — گنتی کی یہ راتین ہین عبادت کے لیے

تمہید فراق جسم و جان ہے پیری — تقریب وصال رفتگان ہے پیری
گزری شب عشرت جوانی اے اوج — بجھتی ہوئی شمع کا دھوان ہے پیری

زمانہ

جلد ۴۱ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء نمبر ۳

ہندو سنگٹھن

یہ امر نہایت حیرت انگیز ہے کہ اس زمانہ مین "ہندو سنگٹھن" کے متعلق بعض مسلمان برادران وطن کے طرف سے عجیب طرح سے بدگمانی ہے - ایک گھر کے افراد ایک محلہ کے جملہ اشخاص - ایک برادری کے سب ممبران - ایک بستی اور ملک کے جملہ اشخاص بالاتفاق رہین - باہم اِنمین میل جول ہو - رابطہ و اتحاد ہو - دُکھ سکھ مین کام آئین - تو کیا یہ ایسی بات ہے کہ پردیسیون اور سرحدی اشخاص کو ناگوار ہو - کہا جاتا ہے کہ پھوٹ ڈالو - اور حکومت کرو - کیا مسلمان بھائی یہ چاہتے ہین کہ ہندو آپسمین لڑتے رہین - اور اُنکو (خدانخواستہ) اسکا موقع ملے کہ وہ حقیر مذہبی فتوحات حاصل کرتے رہین - ہم خوب جانتے ہین کہ اس قسم کا رکیک خیال کسی سمجھدار مسلمان کے دل مین ہرگز نہین ہے - اگر بقول بعض مسلمان حضرات کے کہ ہمارا سنگٹھن تیرہ سو سال سے ہے - ہمکو اس سنگٹھن سے گھبرانا نہ چاہیے، تو ہمکو اسکے جواب مین اس کے خیر مقدم کے ساتھ یہ کہنا چاہیے کہ ہندوؤن اور ہندو مذہب کا پیام اخلاص و پریم (محبّت) ہزارون برس سے ہے - اور وہ ہر انسان کے لئے نہین بلکہ ہر ذی روح کے لئے ہے - ہمارے دعوی کے لئے ہماری تاریخ جہان تک آپ کو ملتی ہے کافی ثبوت ہے - اور ہم ان دونون سنگٹھنون کو دونون قومون کے لئے قابل مبارکباد خیال کرتے ہین -

ہندوؤن کا باہمی اتحاد و یگانگت نہ صرف ہندو قوم کے تقویت کا باعث ہے - بلکہ دیگر برادرانِ

وطن مسلمان، عیسائی، پارسی وغیرہ سب کے لئے باعث ترقی و تقویت ہے۔ ہم سب کا ایک وطن ہے۔ ہم سب ہندوستان کے خادم ہین۔ جس طرح ایک اعلیٰ سلطنت مین مختلف ڈویژن افواج کے ہوتے ہین اور ہر ہر ڈویژن مین مختلف پلٹنین ہوتی ہین۔ کیا ان پلٹنون کے سپاہیون کا باہم یا ان مختلف ڈویژنون کا باہم لڑنا جھگڑنا اس اعلیٰ سلطنت کے تقویت کا باعث ہوگا، یا کمزوری کا موجب۔

اگر ہندو قوم متحد ہو۔ اگر مسلمانون کے سب فرقے متحد ہون تو کیا کہنا! تمام وطنی و ملکی مسائل مین جلد تر کامیابی ہوسکتی ہے۔ آج اسیکا کال ہے، اور اسیوجہ سے ہمارا سب کا یہ حال ہو رہا ہے۔

آج اگر اہل سُنّت وجماعت۔ اہل تشیع۔ خارجی۔ اسمٰعیلی۔ داؤدی۔ وہابی۔ میمن۔ بہورہ۔ ایک سطح پر پوری قوت کے ساتھ ہوتے تو خلافت و دیگر مسائل مین مسلمانون کو اسقدر زحمت اُٹھانی نہ پڑتی۔ پچھلے دس سال مین جو تجربہ ہوا ہے کیا اسکو مسلمان محسوس نہین کرتے ہین کہ مسائل خلافت سے جو دلچسپی ایک اہل سُنّت وجماعت کو رہی، دوسرے فرقہ ہائے اسلام کو نہین ہے، اور اسوجہ سے کس درجہ یہ تحریک کمزور رہی، اور خود اب بھی عرب و ترک مین جو اختلافات ہین۔ شاہ حجاز و سلطان سابق و روس کے ہم نوا خود ہندوستان کے بعض حضرات (جو اہل قریش کو ہی خلافت کا مستحق سمجھتے ہین) جس طرح اس تحریک کو کمزور کئے ہوئے ہین۔ کیا اسکے اثرات معمولی ہین؟ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر متحدہ ہندوستان کی تمنا ہے تو ان شکی و ضمنی تفریق کو مٹا دینا ہوگا۔ اگر دنیا کے مسلمان ایک ہوجائین، اور ہندو اور مسلمان ایک نہون، تو سوراج کا ملنا معلوم۔

اگر دنیا بھر کے ہندو ایک ہوجائین، اور مسلمان ہی نہین، بلکہ عیسائی، پارسی، یا ان مین سے کوئی الگ رہے، تو اطمینان و سوراج کا خیال محض خام خیالی ہے۔

ہندوستان ایک نہایت وسیع ملک ہے جسمین مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہین مختلف آب و ہوا کے مختلف ممالک ہین۔ اسمین مختلف معاشرت و تمدن کے نمونے ہین۔ درحقیقت یہ ایک نمائش گاہ عالم ہے۔ اور جب سے اسکا دنیا کو علم ہوا ہے، دنیا کی مختلف قومون نے اسکی طرف توجہ کی ہے، اور ہر ایک کو یہی فکر رہی ہے کہ یہ زرخیز خطہ جو دنیا مین یکتا و بے مثل ہے، اُسکے ہاتھ آجائے۔ مگر ہندوستان کی فطرت مین ایک ایسی چیز بھی خدا نے دے رکھی ہے کہ جہان آیا اُسکا ہوگیا۔ مسلمان اپنے عرب و عجم کو قریب قریب بھول گئے۔ پارسیون کا اب بھی یہی ماوا و ملجا ہے۔ انگریز اسی سے دنیا بھر مین سرخرو ہین۔ رُوس کے زار

اسکی تمنا مین وصیت کرکر کے مرگئے - یہی حال نپولین کا ہوا - سکندر کو اسکی تمنا کہان سے کہان کھینچ لائی - بہرحال جسکے پاس یہ سونے کی چڑیا ہے، وہ چھوڑنا نہین چاہتے - اور جس قوم کے دسترس سے یہ باہر ہے اُسکو اِسکی آرزو ضرور ہے -

دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہین ہے جسمین اس کثرت سے مختلف ادیان وملل کے لوگ آباد ہون - دنیا مین کوئی ملک نہین ہے جسمین ہندوستان کے ایسی مختلف خصوصیات جمع ہوگئی ہون - جب صورت حال یہ ہے - تب یہی لازم ہے کہ سب متحد ومتفق رہین - اور مختلف آب وہوا کے، مختلف ممالک کے باوجود ایک ہندوستان کہلانے کا مستحق ہے - یہ بھی ضرور ہے کہ مختلف معاشرت و مذہب کے لوگ آباد ہون - وہ ایک قوم بھی کہلائین - اسکی فکر مین مبتلا نہو جائیے کہ یہان ایک زبان ایک مذہب نہین - ایک معاشرت نہین - لہذا مثل امریکہ - جاپان یا یوروپ قومیت کا خیال ترقی نہین کرسکتا - ہندوستان باوجود ان اختلافات وگوناگون پیچیدگیون کے بھی ایک خصوصیت رکھتا ہے کہ یہان لوگ اہل محبت ہین اور باہم محبت رکھتے ہین - یہی رشتۂ محبت مدراسی - بنگالی - گجراتی - ہندوستانی - ہندو مسلمان - پارسی - سکھ - جین - عیسائی وغیرہ سب کو متحد ومستحکم کرنے کے لئے کافی ہے - اور یہی اُسکے دنیا بھر مین اُستاد وگرو ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے - تمام مخالفت کے باوجود وہ متحد ہوسکتا ہے - یہ اعجاز نہین بلکہ ایک قدرتی کرشمہ ہے - انسان کا مادّی جسم مختلف عناصر متضاد کے اعتدال کی وجہ سے پرورش پاتا ہے - اور روح کو فنا نہین ہونے دیتا - اسی طرح قومیت ومحبت فنا نہین ہوسکتی - بہرحال جس طرح کسی نمائش گاہ کی تیاری وانتظام مین بڑی جانکاہی ومحنت سے ہر چیز مہیا کیجاسکتی ہے - اور موزون جگہ پر خوبصورتی سے رکھی جاسکتی ہے - اُسی طرح ان مختلف معاشرت و مذہب کے مختلف افراد کو پُرامن طریقہ سے بسر کرنے کی عادت پڑنے کے لئے ایک زمانہ چاہیے - اور محنت ومحبت شرط ہے - بڑی تربیت اور نہایت درجہ رواداری ووسیع الخیالی کی ضرورت ہو صرف اسیقدر نہین بلکہ ایک حد تک تزکیۂ نفس کی ضرورت ہوگی - "خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم" کے مسلک پر عمل کرنا ہوگا -

اچھوت فرقہ جو ہندوستانی قومیت سے جدا جا پڑا ہے اُسکو متحدہ قومیت مین شامل کرنے کے لئے کانگرس نے اُسکی دستگیری کا بیڑا اُٹھایا - جب تک مختلف نالیون سے مختلف اطراف مین پانی

بنتا رہیگا اُسوقت تک اُسکو دریا کا درجہ نہین حاصل ہوسکتا - اُنکو پہلے نالہ - پھر ندی اور پھر دریا کے بہاؤ پر لگانا ہوگا - اسی کا نام سنگٹھن ہے -

ہندوؤن کی مختلف جاتیان باہم دیگر بیگانہ ہین - اسکی وجہ سے نہ صرف مذہبی مضرت پہونچ رہی ہے بلکہ بچہ بہ مبتلا رہا ہے کہ اسوقت تک قومی وملکی کو سخت ضرر پہونچ چکا ہے - کون شاطر سیاسیات وحقیقت آگاہ اس سے بیخبر ہے کہ مدراس و دکن کے دیگر حصص مین برہمن وغیر برہمن اختلافات نے کس درجہ موجودہ سیاسیات کو نقصان پہونچایا ہے - شیعہ - سُنّی - وہابی - اہل حدیث - مرزائی وصوفیائے کرام کے اختلافات نے نہ صرف مسلمانون کو مذہبی حیثیت سے نقصان پہونچایا ہے - بلکہ مسلمان سلطنتون کو تباہی مین پھنسا دیا ہے - شیعہ سُنّی کا تاریخی جھگڑا اب بھی کبھی کبھی رنگ لاتا ہے - وہابی بھوپال اور دیگر مسلمانون مین اب بھی نوک جھوک ہوجاتی ہے - ایسی حالت مین کیا خاک ترقی ہوسکتی ہے -

اگر تمام مسلمان فرقون کو اور تمام دنیا کے مسلمانون کو کوئی ایک متحدہ چٹان پر لانا چاہے تو وہ مسلمانون پر بہت بڑا احسان کریگا - اور اسلام کی یہ ایک اعلیٰ خدمت ہوگی - اسمین کسی ہندو یا عیسائی کو بگڑنے کی کوئی وجہ نہین ہے - اسی طرح اگر تمام ہندوؤن کو کوئی شخص ایک اسٹیج پر لاکھڑا کرے تو کسی مسلمان یا عیسائی کو برہم ہونے کا کوئی استحقاق نہین ہے - تاوقتیکہ یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ ان حضرات معترضین کا منشا یہ ہے کہ مسلمان وہندو آپس مین لڑتے رہین - ایسے تنگ ظرف لوگون سے ہم کو بحث نہین ہے - ہم تو اس سے بھی ناراض نہین ہین نہ ناراض ہونے کا حق رکھتے ہین - جو مسلمان یہ کوشش کرتے ہین کہ افریقہ - چین - عرب وعجم وغیرہ مقامات کے مسلمان ایک ہوجائین اُنکے مذہبی خدمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ باہم ارتباط پیدا کرین - کیونکہ اپنے مقدس مقامات سے فطرتی طور پر وہ محبت کرنے کا حق رکھتے ہین - البتہ یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ہندوستان کو بھی اپنا مستقل وطن سمجھین جو اُنکے مذہبی اغراض کے مخالف نہین ہوسکتا - بلکہ زیادہ موافق ومفید ہے -

کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہندو اپنے دیش اور اپنے برادرانِ مذہب سے خلوص وارتباط بڑھائین تو اُس سے بدگمانی کیجائے - کیا حق ہے آپ کو جو آپ یہ کہین کہ آریہ کے عقائد سناتن دھرم ہندوؤن سے الگ ہین - کیا منصب ہے آپ کو کہ آپ سمارتھ وویشنو کے مباحث مین حصہ لین - کیا ایک ہندو اگر یہ کہے کہ شیعہ اپنے عقائد مین دیگر مسلمانون کو کیا سمجھتے ہین اور اُنکے بزرگون کو کس شان سے یاد کرتے ہین

یا یہ کہ وہ اپنے سوا دوسروں کو ناجی نہیں سمجھتے - یا قادیانی حضرات کے متعلق فتوی کفر تک بعض جماعت کے علماء نے دیا ہے، یا باہم مسلمان یہ یا اسدرجہ اختلافات شدید ہیں تو کیا وہ شدید دنظر سے دیکھا جائیگا - ہرگز نہیں - ایسے شخص کے متعلق ایک ہی رائے ہے کہ وہ مسلمانوں کا بدخواہ ہے - ہم کہینگے کہ ایسے افراد ہندو یا مسلمانوں کے نہ صرف بدخواہ ہیں - بلکہ وہ وطن کے ایسے دشمن ہیں جو کسی بڑی قوت سے بہت زیادہ قابل تدارک ہیں -

جب دیش بھوشن پنڈت مدن موہن مالوی جی نے گیا میں ہندو سبھا کے صدر کی حیثیت سے ہندو سنگھٹن پر زور دیا تو بعض اسلامی جرائد چراغ پا ہو گئے - ہم نے اس تقریر کو بہت غور سے پڑھا ہے اور اچھی طرح سمجھا ہے - ہم نے اُس حالت و کیفیت کو بھی محسوس کیا ہے جو اس جلسہ کے شرکاء کی تھی - اور جسکی تعداد دس ہزار سے کم نہو گی - معلوم ہوتا تھا کہ ایک غیر معمولی پاک مستی ہے - وجذبات پاکیزہ کا اظہار کر رہی ہے - تقریر کے ایک ایک لفظ سے پاکیزگی اور اخلاص کا دریا بہہ رہا تھا و اکثر و بیشتر حضرات زار و قطار رو رہے تھے - اور باقی سسکنے کی حالت میں بیخود سے تھے - وہ ایک قوم کا دُکھڑا تھا جسکی وہ مجلس عزا تھی - جو شخص پنڈت جی کے اُن خیالات سے اختلاف کرتا ہے وہ نہ صرف ہندو قوم کا بدخواہ ہے بلکہ وہ وطن کیلئے بھی باعث ننگ ہے - پنڈت جی کا ایک ایک لفظ اخلاص و درد سے بھرا ہوا تھا - اور فی الواقع ہندوؤں کے لیے جو ہدایت اُنھوں نے کی ہے اُسکے سوا اور کوئی ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا - صداقت اور اقتضاء وقت کے لحاظ سے اُنھوں نے ایک اعلیٰ رہنما کا فرض ادا کیا جو اُنکے ہر طرح شایانِ شان تھا - اُس میں نہ صرف مسلمانوں سے محبت و خلوص کی ہدایت تھی - بلکہ ہر قسم کے برادرانِ وطن سے اتفاق و اخلاص سے برتنے کی تنبیہ تھی - مگر بغیر اُس تقریر کے سُنے یا پڑھے یہ خیال کر لینا کہ ہندو آپس میں اتفاق کر رہے ہیں - اور اکھاڑے قائم کر رہے ہیں - اور یہ بہت بُرا ہے - اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ہو رہا ہے - بے انتہا ناانصافی و ناحق کوشی ہے - ہندوستان بھر میں بعد مسٹر تلک و مہاتما گاندھی کے دیش بھوشن پنڈت مالوی جی سے زیادہ نہ کسی نے ملک کی خدمت کی - نہ اثر پیدا کیا ہے - اور آج بھی بلا خوف تردید یہی کہا جا سکتا ہے - کہ اُنکا اثر ایسا ہی ہے - ۲۲ کروڑ ہندو اور حقیقت شناس مسلمانوں کے دلوں سے پوچھنے کی ضرورت ہے - مگر اسکو تعصب و بدگمانی کی عینک نکالکر حقیقت کی روشنی میں . . . . . دیکھنے کی ضرورت ہے - مہاتما گاندھی اُنکو اپنا بڑا بھائی محض اخلاق سے نہیں سمجھتے - بلکہ وہ اوصاف کی وجہ سے مانتے ہیں - ہمکو معلوم ہے

کہ پنڈت مالوی جی سے ایک جماعت مسلمانون کی خوش نہین ہے - اور اُنکا صرف یہی قصور ہے کہ وہ ہندوؤن کی سچی خیر خواہی کرتے ہین - یا خدا لگتی بات کرتے ہین - لیکن آمین اُنکا کیا قصور ہے -

ہندوؤن کے عام لیڈرون نے بسا اوقات اپنے روشن خیالی کے بہرے مین ہندوستانی قومیت کے نکتہ خیال سے دھوکہ کھایا ہے - اور ہندوؤن کی حق تلفی و مظلومیت کو نظر انداز کر دیا ہے - اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اُنکا وقار نہ ہندوؤن مین قائم رہا نہ مسلمانون مین مستقل عزت نصیب ہوئی - مثلاً ملیبار - ملتان - امرت سر کے واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی یا یہ فہمائش کی کہ بھول جاؤ - گورنمنٹ بھی تو یہی کہتی ہے کہ پچھلی باتون کو بھول جاؤ - پنجاب و جلیان والہ باغ کا معاملہ رفت و گذشت ہوگیا - اب کیا اُسکے پیچھے پڑے ہو - کیا اس طریقہ سے حقیقت پر پردہ ڈالنے سے مظلومون کی تشفی ہوسکتی ہے یا زخمون کا اندمال ہوسکتا ہے - اور اس سے اصلی محبت پیدا ہوسکتی ہے - اسکی ضرورت تھی کہ اُسکی تلافی بدرجۂ احسن کیجاتی اور آئندہ کے لئے مؤثر انسدادی تدابیر ہندو مسلم لیڈران اختیار فرماتے - اس لاپروائی کی وجہ سے آجکل روزمرہ اس قسم کے چھوٹے بڑے جھگڑے ہو رہے ہین - اور سچ یہ ہے کہ اکثر ذمہ دار اشخاص واقعات کو معلوم کرنے کی کوشش ہی نہین کرتے اُنھین معلوم کرنا چاہیے کہ جہان ہندو مقتدر ہین - وہان مسلمان کا کیا حال ہے اور جہان مسلمان مقتدر ہین - وہان ہندوؤن کی کیا گت ہے - اس طرح سے بیخبری قومیت کو سخت ضرر پہونچا رہی ہے اور کوئی متحدہ عام تحریک صحیح معنی مین باہمی رنجش کی وجہ سے بھی ترقی پذیر نہین ہوتی بجالت ناگزیر ہمنے ان واقعات کو تفصیلاً بتلایا ہے - مقصود صرف یہ ہے کہ ہر ظلم کی قابل اطمینان تلافی ہونی چاہیئے - اُسپر پردہ ڈالنا یا اُس سے سہل انگاری اس خیال سے کہ آئندہ اتحاد و ارتباط بڑھ جائیگا - درحقیقت فریب و زخم پر نمک پاشی ہے - غلطی کسی سے نہین ہوتی - اور یہ بھی ضرور نہین ہے کہ قوم کے جملہ افراد نہایت درجہ اعلیٰ اخلاق کے ہون یا انمین کوتاہیان نہون - لیکن جب کوئی واقعہ نزاکت قومیت کا رنگ اختیار کرے تو ضرور ہے کہ اُسکو حقیقت و انصاف کی نظر سے جانچنا چاہیئے اور انسداد کی مؤثر تدابیر اختیار کرنی چاہیئے - بے پروائی سے دونمین کدورت بڑھتی ہے -

اے برادران وطن - اے حق والے شیدایان دین و دھرم - آپ اپنے پیارے دین و دھرم کے اصلی اصول کے مدنظر اپنے وطن کے مختلف جماعتونکو خواہ وہ ہندوؤنمین ہون یا مسلمانون مین - وہ سکھ ہون یا پارسی وہ جین ہون یا عیسائی متحد ہونے دیجئے - اُن کے اتفاق سے دین و دھرم کے اُصول کی زیادہ پابندی ہوگی اور اس ہم ... ایک متحد ہندوستان کو دیکھ سکینگے جسکا خواب کچھ عرصہ سے دیکھ رہے ہین - اِن چھوٹی چھوٹی

کردیوں کو ملجانے دو۔ تاکہ ایک قوی و قومی زنجیرہ تیار ہو جائے۔ اسکی تکمیل کے لئے تکلیف کشی۔ ایثار۔ قربانی و رواداری کے ارفع و اعلیٰ اصول کی پیروی کرنی ہوگی۔ ورنہ یاد رہے کہ متحدہ ہندوستان کا خواب۔ خیال ست و محال ست و جنون۔

چودھری

سلطان سپلکی اور علی قلی خان

سپلکی ایک موضع قندہار کے قریب ہے۔ سلطان کا نام اصلی تذکرہ مین نہین بیان ہوا مگر شاعری سے بہت مناسبت تھی اور تخلص بھی سلطان ہی تھا۔ مشہور شاعر علی قلی خان کا تخلص بھی سلطان تھا جب اُنکی رسائی سلطان سپلکی کے دربار مین ہوئی تو اُنھون نے ایک قصیدہ مدحیہ پیش کیا۔ سلطان نے ہزار روپیہ و خلعت گرانبہا دیا مگر ساتھ ہی یہ خواہش ظاہر کی اور کہا کہ اس تخلص کو تم میرے واسطے چھوڑ دو۔ مگر علیقلی خان نے اس خواہش کی منظوری سے انکار کیا اور صلہ واپس کر دیا اور کہا کہ سلطان محمد میرے باپ کا نام ہے کیونکر اسکو چھوڑ دون۔ اور آپ سے پیشتر کا میرا تخلص سلطان ہی۔ اور شہرت نامہ حاصل کر چکا ہے۔ سلطان سپلکی کو یہ جواب ناگوار گذرا اور کہا کہ اگر تم یہ تخلص نہ چھوڑو گے تو تم کو ہاتھی کے پانون کے نیچے کچلوا دونگا۔ چنانچہ ہاتھی آبھی گیا۔ علی قلی خان نے کہا کہ اس نے بڑھ کے اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ مجھکو شہادت نصیب ہو۔ جب یہ نازک حالت پیدا ہوئی تو مولانا علاؤالدین لاری (استاد سلطان) نے کہا کہ علیقلی خان مولوی جامی کی غزل کا جواب فی البدیہہ کہسکین تو اُنکی ہلاکت سے درگذر کرنا چاہیے۔ مولانا جامی کا دیوان کھولا گیا تو یہ غزل نکلی۔

دل خستہ را رقم صنع آلہی دانست بر سادہ رخان حجت شاہی دانست

علی قلی خان نے فوراً اس غزل کا جواب لکھا جسکا مطلع یہ ہے۔

ہر کہ دل را صدف سر آلہی دانست قیمت گوہر خود را بہ کماہی دانست

خان (سلطان سپلکی) بہت خوش ہوا۔ اور حد درجہ تعریف کی اور صلہ دوچند مرحمت کیا اور باعزاز تمام رخصت کیا۔

رسید بود بلائے ولے بخیر گذشت

ہندوستانیونکی باطنی یگانگت

زمانہ کے مئی و جون ۱۹۲۳ء کے نمبرون مین منشی پریم چند صاحب اور پنڈت سرپرام صاحب شرما۔ ایم۔ اے کے ترویدی و تائیدی مضامین متعلقہ سندھی نظر سے گذرے طبیعت نے ابھارا کہ اس موقعہ پر اظہار خیالات کی ضرورت ہے۔ اور فکر ہی مین تھا کہ مضمون عنوان بالا نظر سے گذرا۔ پس بجائے جدت کے اسی مضمون کی تجدید بصورت ترجمہ زیادہ موزون معلوم ہوئی۔

"مس ایگریٹ نوبل" (شرافت کا خوشنما پھول) اُن شریف ہستیون مین ایک ہے جس نے انگلستان ہی کو نہیں مادرِ ہند کو اپنی تبنیت سے سرفراز کیا۔ جسنے ہندوستان کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو ایک تاگے مین پرونے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہوئے اپنی زندگی کے آخری ۱۴-۱۵ سال (۱۸۹۵-۱۹۰۸) مین نویدتا (निवेदिता) کے نام سے اپنے ہندوستانی بھائیون پر قربان کئے۔ جسنے اپنا مذہب۔ اپنی قومیت۔ رسم و رواج اور یوروپ کے بھڑکیلے فیشن پر لات مار کر ایک ہندو برہمچارنی بنکر اپنی زندگی اپنی ہندوستانی بہنون کے درمیان رہ کر سادگی کے ساتھ گذاری۔ سوامی رام کرشن ودیکانند شن کی عبادت جن ستونون سے استوار ہوئی انمین ایک یہ قابلِ تعظیم خاتون بھی ہے۔ محترمہ موصوف نے اپنی غائر نگاہون سے ہندوستان کی حالت کا معائنہ کرکے آج سے ۱۶-۱۷ سال پہلے ۱۲-۱۳ سال کے تجربہ سے جو نتیجہ اخذ کیا تھا اُسے اُسنے عنوانِ بالا سے ہندوستان ریویو مین شائع کیا تھا جسکا ترجمہ ناظرین زمانہ کے لئے خالی از دلچسپی نہوگا۔

بجائے تردیدی یا تائیدی معرکہ آرائی کے اس قسم کے خیالات کی اشاعت سے قومی اتحاد و اتفاق مین بہت کچھ بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے۔ نیازمند۔ پربھودیال مصر۔ عاشق لکھنوی۔

"ہندوستان جغرافی نکتہ نگاہ سے چونکہ سمندرون اور پہاڑون سے گھرا ہوا ہے اسلئے یقینی طور پر واحد ہے، اور اُسے ایک نام سے نامزد کرنا ناموزون نہین ہے، اُسکی تہذیب کی علامتین جو اس ملک یا برّاعظم مین عام طور سے پائی جاتی ہین - پردۂ دنیا کے دوسرے خطّون سے اُسے جداگانہ ظاہر کر رہی ہین جنکی وجہ سے - انسانیت طبعی میلان - اور قوت متخیلہ کے اظہار کی تواریخ مین اُسے ایک نام سے نامزد کرنے کو جائز قرار دیتی ہین" ولسنٹ اسمتھ -

---

"ہندوستان مین طبعی میلان کے اختلاف کا فرق گو سطحی طور پر نظر آتا ہے - تاہم اندرونی حالت زندگی کی باطنی موافقت کی وہ بنیاد جس سے اختلاف کا پتہ لگایا جا سکے، ہمالیہ سے راس کماری تک اکثر نظر نہین آتی - ہندوستانیون کی یگانگت کسی حالت مین بھی اُن نکتون پر جو دنیا کے دوسرے ملکون مین عام ہین محدود نہین ہے - اُسکے سارے کے سارے اور لامحدود اختلافات ایک ایسے تاگے مین پروئے ہوئے ہین جسمین ہندوستانیت کے رنگ کی جھلک دکھائی دیتی ہے - ہندوستان کی آبادی کے مختلف حصّون مین - جلاپا - بدظنی - مخالفت - جن جن وجوہ سے پھیل رہے ہین اُنکی تہ تک نہ پہونچنا ہماری کمزوری ہے - لیکن جب کبھی کسی کام مین ہندوستانی متفق ہوتے ہین تو اُنھین معلوم ہو جاتا ہے کہ اُنکے خیالات ہزار یکسان نہون مگر اُنمین موافقت ضرور ہے - مشرقی ممالک مین اختلاف کی علامتین نمایان نظر آتی ہین اور اُنکی اصلیت جو مختلف نامون اور ضابطون مین محدود ہے صرف ذرا سی کوشش سے ہٹائی جا سکتی ہے - یہ نکتہ اُن یوروپین حضرات (مثلاً ولسنٹ اسمتھ صاحب) سے بھی پوشیدہ نہین اُسکا جنکو ہندوستان جدید کا اندرونی اور عملی علم ہے -

---

انسانیت کی اندرونی و بیرونی یگانگت مین انسانون کی تہ بہ تہ جاوٹ ہے جو اسقدر دلچسپ ہے جسقدر کہ تلچھٹ کے چٹانون کے ساخت کی کہانی - جو باوجودیکہ پوری پوری دلچسپ ہوتی ہوئی بھی اتنک صاف طور پر اطمینان بخش ثابت نہین ہوئی - قوم پر قوم - تہذیب پر تہذیب - زمانہ پر زمانہ - ایک مقام سے دوسرے مقام پر آباد ہونے کے بہتے ہوئے سیلاب - ایک دوسرے کو ملانے کی ہمیشہ کوشش کرتے ہے - مگر آخرکار خود ہی پریشانی کا شکار ہوئے - ایک لہر پر دوسری لہر کی

نشوونما سے خیالات واطوار کے طریقہ مقامی فطرت کی وجہ سے آپسمین ملکر ایک ہوگئے مصر قدیم کے بعد قبل اسکے کہ اس شاندار انسانی خلا ملا کا دلمین ظہور ہوا کتنے عرصہ تک اُسکے عناصر کی تواریخ کی کتاب ترتیب پاتی رہی ہوگی۔ حتیٰ کہ اوسکے ہم عصر۔ اہالیان۔ پولینڈ۔ کریٹ۔ بابل۔ نے مصر قدیم کی ایک مخصوص انسانی نسل کے نام سے شناخت کیا۔ کیا کبھی یہ خیال مین بھی آیا تھا کہ ہمارے زمانہ مین ہی جدید امریکہ کی ہستی عالم وجود مین آئیگی جسکے موجد باوجودیکہ قوم۔ نسل۔ جماعت مین اختلاف رکھتے ہوئے بھی بعض بعض رواجون کی وجہ سے اپنے ہم عصر۔ اہالیان۔ انگلستان۔ روس۔ اطالیہ سے جن نسلون سے ہی وہ پیدا ہوئے ہین گوئے سبقت لیجا دینگے۔

انسانی اتحاد کے تمام معجزہ مقام کی برکت کا باعث ہین۔ انسان اپنا آغاز صرف مکان بنانے سے کرتا ہے اور اُسکا مکان اُسے از سرِ نو بنا کر ختم ہوتا ہے۔ میراث پیدا کرنیوالے تمام اسباب جو انسان کو حاصل ہین اُنمین سے اپنے رسوخ مین کوئی اتنا مستحکم۔ جوڑنیوالا اور نشکل بنانیوالا نہین ہے جتنا کہ اُسکی اولاد کی جائے پیدائش کی زمین کا بنانیوالا۔ رُوحانی اُصول سے انسان خدا کا بیٹا ہے، مگر مادّی اُصول سے زمین کا پرورش کردہ ہے۔ ہم خود کو بلا وجہ زمین کی اولاد نہین کہتے۔ مصریون کی مان۔ دریائے نیل۔ پولینڈ والون کے ایجاد کرنے والے بحیرۂ روم کے کنارے بابل والے۔ دریائی میدان اور دہانہ کے پیدا کردہ تھے۔ اور اسی طرح بنگالی بھی حرف بہ حرف گنگا ماتا کی اولاد ہین۔

خواہ کچھ بھی ہو۔ زمین کی ترغیب دینے والی موافقت جو نسلی عناصر کے اتفاق کا قدرتی باعث ہے، ہر حالت مین بڑھتی رہتی ہے۔ انسان انسان سے سیکھتا ہے۔ جب ہم کسی گذشتہ کامیابی کی بنیاد پر اپنا مستقبل کسی ایسے حاصل کردہ اعلیٰ معیار پر بنانے کی کوشش کرتے ہین تو ہمین کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ پانی اُس سطح تک جہان تک کہ پہلے چڑھ چکا ہو آسانی سے چڑھ جاتا ہے مگر اُس سطح سے اوپر چڑھانے کے لئے کسقدر طاقت کی ضرورت ہوتی ہوگی۔ وہ عہدنامہ جو کسی سیاست دان نے دنیا سے کامیابی کے ساتھ تکمیل کرایا تھا آج بھی میدان کارزار یا مکتب مین اُسکے ہم جلیسون کو اُسکے گذشتہ کارنامون کی یاد دلاتا ہے۔ بہت سے عالی مرتبت سپہ سالار صرف اس وجہ سے مشہور ہین کہ اُنھون نے فنِ جنگ کی مشق مصنوعی اور بے جان سپاہیون کی امداد سے

کی مستقبل صرف نئی بندشون اور تبدیل شدہ حالات سے زمانہ ماضی کو دوہرانیوالا ہے۔

اس طرح ہم قومی پیدایش کے اصلی حقیقت تک پہونچتے ہین۔ کوئی ملک جو جغرافیئی نکتۂ نظر سے مخصوص ہے۔ کسی قوم کے گہوارہ بننے کی قدرت رکھتا ہے۔ قومی یگانگت زمین پر موقوف ہے۔ انسانیت مین کسی قوم کے درجہ کا اندازہ اسکی شکل وصورت۔ طاقت کے مجموعی اجزا سے لگایا جاتا ہے۔ گذشتہ زمانہ مین کسی قوم کے ایک فرد نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ قوم مشترکہ طور پر آیندہ اسے حاصل کرنے کی امید کرسکتی ہے۔ عناصر کی شکلین اگر کسی زمین کی قومیت بنانے والی تاثیر کے زیر اثر کام کرتی ہین۔ تو یہ ذریعہ طاقت ہے۔ نہ کہ کمزوری۔ ہندوستان جو آجکل دربانی صورت سے جدید شکل مین اور اخلاقی حکومت سے قومیت کی ساخت کے راستہ مین آخری منزل پر ہے۔ اِس اصول پر غور کرنے کے واسطے کافی میدان مہیا کرتا ہے۔ بہت سے اہل نظر یہ جانکر بھی کہ ہندوستانیون نے اپنی حالت مین تبدیلی کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے تو بھی اسکا نتیجہ سوائے ناکامی اور شکست کے کچھ نہین دیکھتے۔ اس قسم کے خیالات والے حضرات کیا فرماتے ہین۔ ہندوستان چونکہ شہد کی مکھی کے چھتہ کی طرح ہے۔ اُسمین رہنے والون کی زبان مختلف ہے۔ اُسکے رسم ورواج ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ مین جداگانہ ہین۔ اُسکی آبادی ایسی ہے جو مختلف رنگون یعنی سیاہ۔ زرد۔ سفید۔ اقوام کی نسلون سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ ہر ایک عنصر کے مخصوص افراد کے اجتماع ضدین کے پھندے مین پھنسا ہوا ہے۔ وہ مختلف اشکال۔ جیسے پنجابی۔ بنگالی۔ ایک دوسرے سے جداگانہ شکل والون سے بھرا ہوا ہے۔ وہ زیادہ تر دو قومون یعنی ہندو مسلمان مین منقسم ہے۔ اُسکی بابتہ اس قسم کے پرجوش اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی اتحاد واتفاق کی گفتگو کرنا۔ جماقت نہین تو کیا ہے۔ اور ایک ہندوستانی قومیت کا خیال بے بنیاد ہے۔ اس قسم کے خیالات واقعی بہت سے ایسے یوروپین حضرات کے ہین جنکو ہندوستان کے دیکھنے اور اُسمین رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ گو وہ ایسے حضرات کے خیالات کی جو اُنکے خیالات سے متفق نہین صریحًا مذمت کرتے ہین تو بھی اُنکے خیالات اس مسئلہ کے آخری امکان نہین کہے جاسکتے۔ کیونکہ یہ امر عام طور پر طے شدہ ہے کہ وہ فیصلہ جو فریقین کے حالات جاننے سے پہلے ہی اخذ کیا گیا ہو قابل پذیرائی نہین۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہندوستانیون مین کوئی نسلی یا شکلی ایسی موافقت بھی پائی جاتی ہے

جسکی وجہ سے خواہ بہ جلد یا بہ دیر ہندوستانی قومیت کی بنیاد ڈالی جاسکے۔ غالباً یہ درست ہے کہ ہندوستان کا بنگالی۔ آئرلینڈی۔ مرہٹہ۔ اسکاٹ لینڈی۔ پنجابی۔ ولیسی یا پہاڑی (یا دوسرا نام جو ہم پسند کرین دے سکتے ہین) سے مشابہ ہے تو کیا اُنکے درمیان کوئی ایسی موافقت بھی پائی جاتی ہے۔ جنکا تعلق ایک دوسرے سے ہو۔ جیساکہ ولایت والون اور اُسکے مغربی حصص کے رہنے والون کا مرکزی باعث ہے۔ اس قسم کی شکلی یا لسانی ساخت کی موجودگی یا عدم موجودگی پر متحدہ ہندوستانی قومیت کے بننے یا نہ بننے کا دارومدار ہے۔

قومیت کا پہلا خزانہ یعنی جغرافی خصوصیت ہندوستان کے قبضہ مین بلا خوف تردید کافی سے زیادہ ہے۔ اُسکے پیرون مین یاقوتی رنگ کے سمندر۔ پس پشت پہاڑ کی برفانی چوٹیان اُسے شاہی درجہ سے سرفراز کرتی ہین۔ اور وہ نسلین جو اُسکی چاردیواری کے اندر آباد ہین انسانی خصوصیات کی وجہ سے شمالی مشرقی منگولی اور شمالی مغربی شامی سے جداگانہ نظر آتی ہین۔ اِس خطہ مین آریہ تہذیب وخیالات کے دوسرے ملکون کی نسلون پر حکمرانی کرتے ہین۔ اس خطہ مین خیالات کی ایسی خانہ ساز بناوٹ ہے جو سب سے افضل ہے۔ اور اخلاقی عروج ایک ایسی علامت ہے جو اُسے ایک نسلی شکل مین تسلیم کرنے پر عبور کرتی ہے۔ ہندوستان مین اخلاقی خیالات کا امتیازی ذخیرہ اُسکی قدامت کو نہایت سچائی کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے۔ یون تو مسلمان اور جینی گو وید مقدس اور اپنشد کے احکام تسلیم نہین کرتے۔ مگر اُنکی اختراعی آراستگی کے زیر اثر نظر آتے ہین۔ مثلاً خانگی محبت کا اعلیٰ معیار۔ غور اور نکتہ چینی کا نازک سلسلہ۔ سنجیدگی ایسی معقول کہ شوق وتمیز کے درمیان ساری زندگی اخلاقی تعلیم کی کشمکش کے زیر اثر نظر آتی ہے۔ جو اِن دونون قومون مین موجود ہین۔ ہوبہو ہندو سے مشابہ کرتے ہین۔ یا بہ الفاظ دیگر یون کہنا چاہیے کہ سارے کے سارے ہندوستانی باقاعدہ اخلاقی تعلیم کا نتیجہ ہین۔ کیونکہ فرقہ بندی کے تعلقات کی ابتدا عموماً دل سے ہوا کرتی ہے۔ جسوقت مصر والے اپنی مینار تعمیر کر رہے تھے۔ اُسوقت ہندوستانی وید مقدس کے حافظ اور اپنشد کے فلسفہ کی تکمیل سے مساوی درجہ کی قابلیت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ تربیت جو ابتدائی زمانہ مین آغاز ہوئی تھی بلا انقطاع سلسلہ آجتک ہندوستان مین جاری۔ اور اپنی بنیاد پر مستحکم ہے۔ اور اُن خیالات اور احساس سے جو دیگر ممالک مین عام ہین۔ ہندوستانی مجلس کو نہایت تیزی کے ساتھ

پیشرو اور مکمل ثابت کر رہی ہے۔ ہندوستانیون مین آرشگی و پیراشگی کی ایک قدیم و پرجوش خاصیت ہے جو اُس براعظم صغیر کے طولانی اور وسیع خطہ کی تمام۔ اعلیٰ سے اعلیٰ۔ ادنیٰ سے ادنیٰ۔ اور قدیم سے قدیم نسلون اور فرقون مین عام ہے۔

علاوہ برین خاندانی محبت کی محراب کی کنجی کا پتھر ہندو مسلمان مین یکسان ہے۔ جو بیٹے کے اُن خیالات سے جو مان سے وابستہ ہین ظاہر ہے۔ کسیقدر اختلاف یا کمی بیشی ممکن ہے۔ مگر پائے استقلال سنگلاخ زمین پر مستحکم ہے۔ اس رشتہ کی ترقی و ثروت مین جسمین ذاتی محبت مذہبی رنگ سے مزین ہے۔ اختلاف ناممکن ہے۔ مشرقی زندگی کی ایسی سچائی ہے جسکی وسعت ہمارے (مغربی اصول) کے نادر (MADDONA HOOD) خاص لقب برائے حضرت مریم والدہ حضرت عیسیٰؑ کے درجہ تک پہونچتی ہے۔ یعنی بچہ مثل مان کے جلال اور سایہ کے ہے۔ تو مان مثل بچہ کے زندگی کی پاکیزگی اور ضامن کے ہے۔ قریب قریب اس سے ملتا جلتا ہوا مگر کسیقدر مختلف تعلقات کا وہ خلقی حصّہ ہے جو مشرقی خانہ داری مین عمر رسیدہ لوگون سے وابستہ ہے۔ ایک ملایم جھڑکی یا خفیف خفگی کا اظہار جو گفتگو کی نہایت شاندار تصویر ہے۔ عمر رسیدہ اور اوائل عمر والون کے درمیان ایک جوڑنے والی کڑی ہے۔ اور یہ ثابت کرتی رہی ہے کہ خاندان کے ضروری اور لازمی کارپرداز عمر رسیدہ لوگ ہین۔ یہان زندگی کی وہ مصیبتین جو مغربی عمر رسیدہ لوگون کو تنہائی اور ناتوانی کے باعث برداشت کرنا پڑتی ہین نظر نہین آتین۔ عمر رسیدہ لوگون کی تجربہ کاری ایک نہایت بیش قیمت اور عام ترکہ ہے۔ بلکہ اُنکی شوخیان ہی اُنکا شمار بچون مین کرادیتی ہین اور اُنکی خدمات کا بار نوجوان اور چھوٹی عورتون مین نہایت آسانی سے تقسیم ہوجاتا ہے۔ ہندوستان اپنے اعلیٰ درجہ کی فراغت کے ساتھ ساتھ اُس معیار کے مقابل نہین کیا جاسکتا جیسا کہ مغرب کا قاعدہ ہے یعنی وہ شخص جسکی کام کرنے کی عمر ختم ہوچکی ہو مغرب مین خود کو بیکار سمجھتا ہے۔ مگر ہندوستان جانتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ تجربات کا بیش قیمت میوہ کام کرنے ہی سے پختہ ہوتا ہے۔ بادرچیون اور لوہارون کو چاہے نوجوانی کی طاقت درکار ہو مگر سیاست دان اور مجتہد عموماً ساٹھ سال کی عمر مین ہی تیار ہوتے ہین۔

کلکتہ مین چند ایسے فرقہ جیسے گاڑی والے کوچبان جو ہمکو اجڈ اور نکمے معلوم ہوتے ہین زیادہ تر

مسلمان ہین۔ جو اپنے بال بچے دیہات مین چھوڑ کر آتے ہین۔ اور خودداری اور اخلاقی خابت قدمی مین امتیازی درجہ نہین رکھتے۔ لیکن اُنھین کا ایک فرد میری ہی گلی کے کنارہ مجھے ایسا ملا جس سے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوشیاری اور ناقابلِ گفتار شرافت کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ ایک ہندو قوم کی بوڑھی عورت کو خطرناک اور مخدوش گاڑیون کی زد سے بچا کر ہاتھ پکڑے ہوئے رستہ بتا رہا تھا۔ اندھی اور ٹھوکر کھانیوالی کمزوری کا نظارہ دیکھتے ہی وہ حواس باختہ ہوگیا۔ اپنی گاڑی اور گھوڑے ایک معمولی سائیس کی ذمہ داری پر چھوڑ کر وہ گاڑی سے کود پڑا۔ رسولِ عربی کا فرمان ہے "جو شخص ماں کے قدم چومتا ہے۔ جنت پاتا ہے" ہندوستان مین ماں کی محبت اور عمر رسیدہ لوگون کی خدمت کرنے مین مسلمان۔ ہندو۔ ادنیٰ۔ اعلیٰ۔ بالکل ایکسان جوان مردی دکھلانے والے ہین۔ یہ خیال کرنا کہ ہندو مسلمان کے درمیان مذہبی اختلاف ہی وہ کینہ ہے جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتا ہے سراسر غلطی ہے۔ جیسا کہ جنیوا کو روم والون سے ہے۔ صوفیون کا فرقہ جسکے ہادیون اور شہیدون کی فہرست نہایت طولانی ہے مسلمانون کی قومی صورت آرائی کا معاون اور ہندؤن کے اعلیٰ اخلاقی معیار کے ہم پلہ ہے۔ دونون قومون مین سے چاہے کسی قوم کا ہادی ہو اُسکے معتقد دوسری قوم کے افراد بھی نظر آتے ہین۔ دونون مذہبون کا اختلاف صرف قومی مراسم مین ہے نہ کہ اخلاقی اُصول مین۔ جو فلسفانہ اصول سے بعید از قیاس ہین۔

مسلمان اپنے رسم و رواج عرب سے اور اُس زمانہ سے جبکہ کئی نسلون کو ایک قومی مجموعہ مین مستغرق ہونے کی ضرورت تھی۔ اخذ کرتے ہین۔ اور ہندو اپنی عادات اپنے ماضی پر اور ادنیٰ تہذیب کو اعلیٰ تہذیب مین ترمیم اور اُسکی حفاظت کرنے پر مبنی کرتے ہین۔ یا بہ الفاظ دیگر یون کہنا چاہیئے کہ دونون قومون کا اختلاف محض خانگی معاملات۔ زبان۔ مستورات اور ہادی یا معلم سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ سچائی اُس مقام پر فوراً سے پہلے نظر آجاتی ہے جہان کا حکمران دونون مین سے کسی ایک قوم کا پیرو ہو۔ ایک ہندو حکمران کے اعلیٰ اور ذمہ دار حکام مسلمان ہونگے اور مخصوص مثال کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی وفاداری کا اظہار کسی دوسری جگہ سُنا جانا غیر ممکن ہے جیسا کہ مملکت محروسہ نظام حیدرآباد دکن کے ہندو حکام سے ہو رہا ہے۔ بنارس کے شمالی دیہات مین جہان مسلمان سیکڑون برس خوشحال رہ کر پریشانی کا شکار بنائے گئے آج بھی مجلسی میلان دونون قومون کا ملتا جلتا ہوا ہے۔ جسکی شاندار علامت اُن ناموں سے پائی جاتی ہے جو عموماً بچون کے رکھے جاتے ہین جو عام طور پر

"رام بخش" کے ڈھنگ کے ہوتے ہین جنکے اجزا سنسکرت اور عربی زبان کے مرکب ہین۔

قوت جاذبہ کے سوائے غالبًا کوئی دوسرا لفظ ایسا نہین ہے جسکا استعمال غیر معین طور پر قوم کے لئے موزون ہو۔ خیر کچھ بھی ہو۔ یہ صحیح ہے کہ مجلسی مجموعہ کا سلسلہ ہی ایسا ہے جو دوسری قومون سے امتیازی حالت رکھتا ہے۔ اور درجہ رسم و رواج۔ پیشہ۔ اور ہم سری مین خود بخود ایک دوسرے سے موافق ہے جسے دیکھتے ہی ہم فورًا کہہ سکتے ہین کہ یہ جماعت عام زندگی مین بجائے اختلاف کے اتفاق کا ثبوت دینے کی قابلیت رکھتی ہے۔ آج سارے ہندوستان مین مکان کی چار دیواری کی تنہائی کو چھوڑ کر گلیون اور دریا کے کنارون کی خرید و فروخت کی بات چیت بجائے اختلاف کے اتفاق کی امتیازی صورت پیش کرتی ہے جیسا کہ زمانہ گذشتہ مین۔ بابل۔ تھی بیس۔ پرپلیین۔ اور اتھنیس۔ بنی تھی۔ اس واحد ملک مین ہمین جو فرقہ بندی نظر آتی ہے اُسکے جزوی اسباب آب و ہوا پر اور جزوی اسباب خیالات و مجالس کی ثابت قدمی پر موقوف ہین۔ اسکی خرید و فروخت کی موافقت مین مجلسی اتفاق کا تقاضا نہین ہے۔ ایسے معاملات مین جنکا تعلق محض خانگی زندگی سے ہے۔ خاندانی حالت۔ عورتون اور پیشواؤن کی غور و پرداخت سے ظاہر ہوتے ہین۔ قومیت کا تعلق۔ مدرسہ۔ نہانے کے گھاٹ۔ اور قصبون سے نہین ہے۔ اِس بارہ مین فی الواقع لفظ قوم اعلیٰ پیدائش کی مستحکم شکل سے زیادہ وزن دار ہے اور اُس زمین کی حد مقرر کرتا ہے جسپر کوئی غیر شخص دخل اندازی نہین کر سکتا۔ اُسے اتفاق کی فرقہ بندی سے موسوم کرنا اُتنا ہی تناسب رکھتا ہے جتنا کہ کسی بوڑھی عورت سے اُسکی عمر دریافت کرنے کی صورت مین یہ خیال کسقدر لغو ہے کہ ادب کا یہ قاعدہ مشترکہ کام کرنے مین مزاحمت کرنیوالا ہے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہر شخص۔ کھانے۔ اور بیوی کرنے مین اپنی ہی قوم کی رفاقت کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی کے متعلق ہر شخص بااختیار رہے جو جی مین آئے کر سکتا ہے اور جہان جی چاہے، جا سکتا ہے۔ ہر ایک قوم اپنے افراد کے زیر اثر ہے جس طرح ایک جمہوری حکومت کی مجلس جو ساری کی ساری مجلس کو اہل حرفہ مجلسی۔ یا سیاسی کام کرنے والی مجالس کی ایک شاندار چوکھٹہ بندی کی شکل مین پیش کرتی ہے۔ یہ سچائی اُس آنکھ کے لئے اسقدر صریح نظر آنیوالی ہے جو اسکو قرار واقعی وسعت کی نگاہ سے دیکھنے کی طاقت رکھتی ہو۔ اور یہ دیکھنا کہ کوئی اور دوسری علامت اسقدر مروج ہوئی ہے سخت دشوار ہے۔

بہت سے حضرات لفظ موافقت کو اُن معنون مین استعمال کرتے ہین جو جھینگا، مچھلی کی موافقت جسکے دائرون اور اعضار کی نامورون تکرار۔ جسکے دائین اور بائین بازو کی ناہمواری انسانی جسم کی ساخت سے زیادہ مکمل ہے، کی طرف اشارہ کرنے والے ہین۔ اپنی جانب سے مین یہ خیال کرنے سے کبھی باز نہین رہ سکتی کہ اُنیسوین صدی کی باقاعدہ ترقی نے ہمکو اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم اس گتھی کو کسیقدر زیادہ غور کے ساتھ سلجھا دین۔ مین یہ کبھی نہ بھولونگی کہ ایک محنتی فرانسیسی جو خود کو حق پسند کے نام سے موسوم کرتا تھا چند سال ہوئے مغرب مین ایک تعلیم گاہ کے تصفیہ کے متعلق میرے پاس آیا۔ اور دریافت کیا کہ ہندوستانیون کے پاس کیا اسکے علاوہ اور بھی کوئی ایسا ثبوت انسانی موافقت کا پیش کرنے کو ہے کہ "اگر مین تمکو ضرر پہونچاؤن تو خود اپنے کو ضرر پہونچاتا ہون" یا "دو انسان ایک شکل وصورت کے نہین ہین" زان بعد تغیر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے سوچکر بولا کہ چونکہ ہم سب مختلف ہین اسلئے یہ سچائی ہی ایک طور سے ہماری یگانگت کی کافی دلیل ہے۔ اس قسم کا اظہار خیال مجھے نہایت بلند معلوم ہوا۔ میرے دوست نے اعضائی ساخت کا وہ تذکرہ کیا جو ایک دلیل موافقت سے زیادہ موزون کہا جا سکتا ہے۔ جسکو مین نے ہندوستانی موافقت کی ایک بگڑی ہوئی شکل اس بنا پر سمجھی کہ کسی ایک صوبہ کا انسان دوسرے صوبہ کے انسان کی سی قابلیت کا اظہار نہین کرتا۔

نہایت شائستہ خیالات کی عام زمین ہوتے ہوئے بھی۔ بنگالی۔ نرمی وظرافت کا پتلا ہے۔ تو مرہٹہ سخت گیری اور تُرشروئی کا نمونہ۔ ایک اپنی قوت متخیلہ پر نازان ہے۔ تو دوسرا قوت ارادی پر۔ پنجابی مین پوری پوری ہمت کا جوش، اور لڑاکو قوم کا کسیقدر بچپن نمایان ہے۔ تو دراوڑ مین وہ سنجیدگی اور سلیقہ شعاری جو کسی مقید کے زیر سایہ رہنے والے شخص مین ہوا کرتی ہے، مسلمان چاہے جہان ہو، خوش اخلاقی اور بُردباری کا لاثانی نمونہ ہے۔ اور ان تمام قومون مین سے ہر ایک مین وہی خاص عنصری اسباب یگانگت موجود ہین۔ حب وطن۔ قومی افتخار مستورات کا معیار۔ مین سب کا جوش انگیز ہے۔ ہندوؤن کے لئے بھارت ماتا (مادر وطن) پاکیزگی کی جگہ ادھرم کا پسندیدہ مقام۔ اور سات متبرک دریاؤن (تیرتھون) کی زمین ہے، اور وہ مقام ہے جہان بہ یریا یہ جلد وہ ہر فرد جو خدا کا متلاشی ہے آنے والا ہے۔ فرزند اسلام کے لئے اُسکے

وطن کی خاک کا ہر ذرّہ اُسکے پیشواؤن کی خاک ہے۔ جسپر اُنکی شاندار یادگارون کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ جسکے تعہات مین اُسکا مکان ہے۔ جسکے مستقبل مین اُسکی اُمیدین وابستہ ہین۔ اور قومیت کا احساس دونون قومون مین تازہ اور مکمل ہے۔ قومی ذمہ داری کے احساس مین۔ جیسا اشوک پائلی پنّر (پٹنہ) کے عالیشان تخت پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے ڈھائی ہزار برس پہلے تھا۔ جیسا کہ اکبر تخت دہلی پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے اٹھارہ صدی بعد تھا۔ ویسا ہی ہر ہندوستانی کل بننے والا ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ تخت کا نہین بلکہ جمہوریت کا۔ حکومت کا نہین، بلکہ قومیت کا ہے، اور وہ ہندوستان جو اُن اقوام سے جنکا کہ آفتابِ تہذیب طلوع ہوچکا ہے مقابلہ کر رہا ہے۔ "نوجوان اور طاقتور ہے"!

پربھودیال مصر عاشق لکھنوی

محبت کے گناہ

اے محبوب اگر میری آنکھون نے گستاخ جذبات سے متاثر ہوکر اُس اُڑنے والے پرند کے مانند جو آسمان کی نورانی فضامین چکر لگا رہا ہو مسلسل حصول مسرت کے لیے ترے جلوہ بار چہرے اور محراب بردی کی طرف نظر کی ہو تو اُن کو معاف کردے۔

میرے ہاتھون کے گناہ بھی معاف کر شاید وہ تیرے قدمون کو چھونے، سینہ سے لگانے، اور برکت دینے کے لیے بہت بیباک ہوگیے تھے۔ اپنی لاانتہا خوبیونکے صدقے میرے ہاتھونکی خطا معاف کردے

اے محبوب اگر میری زبان نے بے موقع خاموشی، یا ناپسندیدہ گیت سے تجھکو پریشان کیا ہو۔ اگر اُس نے تیرے دل کو پریشانیون مین آرام نہ دیا ہو، تو اُس کی خطا معاف کردے۔

اے محبوب اگر میرے دل نے تیرے حکم سے سرتابی کی ہو اور پرسوز جذبات محبت کو ٹھنڈا کرنے، یا اضطراب شوق کو سکون وضبط سے بدلنے اور تجھکو خوش رکھنے کی کوشش نہ کی ہو تو اُس کا بھی گناہ معاف کردے۔

ترجمہ عالی لکھنوی

گوسوامی تلسی داس جی

بکرمی سمبت کے مطابق ۱۸ اگست ۱۹۲۳ء کے دن مہاکوی تلسی داس جی کی وفات کو تین سو سال پورے ہو گئے۔ چنانچہ ملک کے ہندی خوان طبقہ نے اسی مقررہ تاریخ پر اس واقعہ کے متعلق جشن یادگار منا کر اپنے ایک مقدس ترین فرض کو ادا کیا ہے، یہ سچ ہے کہ برسی کا دن جشن کا دن نہین بلکہ سوگ کا دن ہوتا ہے۔ لیکن اسمین بھی کلام نہین کہ استاد زمانہ کے ساتھ ساتھ ایسے دنون کی نوعیت مین بھی ایک ایسی پاکیزگی کا شمول ہو جاتا ہے جو اُنکی یاد کو فی الجملہ لطافت انگیز بنا دیتی ہے، حقیقتاً اچھا تو یہی ہوتا کہ ہم لغوی معنی مین اس دن کو "تلسی جینتی" (तुलसी जयन्ती) کے نام سے موسوم کر سکتے اور ایسا ہونا جب ہی ممکن تھا کہ یہ جشن مہاکوی کے یوم پیدائش کے حساب سے منایا جاتا، اور چونکہ پیدائش کی تاریخ اب تک ٹھیک طور پر محقق نہ ہو سکی، پس ایسی حالت مین محض قیاس پر کاربند ہونے کے بجائے شاعر کی زندہ جاوید تصنیف رامائن کے سال آغاز کی بنا پر اس مبارک جشن کا منایا جانا مناسب ہوتا۔ کیونکہ تلسی داس کی شاعرانہ بزرگی کا بہت کچھ اسی تصنیف پر انحصار ہے خیر، ہم اسوقت اس بحث کو یہین ختم کر کے صرف یہی کہنا چاہتے ہین کہ ہندی دنیا نے اس قابل یادگار واقعہ کے یادگاری جلسے منعقد کر کے ملک کی ادبی جماعتون کے لیئے اپنی اُس علمی قدردانی کی ایک سبق آموز مثال پیش کی ہے جسکی جانب اُسکی طبیعت کا میلان روز بروز زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہم اس موقع پر ناظرین زمانہ کی خدمت مین مہاکوی تلسی کے متعلق چند سطور تحفتاً پیش کرنا مناسب خیال کرتے ہین

ہم بتلا چکے ہین کہ تلسی داس جی کا سنہ ولادت کسی مستند طریقہ پر ہنوز نہین دریافت کیا جا سکا اسکا اندازہ سمبت ۱۵۸۳ اور سمبت ۱۵۸۹ بکرمی کے مابین کیا جاتا ہے ڈاکٹر گریرسن (GRIERSON) سمبت ۱۵۸۹ بتلاتے ہین۔ اُنکی کسی تصنیف سے بھی سال پیدائش کا ٹھیک پتہ نہین چلتا۔ اُنھون نے خود کو

صرف "رام کا سیوک" ظاہر کیا ہے، اُنکا معرفت شناس دماغ ذات پات کے بیجا قیود سے قطعاً آزاد تھا وہ ہر شخصیت مین صرف ذات حقیقی کے جلوہ کو دیکھتے تھے اور رام نام کی اشاعت کرتے ہوئے عوام کو حصول نجات کی دعوت دیتے تھے، شاید انھین باتون نے کاشی کے قدامت پسند پنڈتون کو انکا دشمن بنا دیا تھا جنکے ہاتھون تلسی جی کو بہت کچھ پریشانی اُٹھانی پڑی۔ اُنکے عقیدتمندانہ استقلال نے بالآخر انھین فتح دلائی۔ اُنکی پریشانی ایک سچے ریفارمر کی پریشانی، نیز اُنکی فتح ایک سچے ریفارمر کی فتح تھی، تلسی جی کے مقام پیدائش کے بارہ مین بھی اہل الرائے اصحاب ہنوز متفق نہین۔ اس سلسلہ مین راجہ پور، تاری اور گورکھپور کے نام لیئے جاتے ہین۔ البتہ شہرت عوام کی بنا پر راجہ پور (ضلع بانڈا) کو تفوق دیا جا سکتا ہے۔ خانگی اُمور کے لحاظ سے تلسی جی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اُنکے والد کا نام آتما رام دوبے، ان کا نام ہلسی اور بی بی کا رتناولی تھا، مگر اُنکی تصانیف سے ان ناموں کے متعلق کچھ بھی پتہ نہین چلتا، اُن سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تلسی جی کے والدین نہایت غریب تھے۔ اُنکے گرو روحانی اُستاد نرہری داس نامی ایک وشنو بیراگی تھے، تلسی جی کا سنہ وفات سمبت ۱۶۸۰ بکرمی ہے اور جائے وفات کاشی، جیسا کہ اُنھین کے ایک دوہے سے ظاہر ہے، اسی سمبت کے لحاظ سے اسوقت مرحوم کی سہ صد سالہ برسی کا جشن منایا گیا ہے۔

بہر حال ہندی رامائن کے شہرۂ آفاق مصنف کے سوانحی حالات بیشتر پردۂ خفا مین مستور ہین، اکثر لوگون کو اُنکی شادی کے بارہ مین بھی شک ہے، لیکن خود تلسی جی نے اپنی "بنے پتر کا" نامی کتاب مین اپنی شادی کا ذکر کیا ہے۔ دراصل اس شادی پر ہی اُنکی آیندہ شہرت کا کامل دارومدار تھا اور اسی نے اُنکو عشق مجازی کے راستہ سے عشق حقیقی کی منزل پر پہونچنے مین مدد دی، بیوی اپنے شوہر کی بلا اجازت سسرال چلی گئی تھی، شوہر اُسکے عشق مین بیقرار ہوکر دیوانہ وار برساتی دریا تک کو عبور کرکے راتون رات اسکے گھر مین داخل ہوا، بیوی طعن آمیز لہجہ مین کہتی ہے کہ "آپ کو جتنی محبت میرے ساتھ ہے کاش اسیقدر محبت رام کے ساتھ ہوتی تو کیا اچھا ہوتا" ہمارے پرشون کو مہاپرش بنانے کے لیے ایک معمولی واقعہ کافی ہوتا ہے۔ رتناوتی نے محض ایک لاش کے مشاہدہ سے ویراگ کا سبق حاصل کیا تھا، سوامی ویانند جی نے کوشیو کی مورتی کے ساتھ خوش فعلیان کرتے ہوئے دیکھ کر بت پرستی کے مخالف ہو گئے تھے، تلسی کے دل پر بھی انکی اہلیہ کے

الفاظ نے ایک خاص اثر ڈالا۔ اُسمین آناً فاناً رام کی محبت پیدا ہوگئی اور تلسی جی اُسی دھن مین مست ہوکر بے اختیار گھر سے چل کھڑے ہوئے، اُنکا مدعا رام کی بھگتی اور اُنکے درشن سے شاد کام ہونا تھا۔

ٹھیک پتہ نہین کہ تلسی داس جی اپنی مقصد براری کی فکر مین کہان کہان بھٹکے۔ البتہ اُنکا قیام زیادہ تر اجودھیا۔ بندھیاچل، چترکوٹ اور بنارس مین رہا۔ آخر الذکر شہر مین اُنکی بودوباش سب مقامون سے زیادہ رہی۔ بہرحال اگر تلسی جی کو رام کے درشن نصیب ہوئے ہونگے تو محض اُنکے عمیق تصور کی بدولت مگر اسمین شک نہین کہ بھگتی کے حصول مین اُنکو خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس بھگتی نے اُنکی آتما مین ایک ایسی شانتی پیدا کردی تھی جسکا گہرا رنگ اُنکے خیالات مین برابر جھلکتا ہے خیر۔ رام بھگتی کا لازمی نتیجہ رام کے حالات سے کماحقہ واقفیت کا حاصل کرنا تھا اور اس غرض سے تلسی کو سنسکرت سیکھنا پڑی۔ اس کام کو اُنھون نے کاشی مین رہکر کیا اور پھر وہین والمیکی رامائن کے مطالعہ مین مصروف ہوئے۔ فیاض قدرت نے تلسی کے دل مین شاعری کے غیر فانی جذبات کو ودیعت کیا تھا، اُنکے دل مین رام بھگتی کا اتھاہ سمندر لہرین مار رہا تھا جسکی تہ مین خیالات کا موتیون کا بیش بہا خزانہ چھپا پڑا تھا۔ ذوق ادب نے دل مین ایک جوش پیدا کردیا۔ جوش مین اس بلا کی تیزی تھی کہ بھگتی کا سمندر متلاطم ہوگیا اور تلسی کی بیش بہا نظمون کی بدولت ہندی ادب کے بازار مین انمول موتیون کے ڈھیر لگ گئے۔

تلسی جی نے رامائن، بکت رامائن، بنے پتر کا، گیتاولی، دوہاولی وغیرہ مختلف کتابین لکھین۔ مگر اول الذکر کتاب یعنی رامائن انکی سب سے زیادہ معرکہ آرا اور مشہور ترین تصنیف ہے۔ سنڈنی صاحب نے لکھا ہے کہ "انسان کی باطنی دنیا کے جواہرات مین شاعری رخشندہ ترین جواہر ہے جسکی چمک دمک ہمیشہ قایم رہتی ہے لیکن (کسی خاص ملکی زبان مین ہونے کی وجہ سے) یہ آب وتاب صرف اُسی ملک تک محدود رہتی ہے۔ شاعر کا پیش کردہ معیار ساری دنیا کے لیے مفید اور کارآمد ہے اور پس (دنیاوی نقطۂ خیال سے) اسکی اشاعت عوام مین ہونا ضروری ہے" مذکورۂ بالا الفاظ کی بنا پر ہم تلسی اور اُنکی رامائن کے متعلق بلاخوف تردید کہہ سکتے ہین کہ تلسی جی صرف ہندوستان کے نہین بلکہ ساری دنیا کے شاعر تھے۔ رامائن صرف مریادا پرشوتم رام کے سوانحی حالات کا مجموعہ نہین

بلکہ اسمین فطرت کے مختلف شعبون کو اس خوبصورتی کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے جو لوگون کو اپنا گرویدہ بنا لینے کے لیے کافی کشش رکھتی ہے۔ کسی مصنف کے لیے سب سے بڑا ادبی کمال یہی ہو سکتا ہے کہ اسکی تصنیف سے ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق لطف اندوز و مستفید ہو اور رامائن بلا شبہ اسی قسم کی چیز ہے۔ تلسی جی شاعر تھے، قدرت کے پجاری تھے۔ جذبات عمیق اور نگاہ غائر رکھتے تھے زبان پر انکو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا، انھین باتون نے انکی رامائن کو ایک زندہ جاوید تصنیف بنا دیا اور انکی شاعری کو وہ ہر دلعزیزی بخشی جو دنیا مین بہت کم لوگون کو مل سکی ہے اور جسکا ملنا واقعی بہت بڑی خوش نصیبی ہے، انگریز مصنف وارڈ کا مقولہ ہے کہ شاعری کا کام زندگی کے راز کا انکشاف کرنا اور دل کو تسکین دینا ہے۔ رامائن کو انھین دو باتون کا ایک نادر الوجود مرکب سمجھنا چاہیئے۔ دنیا مین کون ایسا شخص ہے جو اپنی معلومات کو وسیع بنانے اور اپنی آتما کو شانتی دینے کا متمنی نہو؟ اسلیئے ہم دعوے کے ساتھ کہ سکتے ہین کہ تلسی کرت رامائن کی ضرورت تنہا ہندوستان کو نہین بلکہ کل دنیا کو ہے۔

ہم نے سطور بالا مین جو کچھ ابھی کہا ہے وہ اُس اعلیٰ معیار کو مدنظر رکھکر جسکو کہ تلسی نے اپنی رامائن کی وساطت سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے یہ بتلانے کی ضرورت نہین کہ کسی تصنیف کا نصب العین حقیقت سے جسقدر زیادہ قرب رکھے گا اُسی نسبت سے تصنیف مذکورہ کی اشاعت دنیا مین وسعت پانے کی مقدار سمجھی جاویگی، خواہ اس حقیقت کا تعلق شاعرانہ محاسن سے ہو خواہ اخلاقی خوبیون سے اسکے علاوہ ہر تصنیف مین کچھ ایسی امتیازی خصوصیت ہوا کرتی ہے جو اُس حصۂ ملک یا اُسکے افراد سے ایک خاص لگاؤ رکھتی ہے جس سے مصنف کا ذاتی تعلق ہوتا ہے۔ رامائن بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین ہے سمبت ۱۶۳۱ بکرمی یا ۱۵۷۴ء مین (اجودھیا پوری مین) اسکا لکھا جانا شروع کیا گیا۔ کتاب کی ضخامت اور طرز بیان کی دلکشی کو دیکھتے ہوے اسبات کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ اُسے مکمل صورت مین لانے کے لیے شاعر کو برسون دماغ سوزی کرنا پڑی ہوگی۔ یہ اکبر اعظم کے عہد حکومت کی بات ہے بس بہر حال اسمین شبہ نہین کہ رامائن کی مذکورہ بالا خصوصیت نے ہندوؤن کو اسلامی حکومت کے زیر اثر رہکر اپنے دھرم پر ثابت قدم رہنے اور اپنی شیرازہ بندی کرنے مین بہت کچھ مدد دی تھی۔ اسوقت بھی رامائن کی اشاعت

یون تو سارے ہندوستان مین ہے لیکن ملک کے شمالی حصہ مین تو اُسکو ہر گھر کی چیز سمجھنی چاہیئے ڈاکٹر گریرسن کا قول ہے کہ "اگرچہ گوشائین جی نے کوئی نیا مذہب جاری نہین کیا پھر بھی ہر ہندو اُنکی پیروی کرتا ہے" ہمارا تو خیال ہے کہ تلسی کے کمال کا اعتراف ہندوستان سے باہر بھی مختلف ادبی خلقون مین کیا جانے لگا ہے لیکن اسکا لحاظ نکرتے ہوئے بھی رامائن کے مصنف کا ۲۲ کروڑ ہندؤن سے برابر پوجا کی بھینٹ پاتے رہنا کیا کوئی معمولی بات ہے؟

رامائن کے تعلق سے یہان اسقدر اور تبلادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسمین کچھ ایسے بعید از قیاس واقعات بھی ہین جنکی صداقت کے بارہ مین جایز طور پر شک کا اظہار کیا جا سکتا ہے لیکن ہمین یہ بات بھی خیال مین رکھنی چاہیئے کہ ہندی طرز تحریر کے نقطۂ خیال سے ہر تصنیف تین پہلوؤن پر مشتمل ہوتی ہے یعنی رد چک (واقعہ کو ہر ممکن طریقہ پر دلکش بنانا) بھیانک (واقعہ کو خوف انگیز بنا کر ظاہر کرنا) اور تیار رتھ (واقعہ کو اصلیت کا لحاظ کرتے ہوئے دکھلانا) پس اس امر کا اندازہ کرنا واقعی بہت مشکل ہے کہ تلسی کو خود بھی مذکورۂ بالا قابل اعتراض واقعات پر کس حد تک یقین رہا ہوگا۔ خیر ہم اس بحث کو زیادہ طول نہ دیکر صرف اسقدر کہنا چاہتے ہین کہ ایسی باتون کے ہوتے ہوئے بھی کتاب کے حسن اسلوب مین بحیثیت مجموعی کچھ بھی فرق نہین آتا۔ رامائن کا مطالعہ کرنے والا اپنے ذاتی عقاید کے اعتبار سے اگر اُسمین کچھ چھوڑ سکتا ہے تو وہ اُس سے یقیناً بہت کچھ لے سکتا ہے اور شعریت کی بوقلمونیون پر مٹے ہوئے دلون کے لیے تو واقعی یہ کتاب ایک ایسا دلفریب منظر پیش کرتی ہے جو بیشتر معنی مین آپ اپنا ہی نظیر ہے اصل یہ ہے کہ دنیا مین ایسا دیدان صحیح بہت کم لوگون کو ملا ہے قدرت اپنی اس جنس کو نہایت گرانقدر سمجھتی ہے اور اُسے وہ تقسیم کرنے مین کافی فراخدستی سے کام نہین لیتی۔

ہمکو تلسی کی چند دیگر تصانیف کے کچھ حصون کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہے اپنے اس جزوی مشاہدہ کی بنا پر ہم یہ راے قایم کرسکتے ہین کہ ایسی تصانیف زیادہ تر صرف خاص لوگون کی دلچسپی کی چیز ہین البتہ رامائن ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکا مطالعہ ہر خاص و عام کے لیئے طمانیت بخش ثابت ہوا ہے۔ اسی تصنیف کی نسبت سے شاعر کو اسبات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگون سے بالعموم طریقہ پر خراج تحسین وصول کرے اور اُنکے دلون مین اپنی یاد کو

تازہ رکھے۔ ۱۸۔ اگست سنہ رواں کا یادگاری جشن انھیں ہر دو اُمور کو مدنظر رکھ کر منایا گیا ہے۔ مشہور انگریز مصنف ٹامس کارلائیل کے الفاظ مین یہی سربرآوردگان قوم کی پرستش ہے۔ اس سے قوم کے حوصلون مین قوت اور اسکے ارادون مین پختگی آتی ہے جس سے اُسکو شاہراہ ترقی مین گامزن ہونے کے لیے ایک زبردست تحریک ملتی ہے۔

اقبال ورما تحر ہنگامی

تازہ فکر ہز اکزالٹڈ ہائنس میر عثمان علیخان نظام الملک آصفجاہ فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ،

بہارِ گل مین جو گردون خمِ شراب ہوا — تو مے شفق ہوئی۔ پیمانہ آفتاب ہوا
اسیر کرکے دلِ بیقرار کو میرے — کمال گیسوِ جانان کو پیچ و تاب ہوا
ہزار حیف کہ حاصل ہوا نہ لطفِ وصال — فراق یار مین ضائع مرا شباب ہوا
خیالِ عارضِ تابان مین چشمِ گریان سے — گرا جو اشک کا قطرہ درِ خوش آب ہوا
قفس مین بند ہوئی حیف بلبلِ ناشاد — بہارِ گل مین گلستان کا دا۔ جو باب ہوا
فروغ لے گیا ہجران مین ابرِ نیسان پر — گہر فشان پہ مرا دیدۂ پُر آب ہوا
کسی نے ہوش اُڑائے کسی نے دل چھینا — غضب ہوا ترا غمزہ بلا حجاب ہوا
پھنسا یا دل نے عبث دامِ زلفِ پیچان مین — ہماری جان کا یہ ہمنشین عذاب ہوا
بہار آگئی پھر، مژدہ باد اے ساقی — نمود جانبِ گلزار پھر، سحاب ہوا
تڑپ کے سینے سے میرے نکل گیا آخر — شبِ فراق مین دل کو یہ اضطراب ہوا
سیاہ کارہ تھا، میرے جرم کا عثمان — شمار ہو نہ سکا جس گھڑی حساب ہوا

ابوالطیّب بن احمد متنبّی

یہ عرب کے اُن مشہور شعرا مین ہے جسے تاریخ ادب ہمیشہ یاد رکھیگی اور سرزمین عرب اپنے ایک ایسے باکمال فرزند پر جسنے اُسکی آب وہوا مین نشوونما پائی تھی قیامت تک فخر کرتی رہیگی۔

یہ فطری شاعر ۳۰۳ھ ہجری مین بمقام کوفہ پیدا ہوا، لیکن بچپن ہی مین مستقل طور پر شام مین اقامت اختیار کرلی اور یہان کے بڑے بڑے فضلائے عصر سے تمام علوم کی تکمیل کی، طبیعت کا فطری میلان شاعری کی طرف تھا، فنون لطیفہ سے اُسے خاص دلچسپی تھی، اُسکی وسعت نظری کا یہ عالم تھا کہ عربی زبان کا کوئی محاورہ ایسا نہ تھا جو اُسکے علم مین نہ ہو۔ اور اپنی نظم ونثر مین عام بدویون کی طرح، بے تکلف استعمال نہ کرتا ہو، اُسے زمانہ جاہلیّت کے ہزارون شعر یاد تھے جنھین ضرورت کے وقت وہ مثال کے طور پر پڑھا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ علاّمہ ابوعلی[1] فارسی نے اُس سے پوچھا کہ فعلی کے وزن پر عربی مین جمع کے کتنے الفاظ آئے ہین، اُسنے جواب دیا کہ صرف دو۔ جملی وظربی، علاّمہ بوعلی کا بیان ہے کہ اسکے بعد مین تین دن تک برابر لغت کی کتابین دیکھتا رہا، لیکن انکے سوا کوئی اور لفظ نہ ملا۔ اور مجھے متنبّی کی اِس وسعت نظری کا قائل ہونا پڑا۔

تمام عرب مین متنبّی ہی ایک ایسا خوش قسمت اور غیر فانی شاعر ہے جسکے دیوان کی قریب قریب چالیس شرحین لکھی گئین، غرض جو شہرت اِسکے دیوان کی ہوئی وہ کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوسکی۔

اسکے آفتاب شاعری کی ضیا پاشیان صرف عرب ہی تک محدود نہ رہین بلکہ اِس نے

---

[1] مصنف، الایضاح والتکملہ

عرب سے نکلکر دنیا کے ہر حصے کو اپنے لمعات تکلم سے منور کر دیا، وہ کہا کرتا تھا کہ دنیا مین مین ہی ایک ایسا شاعر ہون جس نے صرف اپنے زور کلام کی بنا پر نبوت[1] کا دعوی کیا۔

۳۳۷ھ ہجری مطابق ۹۴۸ء مین امیر سیف الدولہ کے پاس چلا گیا، سیف الدولہ کا قاعدہ تھا کہ وہ شب مین فضلاء و فصحاء کی صحبت مین بیٹھا کرتا اور اُنکے علمی مباحثون سے اپنی معلومات مین اضافہ کیا کرتا، ایک مرتبہ متنبی اور ابن خالویہ نحوی مین کسی بات پر بحث ہوگئی اور یہان تک نوبت پہونچی کہ خالویہ نے متنبی کے مُنھ پر گھونسا مار دی جس سے اُسکا چہرہ مجروح ہوگیا اور وہ اسیوقت دربار سے اُٹھکر چلا آیا، وہ اس بات کا منتظر تھا اور اُسے پوری امید تھی کہ "امیر سیف الدولہ نحوی سے اسکی باز پرس کریگا، لیکن امیر نے کوئی پروا نہ کی جس سے متنبی کا دل ٹوٹ گیا اور حلب سے نکلکر رملہ چلا گیا، ان دنون وہان کا حاکم ابن طغج ایک نہایت علم دوست و مردم شناس آدمی تھا اُسنے اسکی بے انتہا عزت کی اور دل کھولکر انعام دیئے، ان انعامات مین ایک بیش قیمت گھوڑا مع طلائی ساز و سامان کے اور ایک مذہب و مطلا تلوار بھی شامل تھی۔

رملہ چھوڑنے کے بعد ۳۴۶ھ ہجری مین مصر کا سفر کیا اور کافور الاخشیدی کے دربار مین پہونچکر کافور اور انجور بن الاخشیدی کی تعریف مین چار دنا چار قصیدے لکھے، پھر کیا تھا خاک سے اُٹھکر عرش پر پہونچ گیا، دربار مین صرف اُسکی عزت کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ بلا روک ٹوک جرابین پہنے اور تلوار لگائے ہوئے آسکتا ہے۔

متنبی کو کافور کے وعدے پر اُمید تھی کہ وہ اُسے ضرور کسی صوبہ کا والی بنا دیگا، لیکن خود اسکی خودستائی اور تعلیون نے اُسے اسقدر خائف کیا کہ اُسے اپنا عہد توڑنا پڑا، جس سے نا اُمید ہوکر متنبی نے ۳۵۰ھ ہجری مین کافور کی ہجو لکھی اور جان کے خوف سے بھاگ کر بلاد فارس مین چلا آیا اور عضد الدولہ اور اُسکے وزیر ابن العمید نے تیس ہزار درم دیئے۔

---

[1] اس نے سنہ ۳۲۰ھ ہجری مین نبوت کا دعوی کیا تھا اور بنی کلب وغیرہ جیسے کئی قبیلے اُسکے متبع ہوگئے تھے، چنانچہ لولو امیر حمص نے اُسکی یہ بڑھتی ہوئی گمراہی دیکھکر قید کر دیا تھا اسکے قید ہونے کے بعد ہی وہ قبائل منتشر ہوگئے اور یہ عرصہ تک قید رہا بالآخر توبہ کرنے کے بعد چھوڑ دیا گیا۔

یہ رقم پاکر پھر اسکی سیاحت پسند طبیعت یہان نہ لگی اور بغداد ہوتا ہوا ۳۵۴ھ ہجری مطابق ۹۶۵ء مین کوفے کی طرف چلدیا لوگون نے بہت سمجھایا کہ کچھ آدمی اپنے ساتھ لے لے مگر اس نے جواب دیا کہ "متنبی اپنی تلوار کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ کرنا ذلت سمجھتا ہے"

لیکن فاتک بن ابی الجہل الاسدی نے اُس قصیدے کا انتقام لینے کے لئے جسمین متنبی نے اُسکے خاندان کی خصوصاً اُسکی بھتیجی ضبہ اور اُسکی ماں کی سخت ہجو کی تھی، راستے مین قتل کا پورا انتظام کرلیا تھا اور اپنے اس ارادے کی اطلاع اُسنے اُس آدمی کے ذریعہ متنبی تک پہونچا دی تھی جو اُسکا قصیدہ لیکر آیا تھا، لیکن متنبی نے اپنے زعم مین اسکی کچھ پروا نہ کی اور وہان سے روانہ ہوگیا۔

جب یہ اپنے لڑکے محسّد اور غلام مُفلح کے ساتھ جہان صافیہ کے قریب پہونچا جو سواد بغداد سے غربی جانب دیر عاقول سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے تو فاتک نے مع اپنے ساتھیون کے اسپر حملہ کردیا اور لڑائی شروع ہوگئی، متنبی نے اپنی شکست اور دشمنون کا غلبہ دیکھکر بھاگنے کا ارادہ کیا تو اُسکے غلام نے جوش کے ساتھ کہا کہ "متنبی یہ وقت ہے کہ تو اپنے قول کامل سے ثبوت دے کیا تیری غیرت اسے قبول کرسکتی ہے کہ کل دنیا تجھے کہے کہ متنبی میدان جنگ سے جان کے خوف سے بھاگ گیا" یہ کہکر اُسنے متنبی کا وہ شعر پڑھا جسمین اُسنے اپنی نسبت کہا ہے۔

فالخیل واللیل والبیداء تعرفنی والحرب والضرب والقرطاس والقلم

ترجمہ، گھوڑا، رات اور جنگل مجھے اُسی طرح پہچانتے ہین جس طرح جنگ، کاغذ اور قلم،

اس شعر کا سُننا تھا کہ متنبی پھر پلٹ پڑا، لیکن کثرت، قلت پر غالب آئی اور موت کا زبردست ہاتھ اپنا کام کرگیا۔ آخر متنبی مع اپنے ہمراہیون کے مارا گیا اور اُسکی نغمہ سنج شاعری ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

جب متنبی کے قتل کا واقعہ ابوالقاسم مظفر بن علی نے سُنا جو اپنے وقت کا ایک مشہور شاعر تھا تو بہت رنجیدہ ہوا اور یہ مرثیہ لکھا جسکا ہر شعر سوز و گداز کا مُرقع ہے۔

لا رعی اللہ سُرب ھذا الزمان اذ دھانا فی مثل ذاک اللسان

ترجمہ، خدا اُس زمانے کی بری حالت کو غارت کرے جسنے ایسے خوش بیان کو ہم سے چھین لیا

ما رای الناس ثانی المتنبی ای ثانٍ یُری بسیر الزمان

ترجمہ، لوگون نے متنبی کا ثانی نہین دیکھا، جو شخص خود اپنا نظیر ہو اُسکا ثانی کہان ہو سکتا ہے،

كان من نفسه الكبيرة في جيش وفي كبرياء ذي سلطان

ترجمہ، وہ اسقدر بلند حوصلہ تھا کہ اپنے آپ کو ایک بڑا سلطان اور ایک زبردست سپاہی سمجھتا تھا،

هو في شعره نبي ولكن ظهرت معجزاته في المعاني

ترجمہ، شعر و سخن مین وہ نبی تھا (انبیاء کے معجزے اجسام مین نظر آتے ہین) لیکن اُسکے معجزے معانی مین دکھائی دیتے تھے۔

ابوالعباس احمد بن محمد جو ایک مشہور شاعر ہی متنبی کے ان اشعار کے متعلق رشک کے طور پر کہا کرتا تھا کہ کاش یہ اشعار بجائے متنبی کے میرے قلم سے نکلتے، اُسکا خیال تھا کہ اس مضمون کو کسی شاعر نے اس سے پہلے نہین لکھا۔

رماني الدهر بالارزاء حتى فؤادي في غشاء من نبال

ترجمہ، زمانے نے مجھ پر ایسے مصائب ڈالے ہین کہ میرا دل اُنکے تیرون سے چھپ گیا ہے۔

فصرت اذا اصابتني سهام تكسرت النصال على النصال

ترجمہ، اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ جب تیر مجھ پر آکر لگتے ہین تو پیکان پیکانون ہی پر لگ کر ٹوٹ جاتے ہین،

دوسرا شعر یہ ہے فی جحفل ستر العیون غبارہ فکانما یبصرن بالآذان

ترجمہ، وہ ایسا زبردست لشکر لیکر چلا تھا کہ جسکے گرد و غبار سے آنکھون پر پردہ پڑگیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ لوگ اپنے کانون سے دیکھتے ہین۔

حضرت شیخ تاج الدین کندی رحمۃ اللہ علیہ نے متنبی کے دو شعر نقل کئے ہین جو اُسکے دیوان مین نہین ہین لیکن چونکہ اُنکی صحت پر سب کو اتفاق ہی اسلئے ہم اس موقع پر نقل کئے دیتے ہین، حسن و عشق کا کتنے پُر اثر اور جامع الفاظ مین نقشا کھینچا ہے۔

البعين مفتقر اليك نظرتني فاهنتني وقذفتني من خالق

ترجمہ، کیا تو نے میری ان آنکھون کو جو تیری مہربانی کی محتاج ہین اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ لیا ہی جسکی وجہ سے تو نے مجھے بلندی سے پستی کی طرف پھینکدیا۔

لست الملوم انا الملوم لانني انزلت آمالي بغير الخالق

ترجمہ، (لیکن سچ تو یہ ہے) کہ تو ملامت کے لائق نہین بلکہ قابل ملامت تو مین ہی ہون کہ اپنی امیدین خالق سے ہٹاکر دوسرے کی طرف لگائین،

سید ابو محمد ثاقب کانپوری

نباتی زندگی کے اسرار

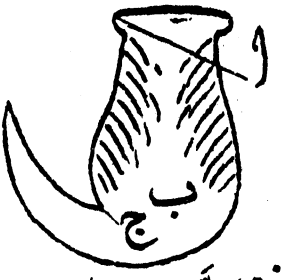
زمانہ گذشتہ مین بھی اسکا علم تھا کہ نباتات مین زندگی کی لہر موجود ہے۔ بعض قصے کہانیون مین ایسے درختون کا بھی بیان ہے جو طاقت گویائی سے بہرہ ور تھے۔ گو یہ من گڑھت کہانیان سائینس دانون کی نظر مین کچھ بھی حقیقت نہین رکھتین تاہم اب سائینس کے نزدیک بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نباتات بھی ہماری طرح جاندار ہین۔

اگرچہ درخت ہماری طرح نہ بات چیت کر سکتے نہ چل پھر سکتے ہین۔ مگر انکا طریقہ پیدائش حیوانات کے طریقہ پیدائش کے بالکل مشابہ ہے۔ درختون مین بھی نر و مادہ مثل حیوانات کے پائے جاتے ہین۔ آپ پوچھینگے کہ حیوانات تو مختلف حرکتین کر سکتے ہین مگر درخت اپنی جگہ سے ہل بھی نہین سکتے۔ اِن مین کس طرح جوڑے ہو سکتے ہین؟ مگر حشرات الارض مکھی بھنورے وغیرہ جو وقت پھولون کے گرد پھرتے رہتے ہین۔ مشاطہ کے فرائض بجا لاتے ہین۔ یعنی ایک پھول کے نر اعضا کو دوسرے پھول کے مادہ اعضا تک لیجاتے ہین۔ اِس طرح وہ مواد ایک جگہ جمع ہو جاتے ہین جو پھل پھول کے لئے ضروری ہین۔ بعض حالتون مین ایک پھول کے نر اعضا ہوا مین اُڑکر دوسرے پھول کے مادہ اعضا تک پہونچ جاتے ہین۔ یہ حالت کھجور کے درخت اور گندم کے پودے مین دیکھی گئی ہے۔

ایشیائے کوچک مین ایک کھجورون کا جنگل تھا۔ مگر درخت پھل نہ لاتے تھے۔ آخر پتہ چلا کہ وہ تمام درخت مادہ ہین۔ اس لئے چند درخت جو نر تھے وہان گاڑے گئے۔ اور پھر وہ تمام درخت پھل لانے لگے۔ کدو کے پودے مین جب پھول آتے ہین تو سُرخ چیونٹے اور مینڈک (اگر پانی نزدیک ہو) ایک پھول کے نر اعضا کو دوسرے پھول کے مادہ اعضا تک لیجاتے ہین۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کئی پودے اکیلے رہ جاتے ہین۔ ایسی حالت مین،

وہ نر و مادہ دونون قسم کے فرائض انجام دیتے ہین - مگر بیج جو اس فعل سے پیدا ہوتا ہے بالکل کمزور پیدا ہوتا ہے - (یہ حالت کھجور کے درخت مین نہین پائی جاتی) -

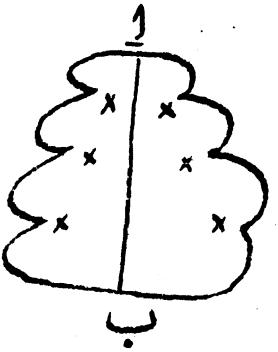
بعض پودے زمین اور ہوا سے خوراک حاصل نہین کر سکتے - ایسے درختون کا گذارہ دوسرے درختون اور جانورون اُنکی روزی کا دارومدار ہے - اکاس بیل اپنی خوراک دوسرے درختون سے حاصل کرتی ہے - مگر اسکا سہل شکار بیری کا درخت اور ڈورنٹا (PORENTA) ہے - ایک پودہ جسے نیپنتھی کہتے ہین - مکھی - بھڑ - اور بھنورون کو نگل جاتا ہے - اسکے پتے کی شکل حسب ذیل ہے - طریقہ شکار کی تفصیل بھی دلچسپی سے خالی نہین -



نیپنتھی کا پتّا - (آدھا پھٹا ہوا)

مقام الف پر ایک قسم کا میٹھا رس ہوتا ہے جسے سونگھ کر مکھیان جمع ہو جاتی ہین - مکھی بیٹھتے ہی پھسل جاتی ہے - اور جب باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہے تو مقام ب کے وہ ریشے جو نیچے کو نکلتے ہوئے ہوتے ہین اُسے دباتے ہین - آخر مقام ج پر جاکر مکھی ہضم ہونے لگتی ہے - کیونکہ یہان ایک قسم کا تیزاب پایا جاتا ہے جو اسکے جسم کو گلا ڈالتا ہے -

اسی قسم کا ایک اور پودا جسے وینس فلائی ٹریپ (یعنی مکھیون کا پنجرا) کہتے ہین ذیل کے طریقے سے مکھیان شکار کرتا ہے - اسکے پتے کی بناوٹ ذیل کی شکل مین ظاہر کی گئی ہے -



پتّے پر ایک قسم کا رس لگا ہوتا ہے - جب کوئی مکھی بیٹھتی ہے تو پتّہ ا ب لکیر کے گرد بند ہو جاتا ہے اور مکھی قید ہو جاتی ہے - اسی طرح کے اور بھی کئی ایک پودے ہوتے ہین جو جانورون پر گذارہ کرتے ہین - انکے انگریزی نام نیپنتھی - ٹارمپین وغیرہ وغیرہ ہین -

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو زہر حیوانات پر اثر کرتے ہین وہی درختون کو بھی تباہ کر ڈالتے ہین - اگر کوئی زہر مثلاً سنکھیا مارفیا وغیرہ اپنی مین حل کر کے کسی پودے کی جڑون مین ڈالدیا جائے تو وہ پودے کو تباہ کر ڈالتا ہے - ڈاکٹر بوس نے جو دنیا کے اول درجہ

کے سائنس دانون مین شمار ہوتے ہین۔ اسکے متعلق تجربہ کیا ہے۔ انھون نے ایک پودے پر زہر کا استعمال کیا۔ وہ مرجھا گیا۔ مگر جب اُکھاڑ کر اُسکو دھوڈالا گیا اور اینٹی ڈوٹ دیا گیا تو پودہ از سر نو لہلہانے لگا۔

بعض پودون مین ایک خاص قسم کی حِس پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی لاجونتی کے پودے کو ہاتھ لگائے تو اُسکے پتے بند ہوجاتے ہین۔ اسی قسم کے اور درخت بھی ملک افریقہ مین پائے گئے ہین جو دوپہر کے وقت پتے بند کرلیتے ہین تاکہ گرمی سے بچاؤ رہے۔

درختون مین جو خار اور کانٹے پائے جاتے ہین وہ صرف بچاؤ کے واسطے ہوتے ہین بعض پودے جو خاص موسمون کی اثرات برداشت نہین کرسکتے زمین کے اندر ہی پھلتے پھولتے ہین۔ مثلاً مولی کا پودا شروع جاڑے مین اپنا تنا اور جڑین زمین مین رکھتا ہے اور زمین کے باہر صرف پتے ہی ظاہر ہوتے ہین۔ مگر بعد مین صرف جڑین ہی زمین مین ہوتی ہین اور تنا پتے پھل پھول سب زمین سے باہر ہوتے ہین۔ تربوز کا پودا بھی صرف اپنے پتے ہی ظاہر کرتا ہے۔ ایسی ہی حالت اور بہت سے پودون مین پائی جاتی ہے۔

نباتات کی زندگی کے متعلق اور بہت سی عجیب و غریب باتین دیکھنے مین آئی ہین مگر ان پودون کے دیسی نام ہر وقت معلوم ہو سکتے ہین۔ کیونکہ اس موضوع پر کوئی سائنس کی کتاب اب تک دیسی زبان مین نہین لکھی گئی۔

آنداز۔ الیف۔ ایس۔ سی

(۱) مین ہر ایک دولت مند آدمی کی تاریخ آپ کو بتلا سکتا ہون اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک امیر آدمی اپنی آدھی عمر غریب آدمیون کا روپیہ چھین چھین کر جمع کرنے مین بسر کرتا ہے اور باقی آدھی عمر اس فکر مین رکھتا ہے کہ لوگ اس سے روپیہ چھین نہ لیجائین مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ خدای تعالیٰ نے خوشی کو دولت پر مایوسل پوزیشن پر منحصر نہین رکھا ہے۔

(۲) تمام تنازعات اور تمام جھگڑون کی بنیاد یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ لینا چاہتے ہین بجاے اسکے اگر ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ دینا چاہین تو کبھی کوئی فساد نہو۔

نصیر کی ناکامی

۱

نووارد کمرے کے اندر آیا اور اُسنے دروازہ بند کرکے چٹخنیان چڑھا دین۔ انسپکٹر نصیر اجنبی کی اِس حرکت پر متحیر ہوگیا اور اُسکو خشم آلود نگاہون سے دیکھکر بولا۔

"جناب آپ کون ہین؟ اور یہ کیا حرکت ہے"

اجنبی مُسکرادیا۔ اور بہت اطمینان اور بے تکلفی کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھکر بولا۔

"انسپکٹر صاحب"

انسپکٹر نصیر چونک پڑا۔ لیکن اُسنے حیرانی کے آثار ظاہر نہ ہونے دیئے اور نووارد سے کہا "آپ کو کیونکر معلوم ہوا کہ مین انسپکٹر ہون، شاید آپ کسی بڑی غلط فہمی مین مبتلا ہین۔ مین تو انسپکٹر نہین ہون بلکہ ....."

"جناب چھپانے سے کوئی فائدہ نہین۔ مین آپ کے حالات سے بخوبی واقف ہون کہئے تو کچھ اور کہون"

"یعنی آخر کچھ تو"

"یہی کہ آپ صوبۂ ممالک متحدہ کے رہنے والے ہین، محکمۂ پولیس مین انسپکٹر ہین، اور یہان کچھ عرصہ سے چاء فروشی کے بہانے سے مقیم ہین۔ لیکن آپ کا مقصد اصلی یہ ہے کہ بمب سازی کے خفیہ کارخانون کا پتہ لگائین اور کلکتہ پولیس کی ناکامیون کا مضحکہ اُڑائین لیکن اب تک آپ ناکام رہے، اور اب واپس جانے کے لئے پا بہ رکاب ہین"

انسپکٹر نصیر حیران و ششدر رہ گیا اور اپنی حقیقت کو پوشیدہ رکھنے مین کوئی فائدہ نہ دیکھکر اُسنے کہا "بالفرض۔ کہ آپ کے یہ قیاسات صحیح ہین تو؟"

اجنبی ہنسا اور بولا "اب آئے راہ پر، مگر میرا کوئی ناجائز مطلب نہین ہے۔ مین تو صرف

آپ کی دیرینہ آرزو پوری کرنے کے لئے آیا ہون"

"یعنی"

"یہ کہ مین آپ کو بمب سازی کے خفیہ کارخانے دکھا سکتا ہون"

"واقعی"

"ہان"

"کوئی شرط"

"ہان صرف ایک شرط ہے"

"اور وہ کیا؟"

"مین آپ کو یہان سے موٹر مین لیجاؤن گا۔ موٹر پر سوار ہوتے ہی آپ کو اپنی آنکھون پر پٹی باندھنا پڑے گی، اور یہ اُسوقت کھلے گی جب مین آپ سے کہون گا، واپسی مین بھی یہی عمل کرنا پڑیگا"

انسپکٹر نصیر کی خوشی سے باچھین کھل گئین اور اُسنے ایک پرجوش لہجے مین کہا "منظور ہے مجھے یہ شرط منظور ہے۔ مگر ایک بات سمجھ مین نہین آتی" اُسنے رُک رُک کر کہا "وہ کیا؟"

"جب آپ یہ جانتے ہین کہ مین پولیس مین ملازم ہون اور یہ مقصد لیکر یہان آیا ہون کہ اس کارخانے کی حقیقت کو بے نقاب کردون۔ پھر بھی باوجود اس علم کے آپ مجھے اُن کارخانون مین لے چلنے کو تیار ہین۔ بلکہ آئے ہین۔ اسکی کوئی وجہ؟"

"اُونھ۔ یہ تو کوئی بات نہین ہے۔ آپ نے اتنے دنون تک یہان رہ کر کیا کر لیا اور اب آپ کیا بنا لینگے۔ مجھے اور میری تمام جماعت کو آپ کی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کی خبر ہے۔ مین تو صرف آپ پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہون کہ صرف کلکتہ کے پولیس کی قوت نہین بلکہ تمام ہندوستان کے پولیس کی طاقت ہمارے مقابلہ مین ہیچ ہے۔ اور جب آپ "یو۔ پی" مین جائین تو ہماری طاقت کا اندازہ کر کے اور اُسکا لوہا مان کر جائین۔ آپ تو بڑے لمبے چوڑے دعوی کر کے یہان آئے تھے، مگر کیا ہوا۔ خیر مین آپ کی دلی آرزو پوری کرنا چاہتا ہون۔ اور اسلئے ایک مرتبہ آپ کو بمب سازی کے کارخانے دکھا دونگا۔ اب آپ چلین گے یا نہین۔

صاف جواب دیجئے - ہان - یا نہین !"

اجنبی کی یہ پُراثر تقریر سُنکر انسپکٹر نصیر ہچکچا گیا اور بولا "اگر مین نہ جانا چاہون"

"نہ جائیے - میری کوئی خاص غرض نہین ہے - آپ کے جی کی خوشی ہے - جائین یا نہ جائین - اچھا تو مین اب رخصت ہوتا ہون - تسلیم"

اجنبی اُٹھکر چلدیا - دروازہ تک پہونچا تھا کہ نصیر نے لپک کر اُسکا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "سُنئے سُنئے مین نے تو یہ بات امتحاناً کہی تھی - مین آپ کے ساتھ چلونگا اور ضرور چلونگا"

نصیر بہ تعجیل کوٹ پہن کر اور ہاتھ مین چھڑی لیکر اجنبی کے ساتھ ہوٹل کے زینہ سے نیچے اُترا - دروازہ پر ایک موٹر کھڑی ہوئی تھی جسکے لیمپ کی خیرہ کن روشنی دور تک پڑ رہی تھی - جسوقت کہ اجنبی دروازہ کھول کر موٹر مین سوار ہو رہا تھا - انسپکٹر نصیر موٹر کے سامنے ہوکر دوسرے دروازہ پر گیا - جاتے ہوئے اُسنے موٹر اور موٹر کے نمبرون پر ایک گہری نظر ڈالی اور نمبرون کو دل ہی دل مین یاد کرتا ہوا دروازہ کھول کر اجنبی کے برابر جا بیٹھا - اجنبی نے ایک بڑا رومال جیب سے نکالا اور انسپکٹر کی آنکھون پر اچھی طرح باندھ دیا -

موٹر روانہ ہوگئی -

(۲)

رات کے گیارہ بج گئے تھے - خوب کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا، اور موٹر پیچ دار گلیون اور وسیع سڑکون پر ہوتی ہوئی تیزی کے ساتھ جا رہی تھی - انسپکٹر نصیر ایک تجربہ کار سنجیدہ بہادر اور جرأت آزما پولیس افسر تھا - اور اُسے اس قسم کے ناگہانی واقعات کا اکثر سامنا ہوا تھا لیکن موجودہ حالت مین واقعات کی بیساختگی سے اُسکے دل مین ضرور ایک اُلجھن سی پیدا ہوگئی تھی - تاہم اُسکو بڑا اطمینان یہ تھا کہ اُسنے موٹر کا نمبر پڑھ لیا تھا - اور وہ اُسکو بار بار دلمین دُھراتا تھا - راستے مین اُسنے چپکے سے اپنی جیبون کو ٹٹولا تو ہر ایک مین ایک ایک بھرا ہوا پستول موجود تھا - اب اُسے اور بھی اطمینان ہوگیا - اور ایک طمانیت بخش سانس لیکر واقعات پر غور و خوض کرنے لگا -

اندازاً پون گھنٹے کے بعد موٹر نے آہستہ خرامی اختیار کی - پھر انسپکٹر کو موٹر کے گھومنے

اور گونجتی ہوئی آواز سے معلوم ہوگیا کہ وہ کسی عمارت مین ہوکر گذری ہے۔ اُسنے آنکھون سے پٹی ہٹانے کی کوئی کوشش نہین کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اجنبی اُسکو اچھی طرح دیکھ رہا ہے علاوہ ازین یہ فعل مذموم اور معاہدہ کے خلاف تھا۔

آخر موٹر رُکی۔ اجنبی نے انسپکٹر کو موٹر سے اُتارا اور ہاتھ پکڑ کر مختلف مقامات مین ہوتا ہوا زینہ کے راستہ سے نیچے اُترا۔ اب اُسنے نصیر کے آنکھون سے پٹی کھولدی۔

آنکھین کھلتے ہی جھپک گئین، روشنی نے اُنھین خیرہ کردیا۔ انسپکٹر نے آنکھین مل ملاکر جو دیکھا تو اپنے آپ کو ایک تہ خانے مین پایا۔

یہ تہ خانہ بہت وسیع تھا۔ چھت مین جا بجا برقی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ جنکے نیچے بنگالی نوجوانون کی ایک جماعت بمب سازی کے کام مین مشغول تھی۔ بمب سازی کے آلات اور سامان کو دیکھ انسپکٹر کی آنکھین کھلی کی کھلی رہ گئین۔

مزدورون نے اجنبی کو دیکھ کر مؤدبانہ سلام کیا، انسپکٹر کی طرف کچھ توجہ نہین کی صرف ایک نظر سے دیکھا اور اپنے کام مین مشغول ہوگئے۔

پانچ یا چھ منٹ کے بعد اجنبی بولا "بس اب دیکھ چکے چلیے"

انسپکٹر نصیر نے آمادگی ظاہر کی۔

اجنبی نے نصیر کی آنکھون پر پٹی باندھ دی اور زینہ پر چڑھا کر موٹر پر سوار کرادیا۔ اور خود بھی برابر جا بیٹھا۔

موٹر روانہ ہوگئی۔

رات کے بارہ بج چکے تھے ایک کا عمل تھا کہ موٹر ہوٹل کے سامنے آکر رُکی۔ نصیر نے آنکھون سے پٹی اُتار ڈالی اور موٹر کے سامنے ہوکر گذرتے ہوئے اُسنے موٹر اور نمبرون پر پھر ایک نظر ڈالی، وہ چونک پڑا، اور حیران ہوکر موٹر کو دیکھنے لگا۔

موٹر اور اُسکا نمبر دونون بدلے ہوئے تھے۔

اجنبی نے قہقہہ لگایا اور تسلیم کرتا ہوا چلا گیا۔

نصیر کو رات بھر نیند نہین آئی۔ کل گذشتہ واقعات ایک عمیق راز مین مستور معلوم ہوتے تھے۔ پُراسرار اجنبی کی وسعت علم، اُسکی غیر مترقبہ آمد، اُسکا تحیر افزا طرز عمل، موٹرون کی تبدیلی، ان سب کے خیالات اُسکے دل مین بار بار آتے، وہ اُنپر غور کرتا لیکن کسی طمانیت بخش نتیجہ پر نہین پہونچتا تھا۔ آخر وہ پُراسرار شخص کون تھا؟ نصیر اُسکا نام و پتہ بھی نہ دریافت کرسکا۔ پھر کیا کیا جائے؟

انسپکٹر نصیر کو بڑا اطمینان یہ تھا کہ اُسنے دونون موٹرون کے نمبر یاد کرلئے تھے۔ اور وہ اِن نمبرون کے ذریعہ سے اجنبی کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُسنے الماری کا قفل کھول کر ایک مجلد کتاب نکالی اور اُسے کھول کر میز پر رکھدیا۔

اس کتاب مین مقامی موٹرون کی فہرست بھی تھی۔

نصیر نے کتاب کے صفحات اُلٹ پلٹ کر ڈالے اور پھر اُسکو پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے وہ چونک پڑا۔

"کیا میری نظر تو غلطی نہین کرتی" یہ کہتے ہوئے اُسنے اپنی آنکھین ملین اور پھر بغور پڑھنا شروع کیا۔ ایک منٹ کے بعد بیساختہ نصیر کے منھ سے نکلا،

"ارے کیا بات ہے؟ کیا صفحات تو غلط نہین ہوگئے؟"

اُسنے صفحات کا موازنہ کیا۔ کتاب کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ مگر بات جو تھی وہی رہی۔

(۴)

سویرے منھ اندھیرے جبکہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ صبح کے جلوون سے ہم آغوش تھا۔ ہم انسپکٹر نصیر کو مسٹر براؤن کمشنر پولیس کلکتہ کے ساتھ باتون مین مصروف پاتے ہین۔ کمشنر نے سگار کا دھوآن منھ سے چھوڑتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اُس کارخانہ کو خوب دیکھ لیا تھا"

"جی ہان۔ خوب اچھی طرح"

"آپ کا واقعہ ایک افسانہ سا ہے، اور بہت ہی حیرت انگیز۔ خیر پھر کیا ہوا"

"واپسی پر جب مین نے پیٹی کھول کر دیکھا تو وہ موٹر نہین تھی جو مجھے لے گئی تھی۔ نمبر بھی

دوسرا تھا۔ کمشنر نے سنجیدگی کے ساتھ مذاق بنا کر کہا۔ "موٹر تبدیل ہوگئی، یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو دونوں موٹروں کے نمبر تو یاد ہونگے"

"بہت اچھی طرح"

"اچھا لیجانے والے موٹر کا نمبر کیا تھا" "لیجانے والے موٹر کا؟"

"ہاں"

"اُسکا نمبر A 121 ہے۔ انسپکٹر نے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ کمشنر اُچھل پڑا۔ بولا۔ "یہ تو میرے موٹر کا نمبر ہے" کمشنر مبہوت رہ گیا۔ اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

نصیر نے کہا "جناب حیران نہ ہوں" اس سے بھی زیادہ تحیر خیز امر یہ ہے۔ کہ واپس لانیوالے موٹر کا نمبر وہ ہے جو مسٹر ہملٹن چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی موٹر کا ہے"

کمشنر کی حیرانی اور بھی بڑھ گئی اور اُسنے نصیر پر ایک گہری نظر ڈالتے پوچھا۔

"اُسکا نمبر؟"

"203.M"

"اور اُسکا رنگ؟"

"سفید"

"بس وہی ہے۔ بس وہی ہے" کمشنر نے دھراتے ہوئے کہا "آخر کیا بات ہے کیا ہمارے ملازمین اُس اجنبی کی جماعت سے ملے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ بات ہو نہیں سکتی"

جب کمشنر کی حالت درست ہوگئی اور اُسکا استعجاب کم ہوا تو اُسنے نصیر کو ہمراہ لیکر موٹروں کی بابت بہت کچھ تفتیش و تفحیص کی جس سے معلوم ہوا کہ اُسکی اور مسٹر ہملٹن چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی موٹریں اُس رات کو کہیں نہیں گئی تھیں۔

کمشنر پولیس نصیر کے واقعہ کو صرف ایک خواب یا افسانہ سمجھتا تھا۔

نصیر کا خیال تھا کہ یا تو اجنبی نے اپنی موٹروں کو کمشنر پولیس اور پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی موٹروں کا ہمشکل بنا دیا ہے۔ یا ان دونوں حکام کے ملازمان اُس اجنبی سے ساز رکھتے ہیں۔

دوسرے دن نصیر الہ آباد میں تھا اور تعجب کے لہجہ میں بمبئی کے پُراسرار کارخانے کے واقعات اپنے دوستوں کو سنا رہا تھا۔

محمد لیسین تسکین قریشی (سوداگر)

ہنس کا جوڑا

ان آبلوں سے پانوں کے گھبرا گیا تھا دل جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھکر

فرخ آباد کے رہنے والے ایک خاندانی شخص اجمیر شریف مین لنگر خانہ کی گلی کے اندر سید نورالحسن صاحب مرحوم کے دولت خانہ پر تیس ۳۰ برس سے مقیم ہین، آپ کا نام نیاز اللہ خان ہے گھر والون سے خفا ہوکر چلے آئے تھے اور دس ہزار روپیہ ساتھ لائے تھے، جب وہ اجمیر مین خرچ کر چکے تو مجبور ہوکر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ ایگزیکیٹو انجنیری مین نوکری کرلی اور اب تک اس محکمہ مین نوکر ہین، پندرہ بیس برس سے مجھے بھی خانصاحب کی خدمت مین نیازہ حاصل ہے۔ خانصاحب کو ماں باپ کے لاڈ اور دولتمندی نے علم سے بے بہرہ رکھا، مگر خاندانی شرافت کے جوہر بے چھپے نہین رہتے، اس بے پڑھے لکھے ہونے پر وہ پڑھے لکھون سے بازی لے گئے ہین، جب وہ گفتگو کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ بلبل ہزار داستان چہک رہی ہے، انکی لڑی بندھی باتین سنکر سننے والے حیران رہجاتے ہین، بقول شخصے، ہاتھی گھیگا تو بھی سوا لاکھ کا ہوگا، اس عالم سفر مین بھی آن بان سے رہتے ہین، انکی ہر بات سے سیر چشمی اور دریادلی ظاہر ہوتی ہے، اچھے اچھے ذی عزت اور قابل اشخاص انسے ملنے کے لئے آتے ہین۔ امسال بھی مین سید نورالحسن صاحب کے مکان پر ہی ٹھہرا، اسلئے خانصاحب سے دن رات صحبت رہی، خانصاحب نے سیکڑون باتین مجھے عجیب وغریب سنائین انمین سے ایک حکایت بالکل النول ہے جو زبانہ کی نذر کرتا ہون

ایران مین نیشاپور مشہور شہر ہے، نیشاپور سے ایک میل پر گلشن آباد ایک گانون آباد تھا اس گانون مین کھیتی باڑی کرنے والے غریب آدمی بستے تھے اور اپنے پیشہ کا کام بہت سرگرمی سے کرتے تھے، خدا کی شان ایک سال نیشاپور اور اسکے آس پاس مینھ نہ برسا، چشمہ اور تالابون کا پانی خشک ہوگیا۔ کنوؤن کی سوتین سوکھ گئین نیشاپور سے لیکر بلخ اور بخارا تک

کیا انسان، کیا حیوان، کیا چرند، کیا پرند، بھوکے پیاسے مرنے لگے۔ گلشن آباد کے پورب کی طرف ایک بڑا لمبا چنار تھا اُسپر ایک کونجے کا جوڑا رہتا تھا۔ کونجے کا نام ہوشمند اور اُسکی مادہ کا نام جولانہ تھا۔

جولانہ۔ اب اس کانون مین رہنے کا دھرم نہین ہے، نہ دانہ نہ پانی، بن آئے مرجائینگے۔ دیس چوری پردیس بھیک۔

ہوشمند۔ پھر کہان چلین۔

جولانہ۔ ہاتھ مین لیا کاسنہ تو بھیک کا کیا سانسہ، پائے گرانگ نیست، ملک خدا تنگ نیست، دریائے جیحون پر چلو۔ سُنا ہے اُسکے کنارے پر جیٹھ بیساکھ مین بھی قسم قسم کی جڑی بوٹیان اُگی رہتی ہین، اور ہریادل لہلہاتی ہے اُسکے اندر سیپیان کیڑے چھوٹی چھوٹی مچھلیان ان گنت بھری پڑی ہین اور یہی ہماری غذا ہے۔ خدا جب مینھ برسائیگا اور سستا سمان ہوگا تو پھر اپنے گلشن آباد مین آکر گھونسلہ آباد کرینگے۔ جولانہ کا کہنا ہوشمند کی سمجھ مین آگیا۔ سفر کی مصیبتین اور تکلیفین جھیل کر گرتے پڑتے دونون کے دونون جیحون پر پہونچ گئے اور اُسکے کنارہ کی سرسبزی اور ترائی دیکھکر اُنکا دل خوش ہوگیا۔ جیحون کے کنارہ پر ہنس کا ایک جوڑا رہتا تھا۔ جسے دریائی پرند اپنا بادشاہ مانتے تھے اور اُسکے کہنے پر چلتے تھے ہنس کی مادہ کا نام ملکہ گوہر نوش تھا۔

گوہر نوش اے میرے سرتاج ہنس۔ کوّا کوّی کال کے مارے دھاڑے چلے آتے ہین ان دونون کی خاطر تواضع آپ پر لازم ہے، کیونکہ خدا رکھے آپ اس خطہ کے بادشاہ گنے جاتے ہین۔

ہنس۔ گوہر نوش تو سچ کہتی ہے، ہنس کا اشارہ پاتے ہی اُسکے خادمون نے ایک اونچے درخت پر کوّے کے لئے ایک گھونسلا بنا دیا۔ بگلون نے ننھی ننھی مچھلیان اور مینڈکیان لاکر ڈھیر کردین، دونون مہمانون نے من بھاتی غذا پیٹ بھر کر کھائی، دریا کا ٹھنڈا پانی پیکر بادشاہ کا شکریہ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ ہوشمند اور جولانہ بہت ادب اور سلیقہ سے ہنس اور ہنسنی کے حضور مین رہتے تھے اور اپنی میٹھی میٹھی باتون سے اُنکا دل خوش کرتے تھے۔ جب مصیبت کے دن گزر گئے مینھ برسا۔ اور تمام ملک گلزار ہوگیا تو ایک دن ہوشمند نے کہا، جولانہ یقین ہے خدا نے اپنی رحمت سے ہمارے نیشاپور اور گلشن آباد کو ہرا بھرا کر دیا ہوگا، کھیتیان لہلہاتی ہونگی مگر احتیاط شرط ہے، تو ایک دن جاکر خبر لے آ۔ پھر ہم تم ملکر اپنے گھر چلینگے۔ جولانہ میان کے کہنے سے

گلشن آباد کو روانہ ہوئی اور تیسرے دن پلٹ کر آگئی۔

جولانہ۔ مبارک ہو۔ ہمارے ملک مین یہان سے زیادہ مینھ برسے ہین جل تھل بھر گئے ہین اور دن رات جھڑپان لگی رہتی ہین، چھاجون برستا ہے اور موسلا دھار پانی پڑتا ہے آدم سے لیکر حیوانتک تک خوشیان منا رہی ہین۔ مین نے آزمانے کے لئے گانون کے ایک لڑکے کے ہاتھ مین سے روٹی کا ٹکڑہ چھین لیا، اُس لڑکے نے جو چار پانچ برس سے زیادہ عمر کا نہ تھا رو کر اپنی مان سے کہا۔ اُمان کوّا روٹی لے گیا۔ مان بولی جانی ایسا کیون بلبلاتا ہے واری ابتو چارون طرف اناج ہی اناج ہے، لے گیا تو بلا سے، چنگیری بھری روٹیان رکھی ہین اور نکال لا۔

ہوشمند۔ جولانہ تو بڑی عاقلہ ہے، تو نے اپنے دعوی کے ثبوت مین بچہ کی مان کا بیان خوب پیش کیا۔ سستے سے ہونے کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہوگی۔ خدا کا شکر ہے اُسنے اپنی مخلوق پر رحم فرمایا۔

دوسرے دن کوّے نے ہنس سے وطن جانے کی اجازت لی اور چلتے وقت کہا بادشاہ اور امیرون کے لئے یہی زیبا ہے کہ اپنی شان و شوکت کے آگے غریبون اور بیکسون کو نہ بھولین آپ بریانی اور مزعفر کھائین تو بھوکون کو دیا ہی پیٹ بھرنے کو دین۔ ؎

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل ست گر بدولت برسی مست نگردی مردی

ایک محتاج کو دولتمند نے کچھ نقد دیکر کہا سائین دعا کرو، فقیر نے کہا بابا فقیر کیا دعا کریگا فقیر کی آتما تجھے دعا دیگی۔ ہمنے حضور کے دولت خانہ پر پڑاسکھ پایا ہے، زبان نہین جو اُسکا شکر ادا کرین، مگر ایک آرزو اپنے ساتھ لئے جاتے ہین، ہنس نے کہا آرزو ساتھ کیون لئے جاتے ہو کہہ ڈالو ہم اُسے بھی پورا کرینگے۔ ہوشمند نے کہا حضور وہ آرزو یہ ہے۔ ؎

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد اگر ترا گزرے برمقام ما افتد

اگر اتفاقاً کسی وقت حضور کی سواری نیشاپور کی طرف جا نکلے تو اس ذلیل ناچیز کے ویرانہ کو بھی اپنے قدمون کی برکت سے غیرت فردوس بنائین۔

ہنس۔ انشاء اللہ اگر میرا تمھارے وطن کی طرف سے گزر ہوگا تو مین تم سے ضرور ملونگا۔

ہوشمند اور جولانہ ہنس اور ہنسنی سے رخصت ہوکر اپنے دیس مین آئے اور چنار کے گھونسلہ کو از سر نو ٹھیک کیا۔ دو برس کے بعد ہنس کے جوڑے کو سفر پیش آیا اور خاص نیشاپور ہوکر رستہ ٹھہرا۔

ہنسنی۔ اوہو جی اب ہم اپنی سہیلی جولانہ سے ملینگے اور اُسکے یہان مہمان رہینگے۔

ہنس۔ ہان مجھے بھی اپنا وعدہ پورا کرنا ہے، آخر نیشاپور اور گلشن آباد سے تو گزنا ہے پھر ہوشمند اور جولانہ کا دل کیون نہ خوش کرتے چلین۔ ہنس اور ہنسنی چلے تو اُنکی فوج نے کہا ہم بھی حضور کے ساتھ ہون۔ ہنس نے کہا تم دریا کے کنارے ہی اپنے ڈیرے ڈالے رکھو۔ تمھارا ساتھ لیجانا اسوقت مصلحت نہین، بس ہم اور ملکہ گوہر نوش جائینگے، خدا ہمارا مددگار ہے یہ کہکر ہنس اور ہنسنی اوڑان بھرتے ہوئے نیشاپور کی طرف چلے۔ ہنس بڑا تیز پرواز جانور ہے دوسرے دن عصر کے قریب گلشن آباد پہونچ گئے۔ سامنے نیشاپور کی اونچی عمارتین اور بادشاہی قصر و ایوان دکھائی دے رہے تھے۔ ہنس نے چنار کے درخت پر کوّے کا گھونسلا تو پایا مگر اُسمین نہ ہوشمند تھا نہ جولانہ۔ گلہری جو اُسکی ہمسایہ تھی اُسنے ہنس سے کہا اگر آپ کو ہوشمند سے ملنا ہے تو سو قدم پر جو درختون کا جھنڈ نظر آتا ہے وہان تشریف لیجائیے وہان وہ بھی ملیگا اور جولانہ بھی۔ ہنس نے اپنی بیوی گوہر نوش سے کہا تم بہت تھک گئے ہو کوّے کے گھونسلے مین آرام کرو مین کوّے کو ڈھونڈ کر لاتا ہون۔ ہنس درختون کے جھنڈ کے پاس پہونچا تو اُسنے دیکھا کہ بڑا سا تالاب ہے اور تالاب کے کنارے پر ایک گدھے کی لاش پھولی پڑی ہے اور کوّا کوّی دونون کے دونون اُس مردار کی بوٹیان نوچ نوچ کر کھا رہے ہین۔ ہنس ایک پاکیزہ جانور ہوتا ہے یہ گندگی کے سامان دیکھکر اُسکا جی متلانے لگا اُسنے چاہا کہ وہ کوّے سے بے ملے چلا آئے، مگر کوّے نے اُسکی جھلک دیکھ لی تھی وہ لاش کو چھوڑکر ہنس کی طرف آیا اور اپنے دونون بازو دکھولکر ہنس سے بغل گیر ہونا چاہا۔ مگر ہنس نے ناک چڑھاکر کہا پرے پرے، حرام کھانیوالا ناپاک جانور۔ کوّا اسم بامسمّٰی ہوشمند تھا اُسنے دو بانین کرکے ہنس کو پرچا لیا اور ساتھ لیکر اُسے گھر پر آیا اور اپنی بیوی جولانہ سے کہا تو ہنس اور ہنسنی کو بانون مین لگا، مین مہمانون کے کھانے پینے کا بندوبست کرنے جاتا ہون۔

جولانہ۔ مین حیران ہون تو اُنکے کھانے پینے کا کیونکر بندوبست کریگا۔ ہنس تو سچے موتی

کھاتے ہین، تو نے مثل سنی نہین۔ ہنسا موتی چگین یا لنگن کر مرجائین۔ دیکھا نہین تمام غابیان غوطہ مار مار کر سچی سیپیان دریا کے اندر سے نکال کر لاتی تھین اور یہ دونون کے دونون انمین سے موتی نکال کر کھاتے تھے۔

ہوشمند۔ جو لانہ تیرا کدھر خیال ہے۔ اذا نزل الضیف رزقہ معہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہین۔ جب مہمان کسی کے گھر آتا ہے تو اُسکی روزی بھی اُسکے ساتھ ہی آسمان سے اُتر آتی ہے۔ خدا خود میر سامان ست ارباب توکل را۔ یہ کہکر ہوشمند نیشاپور کی طرف چلدیا۔ جب وہ بادشاہی محل کے اوپر پہونچا تو اُسنے دیکھا بادشاہ کی بیگم نہا دھوکر حمام سے نکلی ہے اور انگنائی مین بیٹھی بناؤ سنگار مین مشغول ہے۔ مشاطہ کنگھی چوٹی کر رہی ہے۔ سامنے طرح طرح کے گہنے پاتے سادہ اور جڑاؤ رکھے ہوئے ہین۔ کوّے نے تاک کر ایک جھپٹا مارا اور سچے موتیون کا ست لڑا ہار پنجون مین دبا یہ جا وہ جا۔ لونڈیون کے غل سے خواجہ سرا دوڑے آئے۔ جب معلوم ہوا کہ بیگم کا ست لڑا ہار کوّا لے گیا۔ جسمین ایک ایک دانہ گوہر شب چراغ کا فاختہ کے انڈے کے برابر تھا۔ سوار دوڑائے گئے کہ کوّے کے پیچھے جائین اور اُسے تیر سے مار کر ہار چھین کر لائین، مگر کوّا بڑا سیانا تھا، چکر کھا اور سوارون کو دھوکہ دے اوپری اوپر گلشن آباد آگیا اور ہار ہنس کے سامنے رکھدیا، ہنس نے ہار کی لڑی چونچ سے توڑ کر چار پانچ دانے خود کھائے اور چار پانچ اپنی مادہ کو دیئے۔ کوّے نے باقی ہار اپنے گھونسلہ مین چھپا کر رکھدیا۔ جب صبح ہوئی تو ہنس نے کہا اب ہم جاتے ہین، کوّا بولا جناب عالی ایسی کیا جلدی ہے دو چار دن تو غلام کے غریب خانہ پر تشریف رکھین۔

ہنس۔ مین ایک ضروری کام کے لئے جارہا ہون زیادہ نہین ٹھہر سکتا۔

کوّا۔ جیسی مرضی۔ مگر اتنی دیر تو اور کرم کیجئے کہ مین نیشاپور جاکر پلٹ آؤن اور آپ ناشتہ کرلین۔

ہنس۔ اچھا جاؤ مگر آدھ گھنٹہ سے زیادہ دیر نہ لگانا۔

کوّا۔ مین تو پاؤ ہی گھنٹہ مین آجاؤنگا۔ رات کو بڑی جو ہنس نے ہار مین سے توڑی تھی اُسمین سے صرف آٹھ دس دانے ہنس اور اُسکی مادہ نے کھائے تھے اور پوری لڑی باقی تھی

اب ہنس اور ہنسی نے اُسی لڑی مین سے اور موتی نکال کر کھانے شروع کیے اور کوّے نے ہار مین سے دوسری لڑی پوری کی پوری جدا کی اور چونچ مین لیکر بیٹھا اور چلا اور سیدھا کوتوالی مین پہونچا اور لڑی مین سے پانچ دانے مروارید بے بہا کے کوتوال صاحب کی خدمت مین پیش کیے اور یہ کہا کہ ہنس آکر آپ سے فریاد کریگا کہ کوّے نے میری ہنسنی چھین لی ہے۔ آپ رپورٹ لکھ لیجئے۔ مگر آپ اُسکی رپورٹ ہرگز نہ لکھئے گا۔ یہ نذرانہ اسی لئے دیئے جاتا ہون۔ کوتوال صاحب نے گوہر شب چراغ لیکر کہا بہت اچھا آپ کا رقیب جب کوتوالی مین آئیگا تو رپورٹ لکھنی کیسی ہم اُسکی ازار اُسی کے گلے مین ڈال دینگے اور اُسی کو اُلو بنائینگے آپ بیخبر رہین۔ کوّا کوتوالی سے چلا تو قاضی صاحب کی خدمت مین پہونچا جنکا منصب جج سے کم نہ تھا۔ سارے استغاثے بموجب شرع شریف کے کیا، فوجداری کیا، دیوانی وغیرہ اُنھین کی عدالت مین دائر ہوتے تھے اور وہ ایک حاکم بااختیار تھے۔ دس دانے گوہر شب چراغ کے اُنکی نذر کیے اور کہا سچا سچا معاملہ یہ ہے کہ اگر ہنس آکر دعویٰ کرے کہ میری جورو کو اس طرح کوّے نے چھین لیا ہے تو اُسکے دعوی کو خارج کر دیجئے گا۔ موتیون کی آبداری کو دیکھ کر قاضی صاحب کی رال ٹپک پڑی۔ فرمایا مولانا غراب آپ بالکل مطمئن رہین انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے منشار کے موافق فیصلہ کیا جائیگا۔ کوّا وہان سے چلا تو قاضی القضاۃ کے دولت خانہ پر پہونچا اور پندرہ دانے موتیون کے اُنکے حوالے کیے اور اُنسے کہا، ہنس آپ کی عدالت عالیہ مین اپنا مرافعہ ضرور لائیگا مگر آپ اُسکی بک بک کا لحاظ نہ فرمائیگا اور اُسکے معاملہ کو ہرا دیجئے گا۔ قاضی القضاۃ نے کہا زہے نصیب ہمارے کہ آپ جیسے مقدس طائر نے ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ آپ کے پرون کی سیاہی دیکھ کر مجھے غلافِ کعبہ یاد آگیا۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے دل پر نقش کالحجر ہوگیا۔ عشق بری چیز ہے۔ اگر آپ کا دل ہنسنی پر آگیا ہے۔ یا ہنسنی آپ سے مانوس ہوگئی تو ہنس مسخرہ کون بلا ہے۔ ان بڑے حکام کے علاوہ پیشکار ناظر چپراسیون کو بھی ایک ایک دانہ گوہر شب چراغ کا کوّے نے مُنھ بھرائی مین دیا۔ اور اُنھین گانٹھ تھوڑی ہی دیر مین گلشن آباد آگیا۔ ہنس نے کوّے سے کہا رستہ کھوٹا کرنے سے کیا فائدہ اب خوشی سے ہمین اجازت دو۔

کوّا - اللہ بیلی اللہ نگہبان آپ تشریف لیجائے مگر ہنسنی آپ کے ساتھ نہین جائیگی۔

ہنس - یہ کیون۔

کوّا - ہنسنی میری بیوی ہے۔

ہنس - کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی گیا بھول، کوّے سے اور ہنسنی سے کیا مناسبت۔

کوّا - جناب دودل راضی تو کیا کریگا قاضی۔

ہنسنی - اے اوئی سوا کوّا دیوانہ ہوا ہے، لو بوا وہ مثل اصل ہوگئی، نیکی کا بدلا بدی۔ فوج مین تو تجھ ناپاک سے اپنے پانون بھی نہ دھلواؤن گی۔ اپنی ایڑی چوٹی پر سے سات دفعہ قربان کرکے پھینکدون گی۔

ہنس اور ہنسنی نے چلنے کا ارادہ کیا تو ہزارون کوؤن نے انھین آکر گھیر لیا اور وہ کائین کائین کی کہ اُن دونون غریبون کے حواس جاتے رہے، کوّے نے کہا ہنس ؎

ابتدائے عشق ہی روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہی کیا

ہنس - اندھیر نگری چوپٹ راج نہین ہے، مین نیشا پور کی کوتوالی مین جاکر تیری فریاد کی رپورٹ کرتا ہون، بعد کو تجھے عدالت مین بلوا کر سزا دلواتا ہون۔

کوّا - ضرور جائیے۔ ہنس نے ناچار ہنسنی کو کوّے کے گھر چھوڑا اور آپ کوتوالی مین پہونچا، کوتوال صاحب سے کہا، حضور کوّے نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے، میری جورو چھین لی ہے خدا کے واسطے آپ اُسے بلوا کر حوالات مین دیدیجئے اور میرا بیان روزنامچہ مین لکھ لیجئے، آپ کو معلوم ہے کوتوال صاحب کی مٹھی تو کوّا پہلے ہی گرم کرگیا تھا، کوتوال صاحب نے کہا ہم ایسی لغو باتین اپنے روزنامچہ مین لکھکر اپنا روزنامچہ گندہ کرنا نہین چاہتے، تمھارے لئے مناسب ہے کہ فوراً کوتوالی کے احاطہ سے باہر چلے جاؤ نہین تم پر ٹرتال پڑجائیگی اور بُری طرح یہان سے نکلوائے جاؤگے۔ ہنس بیچارہ کوتوالی سے بھاگ کر قاضی صاحب کی عدالت مین پہونچا اور اپنا دعویٰ دائر کیا، عدالت کی کارروائی ضابطہ کے موافق پوری ہوئی، مدعی و مدعا علیہ دونون طلب ہوئے۔ ہنسنی کے اظہار لئے گئے، مگر ڈائرکٹ اُمین فرش، ہنس ہارا، قاضی صاحب نے ہنسنی کو کوّے کو دلوادی۔ ہنس نے دوبارہ قاضی القضاۃ کی عدالت عالیہ متعالیہ مین مرافعہ کیا

بڑے بڑے لائق وکیل کھڑے کئے، وکیلون نے اپنی اپنی چوٹی کا زور لگا دیا مگر وہی ڈھاک کے تین پات، ہنس بدنصیب ہارا، کوّا جیتا، ہنس زار و قطار روتا ہوا عدالت سے نکلا اور گلشن آباد آیا کہ اپنی مظلومہ مادہ سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا جائے، مگر دیکھا کہ کوّا اپنے گھونسلہ مین پہلے سے آگیا ہے۔ ہنس کو دیکھ کر کوّا مسکرایا اور کہنے لگا آپ نے مجھے اُس دن مرے ہوئے گدھے کا گوشت کھاتا دیکھ کر کتنی گھن کھائی تھی اور طعنہ دیا تھا کہ تو حرام کھانیوالا بڑا ناپاک جانور ہے اگر ہمین معلوم ہوتا کہ تو اس نجاست مین مبتلا رہتا ہے تو ہم کبھی تیرے دروازہ پر نہ آتے جناب عالے میری تو فطرت ہی خدا نے ایسی بنائی ہے، حرام کھانا میرے لئے معیوب نہین ؎

در کوئی نیک نامی ما را گزر نہ دادند گر تو بمن پسندی تغییر کن قضا را

مگر آپ غور فرمائین تو معلوم ہو کہ زمانہ حرام کھانے پر تُلا ہوا ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے یہ سب سے زیادہ حرام کھانے کا شائق ہے۔ کوتوال صاحب سے لیکر قاضی القضات تک کو مین نے رشوت دی اور اُنھون نے اُسے شیرمادر سمجھ کر نوش فرمالیا اور جھوٹے کو سچّا اور سچے کو جھوٹا بنا دیا آپ کی ہنسنی آپ کو مبارک ہو اپنے ساتھ لیجائیے۔ اگر اس بندے نے انھین بُری نظر سے دیکھا تو خدا مجھے کوڑھی اور اندھا کرے، مین نے آپ کا نمک کھایا ہے اگر آپ مجھے بازار مین کھڑا کر کے بیچ لین تو مین غلامون کی طرح بک جاؤنگا۔ اتنی تکلیف مین نے آپکو اسوجہ سے دی ہے کہ آیندہ آپ کسی کو طعنہ نہ دین، حضرات جو موقع اور بیموقع ولقد کرمنا بنی آدم کو پیش فرماتے ہین اُنھین حضرت عمر خیام رحمۃ اللہ علیہ کی اس رباعی کو نہین بھولنا چاہئے ؎

گر مے نخوری طعنہ مزن مستان را گر دست دہد تو بہ کنم یزدان را
تو فخر بران کنی کہ من مے نخورم صد کار کنی کہ مے غلامست آنرا

ہنس نے کہا بھائی ہوشمند تو سچ کہتا ہے نکتہ چینی اور عیب جوئی بہت بری ہے تو میری خطا کو معاف کر مین توبہ کرتا ہون کہ اب کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھون گا۔ ہنس اور ہنسنی شاد اور خوش خوش منزلِ مقصود کی طرف چلدیئے فقط

فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی

انجامِ کار

اللہ اللہ! وہ جنونِ عشق کی شوریدگی
آبلے تیکے تو نوکِ خار سے چھیڑا کیے

ہمکو ہر پیغامِ نا شادی نویدِ عیش تھا
لذتِ غم کو مآلِ زندگی سمجھا کیے

اک خلش تھی کم تھا لیکن مدعائے اضطراب
درد دل پیدا کیا اور چارہ گر ڈھونڈا کیے

گو نگاہِ ناز تھی قلب و جگر پر دشنہ زن
پھر بھی فرطِ شوق مین سینے پہ گل کھایا کیے

تذکرہ ہے یہ جوانی کا کہ جب عالم یہ تھا
پھولون کو روندا کیے کانٹون سے ہم کھیلا کیے

جی وہان لگتا تھا جس جا صحبتِ رندانہ ہو
وعظ کی مجلس سے لیکن دور ہی بھاگا کیے

تلخ تر جتنی تھی مٹی اتنی ہی مرغوب تھی
سمِ قاتل کو بدل تریاق کا سمجھا کیے

غفلتون کی حکمرانی تھی معطل تھے حواس
خواب نوشین عین بیداری مین بھی دیکھا کیے

اک خیابانِ تمنا ہر طرف تھا بارور
جسکی شاخون سے ہجومِ شوق مین لپٹا کیے

یک بیک جھونکے ہوائے تند کے چلنے لگے
رنگ رخ یون اڑ گیا حیرت سے گل دیکھا کیے

ہوش جب آیا تو پیری نے کیا جھک کر سلام
عہدِ رفتہ یاد کر کے دیر تک رویا کیے

وہ ہوائے سیرِ گل تھی اور نہ وہ سرمستیان
کنجِ عزلت مین پڑے تھے موت پر تکیہ کیے

ہمکو قدرت نے ودیعت کی تھین جو نعمتین
وائے غفلت! عیشِ فانی کے لئے کھویا کیے

رفتہ رفتہ ایک فانوسِ تخیل رہ گئی
جسکی ٹھنڈی روشنی مین متصل سوچا کیے

آرزو کا ترک کرنا تھا مآلِ آرزو
کام کیا کرتے تھے ہمکو اور ہمنے کیا کیے

یہ غنیمت تھا کہ شرمندہ ہوئے تائب ہوئے
اعتراف اپنی خطاؤں کا کیا رویا کئے

دیکھکر بحر کرم دل کی کثافت دھو گئی
وہ ندامت میں ملا عصیان میں جو کھویا کئے

عکس میں اُن آنسوؤں کے جو بھرے تھے آنکھ میں
ہم انھیں دیکھا کئے اور وہ ہمیں دیکھا کئے

شاہد مقصود کے آغوش میں نیند آگئی
ہجر کے جاگے ہوئے تھے حشر تک سویا کئے

مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی

عشق

حکیم الطاف احمد صاحب آزاد دہلوی

بیخبر! وجہ بنائے دوسرا بھی عشق ہے
کار انسان ہی نہیں، کارِ خدا بھی عشق ہے

سمِ قاتل بھی ہے، تریاقِ شفا بھی عشق ہے
موت بھی ہے، موت کے دکھ کی دوا بھی عشق ہے

نیک بھی، بد بھی، بھلا بھی، اور برا بھی عشق ہے
آگ بھی، پانی بھی، مٹی بھی، ہوا بھی عشق ہے

رہروو! راہِ محبت میں نڈر آگے بڑھو
صرف رہزن ہی نہیں ہے، رہنما بھی عشق ہے

مشکلاتِ عشق سے گھبرا نہ جانا چاہیے
مشکلاتِ عشق کا مشکل کشا بھی عشق ہے

اہلِ ظاہر کی شریعت ناروا سمجھا کرے
اہلِ باطن کے عقیدے سے روا بھی عشق ہے

شیخ صاحب! عشق کار اہلِ عصیاں ہی نہیں
پیر و مرشد! مسلکِ اہلِ صفا بھی عشق ہے

زندگی میں ترکِ شغلِ عشق کیونکر کیجیے
زندگی بھی زندگی کا مدعا بھی عشق ہے

حضرتِ آزاد! اب آسن مار بیٹھو اور جپو
آتما بھی عشق ہے پرماتما بھی عشق ہے

آزاد دہلوی

ماتمِ نظر

اے نظر! اے عالمِ اسرارِ پنہانِ ادب — آہ اے دلدادۂ حسنِ فراوانِ ادب
اے سراپا مبتلائے لذتِ خوانِ ادب — آہ اے پروانۂ شمعِ شبستانِ ادب
جادہ زا تھا تیرے دم سے رنگِ سامانِ ادب
تجھ سے قائم تھی جہان مین عظمتِ شانِ ادب

نثر مین اور نظم مین لاریب تھا تو بے مثال — تھا کمال افزا تری تحریر اعلیٰ کا کمال
جسمین شاید ہو نہین سکتا کبھی دخلِ زوال — تیرے بس مین اہلیت کی تھی وہ جنسِ لایزال
درحقیقت کب فنا مین ہے فنا تیرے لئے
کارنامے تیرے ہین وجۂ بقا تیرے لئے

ہان مگر سونی پڑی ہے بزمِ اُردو تجھ بغیر — اب نہین باقی کشش کا کوئی پہلو تجھ بغیر
اِک اُداسی چھا رہی ہے آج ہر سو تجھ بغیر — غم سے اربابِ سخن ہین سر بہ زانو تجھ بغیر
قابلِ صد رحم ہے نقشہ دلِ صد چاک کا
آہ وہ صدمہ ہے تیری مرگِ حسرتناک کا

تو گیا کیا شوق کے اسباب رخصت ہو گئے — حوصلے دل کے بالاستیعاب رخصت ہو گئے
وہ مضامین جو کہ تھے نایاب، رخصت ہو گئے — طرزِ اُستادانہ کے آداب رخصت ہو گئے
مٹ گیا سب اوجِ اندازِ بیانِ لکھنؤ
بے زبان سی ہو گئی گویا زبانِ لکھنؤ

لیکہ موزوں ساز تھا یکسر ترے اشعار مین — کسقدر تاثیر تھی تیرے دمِ اظہار مین
سادگی کا رنگ تھا کیا کیا ترے افکار مین — فطرتی جذبات کی لے تھی تری گفتار مین

جس سے احساسات کا گنجینہ بنجاتا تھا دل
اِک دلِ جاندار کا آئینہ بنجاتا تھا دِل

کیا تھی تیری زندگی صرف اسلیئے ناکامیاب — آکے دنیا مین اُٹھائے رنج تونے بیحساب
اصل مین لیکن وہی تیرا دمِ حسرت مآب — تیری اس ہستی کو ثابت کر رہا ہے لاجواب

ایسی آشفتہ بیانی کس کو ہوتی ہے نصیب
ایسی دلکش زندگانی کسکو ہوتی ہے نصیب

درد کے اب دلنشین انداز دکھلائیگا کون — ہر نفس طبعِ جہان سے ساز دکھلائیگا کون
فکر کی موزونیٔ پرواز دکھلائیگا کون — شاعری کا اب ہمین اعجاز دکھلائیگا کون

سب تماشے خوبیٔ تسخیر کے جاتے رہے
حسنِ بندش کے مگر سارے مزے جاتے رہے

اے نظر! وہ تیری پاکیزہ بیانی اب کہان — تھا جو رُوح افزا وہ اظہارِ معانی اب کہان
ذکرِ حسن و عشق وہ تیری زبانی اب کہان — عام جذبون کی وہ اعلیٰ ترجمانی اب کہان

دیدنی تھی تیرے اِس رنگِ تغزّل کی بہار
اب نہین باغِ سخن مین لالہ و گل کی بہار

ہائے تیرے شوقِ بے پایان کی وہ مجبوریان — لحظہ لحظہ جن سے بے بس تھا ترا قابِ تپان
گو رہین درپیش دائم مشکلاتِ بیکران — گھٹ سکی لیکن نہ تیری تیزیٔ جوشِ نہان

بَن کے یون القصّہ تو اپنی تمنّا کا شہید
ہو گیا روئے ادب کے حسنِ زیبا کا شہید

آہ یکدم ہو گیا کیا فشارِ آرزو — وقفِ نومیدی ہے قلبِ تازہ کارِ آرزو
کون اب کھینچے گا نقشِ بیشمارِ آرزو — چل بسا اُف اک سراپا سوگوارِ آرزو

سحرؔ آخر کام ہی دنیا مین باقی رہگیا
اب نظر کا نام ہی دنیا مین باقی رہگیا

اقبال ورما سحرؔ

شادی و غم

(۱)

بہار آئی ہے، غنچے ہنس رہے ہین پھول کھلتے ہین
چمن مین ناچتی پھرتی ہے خوشبو مست ہو ہو کر
نمودِ شام کا عالم ہے، دونون وقت ملتے ہین
طیورِ خوش نوا گاتے ہین ہر سو مست ہو ہو کر

(۲)

تماشا دیکھنے والون کا ہے اسوقت یہ عالم،
کہ میلا سا لگا ہے ہر طرف صحنِ گلستان مین
مگر مین ہون کہ اک گوشے مین تنہا دلِ پُر غم
بھرے بیٹھا ہون کچھ سوکھے ہوئے پھول اپنے دامان مین

(۳)

سرشک آلودہ آنکھین لگ رہی ہین جانبِ گلشن
رُخِ بے رنگ سے ظاہر ہی جوشِ دردِ پنہانی
جگر پر ہاتھ ہے اور ہاتھ مین پھولون بھرا دامن
وہ دامن جس پہ صدقے ہو رہی ہے چاک دامانی

(۴)

نہ حسرت سیرِ گلشن کی، نہ رغبت گل کی نکہت سے
کہ یہ جذباتِ دل ہین اور دل ہے محو شیون مین
خوشی کیسی! مجھے تو رنج ہوتا ہے مسرت سے
مین رو دیتا ہون کوئی پھول جب ہنستا ہے گلشن مین

(۵)

مرے دل سے کوئی پوچھے حقیقت دارِ فانی کی
کہ اسکی ہر مسرت رنج کا پیغام لاتی ہے
سمجھ جاتا ہون، جب آتی ہین گھڑیان شادمانی کی
کہ اب آتی ہے، اب کوئی مصیبت مجھ پہ آتی ہے

(۶)

انھین پھولون کو دیکھو جو بھرے ہین میرے دامن مین
یہی کل تک بہار افزائے گلزار و خیابان تھے
انھین کے حسن و نکہت کی مچی تھی دھوم گلشن مین
یہی وہ ہین کہ جن سے حسن والے گل بدامان تھے

(۷)

مگر اب مٹ مٹا کر بن گئے ہین پیکر عبرت
ہنسے ایسے کہ ان پر رونیوالا بھی نہین کوئی
بہت ہو جاتے ہین یون تو شریک شادی و راحت
مصیبت مین جو کرلے یاد اتنا بھی نہین کوئی

(۸)

اسی کا نام دنیا ہے، یہی دنیا کا عالم ہے
حیات جاودان بھی ہو تو اسکی زندگانی کیا
حقیقت مین بنائے ہستی فانی فقط غم ہے
تو پھر سوچو کہ ہم کیا اور ہماری شادمانی کیا

(۹)

غرض رنج و الم ہین عیش و راحت سے کہین اچھے
یہ ہوتے ہین تو دلمین رہتی ہے حسرت مسرت کی
انھین سے مسئلے حل ہوتے ہین صبر و قناعت کے
بغیر انکے کبھی ملتی نہین لذت مسرت کی

(۱۰)

مگر شادی و عشرت کی تو ہے کچھ اور ہی حالت
کہ ان مین محو ہو کر ہم خدا کو بھول جاتے ہین
خوشی سے ہمکو ملتی ہے فقط اک دنیوی لذت
مگر رنج و الم الطاف یزدانی بڑھاتے ہین

(۱۱)

بہت اچھے ہین وہ جنکو بجائے خرمی غم ہو
کہ تسلیم و رضا جوئی کی یہ غیبی ہدایت ہے
بری وہ شادمانی جسکا حاصل رنج و ماتم ہو
غم اچھا ہے کہ اسکی انتہا عیش و مسرت ہے

(۱۲)

تمنا ہے کہ یارب کاش ہم بھی رات دن روتے
میسر ہی نہ آتین عیش کی گھڑیان کبھی ہمکو
اگر شادی و غم قسمت مین لکھے تھے تو یون ہوتے
خوشی کا رنج ہوتا، رنج کی ہوتی خوشی ہمکو

تسکین

نرم گفتاری

کرو کلام بہ نرمی، کہ نرم گفتاری
ہزار سخت کلامی سے کارگر ہے سوا
کرو کلام بہ نرمی، کہ تیز و تند کلام
نہ کار خیر کو کر دے ذلیل اور رسوا

کرو کلام بہ نرمی، جو طفل کم سن سے
تو ہے یقین کہ وہ مانوس تم سے ہو جائے
سکھاؤ اُسکو شفیقانہ نرم لہجے مین
کسی کو کیا ہے خبر، کب یہ لعل کھو جائے

کرو کلام بہ نرمی، ہمیشہ بوڑھون سے
دل شکستہ کو کیون اور پائمال کرو
جہان سے اِنکو بہ امن و امان گذرنے دو
یہ قعرِ گور مین گرنے کو ہین، خیال کرو

کرو کلام بہ نرمی، سدا غریبون سے
کبھی نہ انسے ہو تم برسرِ کلام درشت
کمی ہے کیا غم و حسرت کی آہ! اِنکے لئے
کہ تم بھی ان پہ رکھو خنجرِ کلام درشت

کرو کلام بہ نرمی، ذرا سی بات ہے یہ
عمل جو اس پہ تمھارا بطرزِ احسن ہو
تو ایک روز وہ آئیگا جبکہ دیکھوگے
گلِ مراد سے تم بھر کے میٹھے دامن ہو

(ترجمہ از انگریزی)

تلوک چند محروم

لطف سخن

جناب اصغر گونڈہ

مجھ کو وہی کافی ہے ساقی نرمی مینا سے
جو کھنچ کے چلی آئے خود جذب تمنا سے

عالم کی فضا پہ چھو محروم تمنا سے
بیٹھا ہو ادنیا مین اٹھ جائے جو دنیا سے

تم دید کو کہتے ہو، آئینہ ذرا دیکھو
خود حسن نکھر آیا، اس کیف تماشا سے

کب رندی و سرمستی شایان ثقاہت ہے
کچھ بس بھی چلے لیکن اس نرگس رعنا سے

دل نذر تو کرتے ہین ہو ٹھوڑن پہ تبسم کیون
کیا جان بھی لیلوگے اس حسن تقاضا سے

اس زلف سے پایا ہے انداز پریشانی
مستی کے چلن سیکھے اس نرگس رسوا سے

رہ رہ کے چمکتی ہے وہ برق تبسم بھی
لہرین سی جو اٹھتی ہین کچھ چشم تمنا سے

اے جان ستم کیشی، تبلادے خطا میری
کچھ اور نہ سمجھین سب اس رنجش بیجا سے

مرزا جعفر علی خان صاحب اثر

وفا کا سیکھ لے تم سے کوئی صلا دینا
بجاے فاتحہ نقش لحد مٹا دینا

کرو یہ فکر کہ دم سہل مین نکل جائے
مریض ہجر کو اب زہر ہے دوا دینا

یہ امتیاز محبت مین اے جنون کیسا
دل و جگر کی حد مین تو وزا ملا دینا

نگاہ شوق یہ کہتی ہے جذب پنہان سے
حریم ناز کا پردا ذرا اٹھا دینا

خدا سے داد طلب حشر مین وہ کیہ نکر ہو
کہ جسکا ورد تھا بیداد پر دعا دینا

ہر ایک حسرت مردہ مین پھر سے جان آئی
غضب تھا نزع مین کافر کا مسکرا دینا

شکستِ دل کا ترانہ جو سُن کے ہنستے ہیں کراہنے کی صدا بھی اُنھیں سنا دینا

کسی کا ہائے یہ کہنا اثر سے وقتِ وداع
جو ہو سکے تو ہمیں دل سے تم بھلا دینا

جناب حکیم جگر بسوانی

لہو سے ہاتھ بہر طور لال کرتے ہیں قصور ہو کہ نہ ہو وہ حلال کرتے ہیں
ہمارے بعد بہار اِ خیال کرتے ہیں جو دل نہیں وہ لحد پائمال کرتے ہیں
وہ بدگمان ہیں ابھی تک کمال کرتے ہیں حلال کرکے ہمیں پھر حلال کرتے ہیں
وہ سُن چکے جو مرا مدعائے دل تو کہا جواب کچھ نہیں ملتا سوال کرتے ہیں
ہم اپنی جان سے عاجز ہیں پھیر دیں خنجر اُنھیں بلاؤ جو سب کو حلال کرتے ہیں
چھری گلے پہ ہے وہ سوچتے ہیں کچھ دل میں نہ چھوڑتے ہیں نہ ہمکو حلال کرتے ہیں
خدا سے جاکے کچھ اُنکا گِلا نہیں کرتا گلے لگاکے وہ جسکو حلال کرتے ہیں
ہمیں سے کہتے ہیں دل پائمال ہوتا ہے ہمارے سامنے دل پائمال کرتے ہیں

بغیر اُسکو سنائے نہیں قرار آتا
جگر سے آپ محبت کمال کرتے ہیں

جناب کمتر بسوانی

آہ وہ بُلبُل کہ جسکی روح تھی جانِ بہار مرگئی کُنجِ قفس میں لے کے ارمانِ بہار
جب وہ بہر سیر آئے باغ میں وقتِ سحر ہنس پڑیں کلیاں چمن کی بڑھ گئی شانِ بہار
خون تو یہ کیوں نہ ہے منظرِ تو یہ شکن یہ چمن سرسبز یہ اودی گھٹا جانِ بہار
اس طلسمِ گلشنِ ہستی کا کیا ہے اعتبار ہائے کس دن کیلئے! بُلبُل یہ ارمانِ بہار
پھر ہوا سرسبز گلشن پھر بہار آئی تو کیا مرنے والا مرگیا جب کے ارمانِ بہار

بعد مردن پھول تربت پہ چڑھائے جائینگے
قبر تک کمتر رہیگا سر پہ احسانِ بہار

جناب واقف بسوانی

نہ پوچھا نہ سمجھے جفا کرنیوالے
یہ کیا چاہتے ہین وفا کرنے والے

کہین حشر مین کیا وفا کرنے والے
گلے مل رہے ہین جفا کرنے والے

زمانہ سے کیون مشورہ کر رہے ہین
مرے قتل کا حوصلا کرنے والے

بدلتے ہی موسم قفس سے نکالا
ہوا دیکھتے ہین رہا کرنے والے

سُن اے جذبِ دل کسکی آواز آئی
ٹھہر جا ہم آئے دعا کرنے والے

نظر دیکھکر اہل دل کہہ رہے ہین
یہی ہین دلون کے جدا کرنے والے

ابھی ابر رحمت برستا ہے آکر
اُٹھائین تو ساغر دعا کرنے والے

جہان درد تھا کیون لگاتے یہ نشتر
جو ہمدرد ہوتے دوا کرنے والے

پڑے ایسے عشقِ بتان مین کہ واقف
ہوئے دل سے یادِ خدا کرنے والے

از حامد اللہ افسر۔ بی۔ اے

مُقدّر مین ستم سہنے کو عمرِ جاودان رکھدی
شہیدِ غم کی دو لفظون مین ساری داستان رکھدی

قفس مین تو نہ ترسا اے تصور کیا قیامت ہے
یہان کیون لاکے تصویرِ بہارِ بوستان رکھدی

جلانا تھا تو کافی تھی خزان کی یاد بلبل کو
بہارِ خوش فزا! کیون آگ زیرِ آشیان رکھدی

بدل دے میری شامِ ہجر کو صبحِ قیامت سے
الٰہی کیون تڑپنے کو شبِ غم درمیان رکھدی

ہزارون کو اثر سے حسن کے برباد کرنا تھا
کہ تارون کی زمین پر گردشِ ہفت آسمان رکھدی

مرے دل کو تسلی دیتی ہے لب بستگی اُنکی
الٰہی تو نے خاموشی کے مُنھ مین بھی زبان رکھدی

کوئی درد آشنا ہوگا ہی، اتنے سُننے والون مین
غزل مین آج افسر مین نے اپنی داستان رکھدی

زمانہ

جلد ۱۴۱ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء نمبر ۴

بدھ مت کی کتب مقدس

(از رائے بہادر پنڈت سیو نرائن شمیم ایڈوکیٹ)

سنہ ۱۹۰۹ء مین شہر پیرس مین پروفیسر لیوی نے بدھ مت کی کتب مقدس پر ایک لکچر دیا تھا۔ یورپ کے عالمون کی تلاش اور تحقیقات کو ملاحظہ کیجئے اور ہم لوگون کی ناواقفیت کو خیال کیجئے۔ خود بدھ مت والون کو شاید اتنی معلومات نہین۔ بدھ مت والون کو غیر ملک کے پروفیسر بتلاتے ہین۔ طرفہ یہ ہے کہ ہندوستان مین جہان مہاتما بدھ نے جنم لیا تھا ان کتابون سے جن کا ذیل مین ذکر آئے گا شاید کسی نے نام سنا ہو۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہین کہ

ہر ایک ترتیب یافتہ مذہب کے کسی نہ کسی مرحلہ پر ایسا موقعہ آتا ہے کہ وہ اپنے شرع کا مجموعہ تیار کرتا ہے جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اُن کے پیرو اوسکو اپنا ہادی بنا دین اور مخالفین کے جواب کے لیے اوسکو مستند سمجھین۔ چنانچہ یہودیون نے تورات مرتب کی۔ عیسائیون نے انجیل مرتب کی اور مسلمانون نے قرآن کی آیتین جمع کین۔ برہمنون نے ویدون کو ترتیب دیا۔ علی ہذا اُنہون نے اپنے کتب مقدس کو جمع کیا اور تین حصون پر تقسیم کیا جنکو اُنہون نے ۳ ٹوکریون کے نام سے نامزد کیا گویا یہ مقدس کتابین ہین جنمین بدھ بھگوان کی تعلیم اور اونکا کلام درج ہے۔ ان تین ٹوکریون کا نام۔ سوتر۔ ونایا۔ ابھی دھرما ہے۔

ٹوکری نمبر ۱۔ سوتر۔ اسمین جمع مجموعہ اپدیشون اور سبق آموز کہانیون کا ہے جو اسطرح سے شروع ہوتی ہین "چنانچہ مینے ذات بابرکات کو اسطرح سے فرماتے سنا وغیرہ وغیرہ"۔ انکی تقسیم چار حصون پر ہے

مضمون طویل دیگا نکایا کہلاتا ہے۔ اسکی تعداد ۳۴ ہے۔
مضمون متوسط۔ مجھانکایا کہلاتا ہے اسکی تعداد ۱۵۲ ہے۔
مضمون متفرق۔ اسکا نام سموتا نکایا ہے۔ یہ مجموعہ بہت سے مضامین کا ہے اسکی تعداد ۷۶۲ ہے۔
مجموعہ شمار۔ اسکا نام انگت تارا نکایا۔ یہ ایک سے شروع ہوکر گیارہ تک مرتب کیا گیا ہے۔
شمار مین ۹۵۵۷ مضمون ہین۔

ان چار کے علاوہ ایک اور متفرق مجموعہ ہے جس کا نام کُھد کا نکایا ہے جسکو ہم اُردو مین مجموعہ خورد کہہ سکتے ہین یہ اصل حواریون کا کلام ہے جو وہ کہتے ہین مہاتما کی زبانی ہے اس مجموعہ مین ذیل کے باب ہین۔

(۱) کھد کا پاٹھ۔ چھوٹے مضمون ہین جو دیگر مجموعون مین بھی ملتے ہین۔
(۲) دھم پاد۔ مہاتما کا کلام منظوم کیا گیا ہے۔
(۳) اڈانا۔ چند مفید کہانیان ہین جن سے اخلاقی سبق نکلتے ہین۔
(۴) ایتی وتکا۔ مختصر اپدیش ہین۔
(۵) ستانپاتا۔ مجموعہ فقرون اور جملون کا ہے جو لاکلام قدیم ہین اور دیگر مجموعون مین پائے جاتے ہین
(۶) ہیترا گاتا ہیتری گاتا۔ یہ نظمین ہین جو سنیاسی اور سنیاسنون نے تصنیف کین ہین۔
(۷) جاتک۔ مہاتما کی گذشتہ زندگیون کی ۵۴۷ حکایتین ہین۔
(۸) نڈیسا۔ یہ شرح ہے ۳۳ عبارتون کے جو ستانپاتا سے لیگئین جو سری پت نے لکھی۔
(۹) پتی سمبدھا مگا۔ ہدایت ہین جس سے سلک کے حق دریافت کرنے مین مدد ملتی ہے۔
(۱۰) اپ دانا۔ سنتون اور سنتنیون کی سوانح عمریان ہین۔
(۱۱) بُدھیا ونس۔ بُدھون کے جانشینی کی تواریخ۔
(۱۲) کریا پھٹکا۔ بُدھ کے گذشتہ زندگیون کا حال منظوم کیا گیا ہے۔

ٹوکری نمبر ۲ ونایا اسمین بودھی سنیاسی اور سنیاسنون کے طریق زندگی کا ذکر ہے۔ ایک ہی ہدایت دو دفعہ بیان ہوتی ہے۔ ایک دفعہ مرد کے لئے اور دوسری دفعہ عورت کے لیے۔ اس مجموعہ کے تین حصے ہین۔

پتی موکھ۔ یہ عام مین موقعہ اعترافِ گناہ کے پڑھا جاتا ہے باپون اور اُنکے اپاؤ کا ذکر آتا ہے۔
مہان واگ۔ اسمین بعض سوانح عمری مہاتما کا ذکر ہے۔ فرائض کا ذکر ہے اور اُنکے وجوہات بھی درج ہین۔

کل واگ۔ اسمین بھی اسی قسم کے مضامین ہین آخر پر اُن کونسل فیصلہ کنندگان کا ذکر ہے جو بعد وفات مہاتما کی منعقد ہوئی ہین۔

سوتا وہی بھنگا۔ پتی موکھ کی تشریح ہے۔ اسمین ہر ایک پاپ کی ابتدا صراحت سے بیان کیگئی ہے، دلایل پاپ ہونے کے دی گئین ہین اور اونکی تلافی یعنی اُپاؤ بیان کیا گیا ہے۔

پری وار اسمین سوال وجواب درج ہین اور متذکرہ بالا، مورد دہرائے گئے ہین۔

ٹوکری نمبر ۳۔ ابھی دھرما | یہ مجموعہ اُس اہمیت اور پایہ کا نہین جیسے کہ باقی دو یعنی سنتا۔ اور ونایا ہین دراصل یہ علم طبعی علم موجودات فلسفہ وغیرہ کی کتابون کا مجموعہ ہے۔

جنکے نام یہ ہین:۔ ۱۔ دھاما سانگنی

۲۔ دی بھنگا

۳۔ کھتاو تو

۴۔ پگل آنپاتی

۵۔ دھاتو کاتھا۔

۶۔ یامکا۔

۷۔ پتھانا

واضح ہو کہ بدھ بھگوان کی عین وفات کے بعد ایک کونسل منعقد کیگئی جسمین انند نے سوتر پڑھے یہ شاگرد رشید مہاتما کا چچازاد بھائی تھا۔ ایک حجام جو بڑا متقی زاہد تھا اُسنے ونایا سنایا پانچسو فقرا کی موجودگی مین اُنکی تصدیق کیگئی۔ ابھی دھرما کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسکو مہاتما نے پہلے دیوتاؤن کو خطاب کیا تھا اور کچھ عرصہ بعد ان کو اُسنے آگاہ کیا۔ سو سال بعد پھر کونسل ہوئی اور دس مسایل جو زیر تنازعہ تھے حل کئے گئے۔ باوجود اس فیصلہ کے بھی دھرم مین کئی فرقے ہوگئے پھر ۲۳۷ سال بعد اشوک جو ہندوستان کا شہنشاہ ہوا، ایک اور کونسل منعقد کی اور مجموعہ شرع کو شاہی حکم سے مستند ہونیکی سند دی گئی ان مستند کتابونکو کونسل مین لیے ہندوستان سے ایشیا کی مختلف حصون مین اپدیشک روانہ کیگئے

نورِ ضمیر

بعض دفعہ انسان وہ باتین سُنتا اور دیکھتا ہے، جو کبھی اَن ہوئی اور اَن سُنی شمار ہوتی ہین بعض اوقات بیداری مین بھی ایسی باتین ہوتی ہین، اور بعض دفعہ خواب مین بھی، بیداری اور خواب مین بہت تھوڑا فاصلہ ہے، بیداری مین ہم جو کچھ دیکھتے ہین، بسا اوقات عالمِ خواب مین بھی دیکھتے اور سُنتے ہین۔ خواب کا عالم بھی ایک عجیب عالم ہے، خواب مین ہوتا ہر شخص ہے، اور ہر شخص خواب دیکھتا بھی ہے، کوئی تعبیرِ خواب کا معترف ہے اور کوئی نہین، کوئی کہتا ہے کہ خواب سچے بھی نکلتے ہین اور کوئی کہتا ہے، یہ محض وہم و خیالات کا ہجوم ہوتا ہے۔ بہتون نے اسکی تصدیق اور اثبات مین کتابین بھی لکھین، اور بہتون نے اپنے اپنے رنگ مین اسکی تردید بھی کی، لیکن اسپر بھی کسی سے یہ نہ ہوسکا کہ عالمِ خواب سے اِنکار کرلے۔ تعبیرات اور صدق و کذب خواب کی بات کچھ اور ہے۔ نفسِ خواب سے ہم ایسے ہی انکار نہین کرسکتے جیسے نفسِ خواب یا نیند سے انکار نہین کیا جاسکتا۔

ایک رات دو شخص جنگل مین چلے جاتے تھے۔ صبح ہونے ہی کو تھی کہ اِنکے بائین طرف روشنی کا ایک شعلہ نمودار ہوا، یہ روشنی مختلف رنگ رکھتی تھی کبھی سبز ہوجاتی تھی، کبھی سُرخ اور کبھی زرد اور کبھی سیاہ کبھی آسمانی، یہ بوقلمون روشنی دیکھکر دونون شخص حیران ہوکر کھڑے ہوگئے۔ رفتہ رفتہ روشنی کا شعلہ نزدیک آتا گیا، جب بالکل قریب ہی آگیا تو ان مین سے ایک شخص نے ڈرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کیا ہے، شعلہ مین سے آواز آئی کہ مین، نورِ ضمیر اور نورِ قلب ہون۔

یہ سُنکر اور بھی خوف طاری ہوا، یہ دونون آگے بڑھے، اور اُس پر نور ہستی کے اِرد گرد طواف کرنے لگے۔ اس ہستیٔ روشن کے آگے سر جھکایا، اور کہا کہ اے پیارے ضمیر، اے نورانی ہستی تیری شکل اسقدر نورانی اور پیاری ہے کہ اس سے پہلے ہماری نظر مین نہین گذری۔ کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہین کہ تیرا مسکن کون سے پہاڑ اور کون سے جزیرے مین ہے۔ مشرقی ہے یا مغربی، انسان ہے یا فرشتہ

تیرے درشن کسی قسمت والے ہی کو نصیب ہوتے ہین، ہم نہین کہہ سکتے کہ ہماری تقدیر مین کیا کچھ لکھا ہے۔ مگر تیری نورانی شکل اور بارعب صورت کہہ رہی ہے کہ تو ایک عدیم النظیر ہستی ہے۔ اگر اس جنگل مین آکر ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہو، تو وہ ازراہِ کرم معاف کر، کیونکہ ہم یقین کرتے ہین کہ تیرا مسکن یہی جنگل ہے مگر ہم حیران ہین کہ ایسی مقدس اور نورانی ہستی اس بیابان و جنگل مین کیون عزلت گزین ہے۔ اگر یہ ہستی انسانون مین رہے تو ہم اسکی قدر و منزلت اور پرستش ایسی کرین کہ کوئی اور نہ کرسکے۔

نورانی شعلہ مین سے آواز آئی، مین اس جنگل مین نہین رہتا ہون، میرا مسکن تو وہ مقام ہے جسے عرشِ خدا کہتے ہین۔ مین دلون مین رہتا ہون، اپنے اپنے بائین پہلو پر ہاتھ رکھ دیکھو کہ میرا بسیرا اسی آشیانہ مین ہے، مین تمھارے دل مین رہتا ہون، افسوس ہے کہ تمھین اب تک یہ بھی علم نہین ہے

(الف) اِن دونون مین سے الف بولا، یہ بات تو سمجھ مین نہین آتی، آپ ایک نورِ مجسم ہین آپکا وجود سراسر نور ہے، جس نور کی کرنین سارے جنگل اور دشت کو منور بنا رہی ہین جس نور مین ایک قسم کی کشش اور جذب ہے، اگر یہی نور ہمارے پہلو مین منور ہوتا تو ہم آپ کو دیکھتے ہی پہچان نہ لیتے۔ آپ ہم سے ہنسی کرتے ہین۔

(ضمیر) نہین نہین، مین سچ کہتا ہون کہ میرا مسکن تمھارا دل ہی ہے، اور مین وہین بسیرا کرتا ہون۔ ہنسی نہین۔

(ب) ہنسی نہین تو اور کیا ہے۔ نور ہم مین رہے اور ہم دیکھتے ہین کہ ہم اس نور سے کوئی حصّہ بھی نہین رکھتے، آپ کا چہرہ اور بشرہ کیسا نورانی اور درخشان ہے، اور ہم کیسے سیاہ فام ہین۔

(الف) آپ کیا کہتے ہین، اگر آپ وہی ہستی اور وہی نور ہین، جو ہم مین موجود ہے تو اس سے پہلے آپ ہمین کیون نہ نظر آئے، اور اس سے پہلے کبھی ایک دفعہ بھی بات چیت نہ کی۔ آفتاب اور ماہتاب جب درخشان ہوتے ہین تو انکی کرنین نکل نکل کر اردگرد کی ساری چیزون کو روشن کردیتی ہین، آپ جیسی نورانی ہستی ہم مین رہے، اور ہم اُس سے مستفید نہ ہون، یہ تو وہی مثل ہے۔ چراغ کے نیچے اندھیرا۔

(ضمیر) دوستو یہ کوئی اَن ہوئی اور اَن سُنی حقیقت اور کیفیت ہے، مین غلط نہین کہہ رہا ہون

کیا تمھارے پہلو سے میرے کہنے پر کسی قسم کی صدا نہین آتی، اور میری تصدیق نہین ہوتی۔ غور تو کرو۔

(الف) گستاخی معاف ہم اس مخول کے قائل نہین آپ ہمین دھوکہ مین ڈالتے اور جل دینا چاہتے ہین، جناب من ہم بھی کچی گولیان نہین کھیلے ہین، اگرچہ نورانی نہین ہین، مگر اس تاریکی مین بھی سب کچھ بھانپتے ہین۔

(ب) حضرت من، گو ہمکو وہ نورانیت حاصل نہین، جو قدرت نے آپ کے حصے مین رکھی ہے، مگر ہم بھی نفس ناطقہ اور علم النفس کی حکایات سن چکے ہین، استدلال ہم بھی کم و بیش کر سکتے ہین، شاید آپ کی باتون مین کچھ صداقت بھی ہو، مگر ہم یہ کیونکر یقین کرین، کہ آپ ہمارے پہلو ہی سے روپ دھار کر نکلے ہین، اور موجودہ مجسمہ مین دکھائی دیتے ہین، ہم بھی مانتے ہین کہ بعض انسان خیال وہم اور نفس انسانی کے ذریعہ سے اسقدر مشق بہم پہونچا لیتے ہین، کہ دوسرون پر طرح طرح کے اثر ڈال سکین، اور تصرف بلیغ سے دوسرے لوگون کے واہمہ کو ایسا مغلوب کر دیتے ہین کہ جو چیز فی الحاصل موجود نہین ہے، وہ موجود دکھائی دیتی ہے، یہ بھی ایک قسم کا جادو ہوتا ہے، مگر یہان تو بات ہی کچھ اور ہے، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خود ہماری ضمیر ہی مجسم ہو کر ہمین نظر آئے۔ اگر آپ ہمارے ہی پہلو سے نکلے ہوتے تو ہمارا پہلو خالی ہوتا اور ہم اس کا احساس بھی کرتے۔

(ضمیر) اگر آپ کے نزدیک بعض لوگ چولا بدل کر دوسرون پر اثر ڈال سکتے ہین تو کیا پیر ضمیر مین یہ قدرت نہین کہ وہ بھی ایسا کر سکے۔ رہی یہ بات کہ تمھین اسکا احساس نہین ہوا، یہ دلیل تو مضبوط نہین، جب نور قلب مدھم پڑ جاتا ہے، تب احساس مین بھی کمی آجاتی ہے۔

(الف) قبلہ ہم تو سرے سے ایسے نور قلب کے قائل ہی نہین۔

(ضمیر) کیا تم اپنے پہلو اور ودیعت پہلو کے بھی قائل نہین ہو

(ب) شرع مین شرم کیا انہین،

(ضمیر) کبھی تم نے اپنی پسلی پر ہاتھ رکھکر بھی دیکھا۔

(ب) سو دفعہ۔

(ضمیر) سچ کہو اس سے کوئی صدا تو نہین آئی۔

(الف) حضرت وہ بھی کوئی گھڑی ہے کہ صدا آئے۔ ہرگز نہین۔

(ضمیر) جب تم کوئی برائی اور کوئی نیکی کرتے ہو تو پھر بھی تمھارے کانون مین خاموشی کے ساتھ کوئی آواز نہین آتی۔

(الف) ذرا ٹھہر کر مین کیا کہون آواز تو نہین آتی، مگر دماغ مین خیال آتا ہے کہ ایسا کرو یا ایسا نکرو مگر یہ تو میرا اپنا خیال ہے۔

(ضمیر) خیر کسی طرح ہو کچھ تو احساس ہوتا ہے۔

(الف) ہان ضرور ہوتا ہے۔

(ضمیر) پھر تمھین کہنا کیا ہے، اور ایسا کیون ہوتا ہے۔

(ب) یہ تو حضرت معمولی بات ہے، سلسلۂ خیالات زندگی کے ساتھ وابستہ ہی، ہر قسم کے اچھے بُرے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہین۔

(ضمیر) اگر فی الواقع ایسا احساس ہوتا ہے تو اسپر دھیان کیون نہین کرتے، سنو حضرات یہ احساس ہی تو ایک قسم کی آواز اور صدا ہے، یہی دوسرے الفاظ مین دل کی آواز ہے۔

(الف) کیا آپ یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہین کہ آپ ہماری ہی پسلی سے نکلکر یہ رُوپ دھار کر وجود پذیر ہوئے ہین، اور اس نورانی قالب مین درشن دے رہے ہین۔

(ضمیر) مین تو نہین کہتا، آپ ہی کہتے ہین۔

(ب) آپ کی نورانیت اور رعب کا یہ اثر ہے کہ ہمارے مونھ سے بات تک نہین نکلتی، آپ فرشتہ ہین، جن ہین، انسان ہین، ابھی تو کچھ رات باقی ہے، دن کے وقت شائد کیا کچھ گل کھلے، آپ ہین کون؟

یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ مشرق کی جانب سے ایک برقی رَو آئی اور جنگل کو چیرتی ہوئی نکل گئی نور مین نور مل گیا، اور نورانی مجسمہ اور بھی نور بیز ہو کر متحرک مزید حیرت ہوا، دونون انسان ایسے محو تماشا ہوئے کہ ہوش ہی اُڑ گئے، اور دھم سے زمین پر گر گئے۔ اب معلوم نہین کہ وہ کہان پڑے ہین، اور نور قلب کا مجسمہ کہان ہے۔ ضمیر نے آہستگی سے اُنکے بدن کو چھوا، اور اُنکے بائین جانب ہاتھ رکھا جن سے انکے دلون مین تڑپ سی پیدا ہوئی، اور وہ ایک طائر کی طرح وجد مین آ کر اُڑنے لگے

اور دونون کے جسمون مین سے نور کی کرنین نکلنی شروع ہوئین، اور رفتہ رفتہ بدن اور بشرہ بھی نورانی ہونے لگا، یہ دیکھکر نورانی ہستی تھوڑی دور پرے جاکر کھڑی ہوئی، اور پڑھ پڑھکر ان پر کچھ پھونکتی رہی۔

کچھ وقفہ کے بعد دونون نوجوان ہوش مین آگئے، اُنکے چہرے نورانی تھے اور اُنکی آنکھون مین ایک قسم کی نورانیت بھر رہی تھی، پہلو پر ہاتھ جو رکھتے ہین تو اُسمین بھی ایک قسم کی تڑپ پاتے ہین، نہ وہ خوف تھا، اور نہ وہ حیرت، دیکھتے ہی دونون نے خوشی خوشی ضمیر سے ہاتھ ملائے اور کہا کہ سچ مچ تمھاری باتون مین ایک جادو اور کشش ہے، شبہ نہین کہ قدرت نے ہمارے دل مین بھی ایک نور پیدا کیا ہے۔

(ضمیر) کہو اب کیا کیفیت ہے، اب تو تم بھی میری طرح نورانی جذبات رکھتے ہو، بیہوشی مین ہوش آگیا، حیرت مین ہوکر سنبھل گئے، تمھارے بھاگون تو دیکھتے ہی دیکھتے سچ مچ جنگل مین منگل ہوگیا اب تو سمجھے کہ بات کیا ہے۔

(الف) ہان کچھ نہ کچھ کایا پلٹ تو ضرور ہوگئی ہے، اور نورانیت بھی کچھ کچھ ہے، پہلو سے بھی خاموشی کے ساتھ آوازین آتی ہین، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ہمارے دل مین ایک نورانی قوت رکھی ہے، ابھی ابھی میرے دل مین ایک بُرا خیال آیا تھا، اور سچ کہون نہ کہون خود آپ ہی کی نسبت ذرا بدظنی شروع ہوئی تھی کہ اندرونی ہاتھ سے گویا میرے مونھ پر طمانچہ مارا گیا، اور ساتھ ہی یہ آواز بھی آئی کہ "این ایسی بدظنی اور پھر ایسے بزرگون کی بابت توبہ"

کہو اس سے زیادہ ان ہوئی اور ان سنی اور کیا ہوگی، ہم دونون نے جو کچھ ان آنکھون سے دیکھا اور ان کانون سے سُنا شاید ہی کسی اور نے دیکھا اور سُنا ہو، ہمارے واسطے تو یہ پہلا موقعہ ہے ممکن ہے کہ اس سے زیادہ بھی ہم پر کچھ کھلے۔

(ضمیر) پہلا موقع نہین شروع ہی سے ایسا تماشا دیکھتے اور سنتے ہو مگر غور نہین کرتے۔

(ب) جب ہم مدہوش اور بے حواس تھے ہمین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم پر کوئی اور طاقت غالب تھی، اور کسی کا ہاتھ ہمارے سینہ پر تھا، ہم اب تک حیران ہین۔

(الف) ہان مین بھی ایسا ہی محسوس کرتا تھا۔

(ضمیر) تم نے یہ غور کیا کہ یہ کیا راز تھا، یہ وہی قوت تھی جو قدرت نے ایک نور قلب کی صورت مین تمھارے دل مین ودیعت کی ہے، یہ وہی نور ہے جو ازل مین تمھارے دلون مین بھر اگیا تھا، یہ وہی امانت تھی جسکی بابت کہا گیا ہے، کہ یہی حضرت انسان کی شرافت کی برہان ہے، اور اسی پر اسے فخر بھی ہے۔

(ب) ہان ہان یہ تو رات ہے، لیکن کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ اس نور مین کبھی ایک قسم کی تاریکی کہان سے آجاتی ہے، اور کیون یہ نورانیت تاریکی نوازہو جاتی ہے۔

(ضمیر) یہ تمھاری غلطی ہے، نورانیت تاریکی نواز نہین ہوتی، تاریکی ہی غالب ہوتی ہے، ورنہ نور خود ہی ہے۔ اگرچہ بعض اوقات بعض اسباب کی وجہ سے نور ضمیر مدھم پڑکر اپنے فرض سے بیگانہ ہوجاتا ہے لیکن اسکی طاقت سلب نہین ہوتی۔

(الف) اگر فی الحقیقت یہی بات ہے تو چاہئے تھا کہ ہم کوئی غلطی بھی نہ کرتے، حالانکہ ہم بسا اوقات اس مفروضہ نور کے ہوتے بھی ارتکاب جرائم سے نہین رکتے، اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ بجائے اس مفروضہ نور کے ہماری سرشت مین جراثیم عصیان وگناہ موجود ہین۔

(ضمیر) کہو کبھی اپنی عمر مین تم نے بھی کوئی غلطی یا جرم کیا، یا کسی معمولی سی معمولی غلطی کے مرتکب ہوئے۔

(الف) ذرا ٹھہر کر، ہان ہان غلطی سے کون خالی ہے، اور کسکا دامن پاک ہے۔

(ضمیر) غور کرو کسی غلطی کے ارتکاب کے وقت تمھارے دل مین سے یہ آواز نہین آتی، کہ ایسا نہین ہونا چاہئے۔ سچ کہنا۔

(الف) ہان عین ارتکاب مین بھی سینہ مین سے ایک آواز نکلتی ہے کہ ایسا نہین کرنا چاہئے۔

(ضمیر) پھر یاد کرو کسی نیکی کو کیا اسوقت تمھارے دل سے مرحبا کی صدا نہین آتی۔

(الف) ہان قبلہ یہ بھی درست۔

(ضمیر) یہ کیا ہے وہی تو روشنی اور وہی حوصلہ افزائی اور ملامت ہے جو ضمیر وقت پر کرتا ہے۔ جسے بعض وقت ہم سنتے ہین اور بعض وقت نہین سنتے، آئینہ پر جب غلاف ڈالا جائے تو وہ عکس نہین لے سکتا، لیکن اس سے اسکی طاقت انعکاس سلب نہین ہوجاتی، بس یہی کیفیت مرآت ضمیر کی بھی ہے۔

(ب) آپ نے جو کچھ کہا یہ سب راست اور صحیح ہے لیکن قلب مجھتا ہے کہ آپ کہتے ہین جو یون

جنگل مین گشت کنان ہین، اور اس گشت سے حاصل کیا ہے۔

(ضمیر) پھر وہی قصہ مین کچھ ہون، ایک ہستی ہون۔

(الف) کیا ہر انسان مین نورِ ضمیر موضوع ہے، اور ہر انسانی ہستی اس سے مستفید ہوتی ہے۔

(ضمیر) ہان ہان اگر انسانون کے دلون کو چیر کر انکا جائزہ لیا جائے تو دانا اور نادان کے دلون مین کچھ تھوڑا سا ہی فرق نکلے گا، دونون کے دلون مین بہت سے لغو خیالات بھی اُٹھتے ہین، اور اچھے خیالات کا تموج بھی ہوتا ہے، اور ان دونون صورتون مین دل مین سے ہان یا نہین کی آواز بھی آتی ہے، نورِ ضمیر کو کبھی زوال نہین، جو غور کرتے ہین اسکو انھین آنکھون سے دیکھتے اور انہین کانون سے سنتے ہین، اسکی تلاش مین دُور نہین جانا پڑتا، وہ اپنے ہی دروازہ پر موجود ہوتا ہے، تم اسے باہر ڈھونڈتے ہو، مصداق "لڑکا بغل مین ڈھنڈورا شہر مین"

(ب) اب ہم اس بات کے تو قائل ہوگئے کہ ہمین ایک نوری قوت دی گئی ہے، اور خود ہمارے دلون مین ہی وہ پائی جاتی ہے، مگر قبلہ یہ تو فرمائیے کہ یہ ضمیر ہے کیا چیز، بہتون نے اسکی بابت لمبی چوڑی بحثین بھی کی ہین، مگر کچھ پتہ نہ چلا، پہلو مین جو ایک مضغۂ گوشت ہے وہ ہی تو ہے، مگر اسکے دیکھنے اور ٹٹولنے سے تو کچھ اسکا نشان نہین ملتا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو مین دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

(ضمیر) یہ ایک راز ہے جو تحریر اور تقریر مین نہین آسکتا، جب اسکے علامات اور نشانات ہین تو پھر ہمین انکار کی کیا ضرورت ہے، تجربہ کہہ لو، عقل و فراست کہہ لو، قاعدہ امتیازی کہہ لو، صدائے امتیازی کہہ لو، ہے تو یہی، جب قرائن اسپر شاہد ہین، تو پھر کس بات کی ضرورت ہے، حقیقت اور ماہیت اشیاء پر کون قادر ہو سکتا ہے، انسان کو سب کچھ دیدیا، مگر قدرت نے حقائق اشیاء کی چابی خود اپنے ہی ہاتھ مین رکھی ہے، اسمین بھی حکمت ہے۔

(الف) قبلہ کسقدر حیرت کی بات ہے، دنیا مین اسقدر حکیم اور فلاسفر ہو چکے ہین، اور آپ ایسے نورانی مجسمہ سے بھی اب تک اس حقیقت کا پتہ نہ چل سکا معلوم ہوا کہ انسان محض ایک مضغۂ گوشت ہے۔

(ضمیر) بمصداق "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" چونکہ ہمین اور ہماری زندگیون کو صرف

عوارض اور کیفیات ہی سے سروکار رکھتا، اسواسطے ہمین ماہیت اشیاء کا علم دیا جانا ضروری نہین تھا، وہی بوجھ کافی ہے جو ہم پر رکھدیا گیا ہے۔ ہم ابھی تک عوارض اور کیفیات تک ہی نہین پہونچ سکے، ماہیت وحقیقت تو اور بات ہے۔

(ب) قبلہ یہ راز اگر سمجھ مین نہین آنے کا تو نہ سہی، چونکہ بقول آپ کے ہم اپنے حدود سے آگے نہین نکل سکتے اسواسطے خاموش رہتے ہین، لیکن اسپر بھی مجھے کہنا چاہیئے کہ کیون دیگر مخلوق پرند چرند۔ نباتات اور جمادات مکلف نہین ہے اور ہم مکلف ہین۔

(ضمیر) شرافت کا ڈپلومایون ہی حاصل ہونا مشکل تھا کچھ تو تکلف چاہیئے تھا اور وہ بھی حدود مین رہ کر۔ بس۔

پوپھٹی، اور دن کے آثار نمودار ہونے لگے۔ شعلہ کی آن بان وہ ہی تھی جو رات کو تھی، بلکہ کچھ زیادہ، ہان یہ بات زیادہ تھی کہ شعلہ کی کرنین کچھ تو زمین پر اور کچھ آسمان کی طرف نازل اور صاعد تھین، اور اُنکے درمیان نورِ ضمیر کا مجسمہ معلق تھا، اور سارا جنگل بقعہ نور بن رہا تھا تاریکی کا نام بھی نہین تھا۔

(الف) قبلہ اب تو آفتاب بھی طلوع ہونے کو ہے۔ آپ کے نورِ ضمیر کی کرنین آفتابی کرنون سے مقابلہ مین آنا چاہتی ہین، اور آپ بھی شاید زیادہ تر نہ ٹھہر سکین، یہ تو فرمائیے، باوجود اس نورِ ضمیر کے ہم مین ہونے کی ہمین طمانیت کیون نصیب نہین۔

(ضمیر) سنو سنو، اگر تم اس نورِ ضمیر سے کام لو تو کچھ نہ کچھ طمانیت نصیب ہوسکتی ہے، کیونکہ بڑی خوبی اسکی یہی ہے کہ وہ اسکا محرک ہوجاتا ہے، تمھین قدرت نے یہ ایک اندرونی شریعت اور اندرونی ضابطہ دے رکھا ہے، اگر تم اسکی سنو تو وہ ضرور تمھاری سنے گا۔

(ب) قبلہ یہ باتین تو ہم علم اخلاق اور اخلاقی کتابون سے بھی سیکھ سکتے ہین۔

(ضمیر) افسوس یہ نہ سمجھے کہ تمام اخلاق اور اخلاقی فلسفہ تو اسی نورِ ضمیر ہی کا نچوڑ ہے۔ یہی تو سب کا منبع ہے، ذخیرہ۔

(ب) مذہب بھی ہمین سب کچھ کہہ رہا ہے، اسکے ہوتے اس نورِ ضمیر کی شریعت اور ضابطہ کی کیا ضرورت ہے۔

(ضمیر) تعجب ہے آپ یہ تو مان چکے کہ آپ کی ایک پسلی مین یہ نور رکھا گیا ہے، اور پھر یہ بھی کہے جاتے ہین کہ مذہب اور اخلاق کے مقابلہ مین اسکی ضرورت کیا ہے، سنو مذہب اور اخلاق کا بھی یہی نور ضمیر کفیل ہے، مذہب اور اخلاق سے اسے وہی نسبت ہے جو جان کو جسم سے ہوتی ہے۔

(الف) آپ کی باتون سے معلوم ہوتا ہے، کہ اب آپ رخصت ہونے والے ہین، اچھا یہ تو فرمایئے کہ ہماری زندگیون کا دستور العمل کیا ہونا چاہیئے، تاکہ ہم اس دنیا مین ایک خوشی اور طمانیت کے ساتھ رہ سکین۔

(ضمیر) سنو سنو تم نے بہت اچھا سوال کیا، معلوم ہوا کہ تمھارا نور ضمیر کچھ کام دے رہا ہے۔ دنیا مین رہنا اور پھر طمانیت کی آرزو رکھنا کس چیز اور کس طریق عمل کو چاہتا ہے۔ محبت کو، محبت کو، محبت کو،

(ب) کیا نور ضمیر محبت اور ہمدردی باہمی کی ہامی بھرتا ہے۔

(ضمیر) صرف ہامی ہی نہین بھرتا بلکہ اپنے رنگ مین اسکا حامی بھی ہے۔ اور ہر وقت وہ آواز دے رہا ہے۔

محبت، محبت، محبت،

تمام مذاہب اور تمام اخلاق کی یہی غرض ہے، اور نور ضمیر کا دعویٰ بھی یہی ہے۔

یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ دونون نوجوانون پر رفتہ رفتہ کچھ غنودگی سی طاری ہونی شروع ہوئی، غنودگی مین بھی کیا دیکھتے ہین کہ مجسمہ نور ضمیر مختلف رنگ کی کرنون مین تحلیل ہو رہا ہے۔ اگرچہ نورانیت تو وہی ہے، مگر مجسمہ مین فرق آتا جاتا ہے، اور اسکی کرنین نکل نکل خود نوجوانون کے بدن مین داخل ہو رہی ہین۔

شعلہ پھٹ گیا اور اسکے اندر سے آواز آئی۔

اچھا مین تم ہی سے نکلا بھی، اور تم ہی مین پھر داخل بھی ہوتا ہون، مین خود تمھارا ہی عکس اور سایہ تھا، دیکھو دیکھو اور سنو سنو، جس جنگل مین تم خود کو پاتے ہو، یہ تمھاری زندگی کا جنگل ہے، اور جس نور سے تم باتین کرتے ہو وہ مین ہون جو تمھارے دل مین پایا جاتا ہے۔ تمھین خبر نہین کہ مین تمھارے ہی دل سے نکل کر یون وجود پذیر ہوا تھا، غور کرو، رخود کو ٹٹولو تاکہ تم مجھے پا سکو۔

آنکھ جو کھلی تو دونون نوجوان خود کو اپنے اپنے بسترون پر پاتے ہین، اور کہنے لگے۔

دوست یہ جو کچھ رات دیکھا، خواب تھا یا افسانہ تھا، آنکھ لگتے ہی وہ عالمِ حیرت، اور آنکھ کھلتے ہی یہ تماشاے بیداری معلوم ہوا۔ ہم خود ہی اپنے نورِ ضمیر اور اپنی اندرونی قوتون کے تماشاکن تھے۔ چونکہ پچھلے دنون ہم سے کچھ غلطیان سرزد ہوئی تھین، اور ہم نے باہمی محبت کو جواب دیدیا تھا۔ اسواسطے ہمارا نورِ ضمیر ہمین یون عالمِ خواب مین نظر آیا، اور ہمین جگایا اور سمجھایا بیشک ہم ایک نورِ ضمیر رکھتے ہین، اگر ہم اس سے کام لین تو بہت کچھ طمانیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ ہمارا اندرونی رہبر ہے، اور وہ قدرت کی جانب سے مامور ہے کہ ہمین وقت بوقت آگاہ کرے اور ہم اسکی مشیت شخص غور کرتا ہے، وہ اپنے دل مین ہی اُسے پاتا اور اُس سے کام لیتا ہے، جو غور نہین کرتا وہ نہین پاتا۔

درونِ سینہ ام پنہان شعاعِ پرتو طور است
کہ چون مینا ز بطنِ خود پری آثار مے بینم

سلطان احمد

ٹالسٹائی

(۱) روسی فلاسفر ٹالسٹائی نے سچ کہا ہے کہ مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ ہماری ضمیر کو اس بات کا یقین ہے کہ ہماری طاقتین محدود ہین۔ ہم گناہون کی طرف زیادہ مایل ہین اور چونکہ ہم گنہگار ہین اسلئے ہمیشہ اسکی جستجو مین جو گناہون سے بری ہے رہتے ہین۔

(۲) جب مین کالج مین پڑھتا تھا تو پیدائش عالم کے مسئلہ پر حیران ہوتا تھا اور خدا کے معجزات پر یقین نہین کر سکتا تھا۔ لیکن اب میری سمجھ مین آگیا کہ جس خدا نے دنیا پیدا کی وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے۔

(۳) مین اہل سائنس کی بہت عزت کرتا ہون لیکن سائنسٹ لوگ زمینی تحقیقات مین اسقدر وقت ضائع کر دیتے ہین کہ آسمان کو بھول جاتے ہین۔

(۴) دنیا مین ایک چھوٹا سا جانور جو زمین پر حرکت کرتا ہے ستر حیات اپنی ذات مین رکھتا ہے جسکو دنیا کے تمام سائنسدان آج تک حل نہ کر سکے کہ کیا بھید ہے۔

گردھاری لال شرما

گردھاری لال کا جو گردھر کے نام سے مشہور ہین - ہندی شاعری مین وہی رتبہ ہی جو شائد فارسی مین سعدی کو حاصل ہے - موخرالذکر کی زندگی کا مشن وعظ و پند ہے اور نظم و نثر دونون کے ذریعہ انھون نے اسکو انجام دینے کی کوشش کی ہے - گردھر کی کوئی تصنیف نثر نظر سے نہین گزری جس سے معلوم ہوتا کہ آیا اس ذریعہ سے بھی وہ خلق اللہ کے اخلاق کا پایہ بلند کرنے کی کوشش کرتے تھے یا نہین - مگر انکی نظم کا ایک نمونہ پیش نظر ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس سے ایک اعلیٰ درجے کا کام لیتے تھے - عمر خیام کا فلسفہ رباعیات کے کوزہ مین بند ہے، اور گردھر کی موعظت مختصر سی کنڈلیون مین - غالب نے نکایت کی ہے - ؎

بقدر شوق نہین ظرف تنگنائے غزل　　کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کیلئے

لیکن عمر خیام اور گردھر اپنے وسیع مضامین کے لئے غزل سے بھی کم وسعت پر قناعت کرتے ہین -

انسان کے اخلاق کا ایک اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ اپنا وعدہ پورا کرے خواہ کیسا ہی مشکلات کا سامنا کیون نہو - گردھر نے بھی اسکی تلقین کی ہے، کہتے ہین -

पुत्र प्रानानि अधिक है चारिउ युग परिमान
پتر پران سے ادھک ہے چارون جگ پرمان -

सो दशरथ नृप परि हरेउ बचन रहो है जान
سو دشرتھ نرپ پری ہریو بچن رہو جگ جان -

बचन न दी हो जान बदन की नुफ बडाई
بچن رہے سو جان بڑن کی بوجھ بڑائی

बात रहे सो काज बन सब बस आई
بات رہے سو کاج بنے سب بس جائی

لالہ جوالا کنول صاحب مصنف "بھارت کے دھرندھر کوی" گردھر کو ۱۷۲۳ء مین کنم مدم سے عام شہرت مین جلوہ افروز ہوے لیکن راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند کا قول ہے کہ وہ سمت ۱۷۷۰ء مطابق ۱۷۱۳ء مین پیدا ہوے -

कह गिरिधर कविराय भय नृपदशरथ ऐसे !
کہے گردھر کبرائے بھئے نرپ دشرتھ ایسے۔

पुत्र प्रराण परिहरे बचन परि हरे न ऐसे !
پتر پران پری ہرے بچن پری ہرے نہ ایسے۔

چاروجگون مین یہ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ بیٹا جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ لیکن راجہ دشرتھ نے اُسکو چھوڑ دیا اور اپنی بات پر قائم رہا۔ اسنے اپنی بات نہ جانے دی، کیونکہ وہ بزرگون کی بزرگی کو سمجھتا تھا۔ کام وہ ہے جس سے بات رہے اور سب کچھ جاتا ہے تو جائے۔ اے گردھر دشرتھ راجہ ایسے گذرے ہین کہ جنھون نے اپنی جان دیدی مگر بات نہ جانے دی۔

نفاق ایک نہایت مذموم شے ہے اور خاصکر جب باپ بیٹے مین ہو۔

सांई बेटा बाप के बिगरे भयो अकाज !
سائین بیٹا باپ کے بگڑے بھیو اکاج۔

हरणा कश्यप कंस को गयउ दुऊन को राज !
ہرنا کشیپ کنس کو گیو دوہن کو راج۔

गयउ दुऊन को राज बाप बेटा में बिगरी
گیو دوہن کو راج باپ بیٹا مین بگڑی۔

दुश्मन दावा गीर हंसे बहु मंडल नगरी !
دشمن دعوی گیر ہنسے بہو منڈل نگری۔

कहे गिरधर कविराय युगन याही चलिआई
کہے گردھر کبرائے جگن یاہی چلی آئے۔

पिता पुत्र को बैर नफा कहु कौने पाई !
پتا پتر کو بیر نفع کہو کونے پائی۔

باپ بیٹے مین نفاق ہونے سے معاملہ خراب ہوجاتا ہے۔ ہرنا کشیپ اور کنس کی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونون کا راج گیا۔ باپ بیٹے کے نفاق سے دشمن مدعی ہنستے ہین اور شہر والے بھی۔ اے گردھر ہمیشہ سے یہ بات چلی آئی ہے کہ باپ بیٹے مین جب نفاق ہوا تو نفع کسیکو نہ پہونچا۔

ہر زمانہ کے لوگ اپنے سے پہلے زمانہ کو اچھا خیال کرتے چلے آئے ہین اور اپنے زمانہ کو بُرا کہنا اُنکا شیوہ رہا ہے۔ حافظ کی یہ غزل ع این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم۔ مشہور ہے۔ گردھر بھی اپنے زمانہ کے حال سے نالان ہین۔ اُنکے اس احساس کا ثبوت وہ مختلف واقعات ہین

جنکو اُنھون نے لباسِ نظم مین جلوہ گر کیا ہے۔ مثلاً تنزل زمانہ کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ بیوی کی محبت مین مبتلا ہوکر بیٹا باپ سے بگاڑ لے۔

बेटा बिगरो बाप से कर तिरियन को नेह
بیٹا بگڑے باپ سے کر تریون کو نیہو۔

लटा पटी होने लगी मोहि जुदा करदेह
لٹا پٹی ہونے لگی، موہے جدا کردیہو۔

मोहिं जुदा करिदेउ घरी मा माया मेरी
موہے جدا کردیو گھری مان مایا میری۔

लेहों घर अरु बार करौं मैं फजिहत तेरी
لیہون گھر اور بار کرون مین فضیحت تیری۔

कह गिरिधर कविराय सुनो गदहा के लेटा
کہین گردھر کبرائے، سنو گدھا کے لیٹا

समय परयो है आय बाप से झगरत बेटा
سمے پریو ہے آئے باپ سے جھگرت بیٹا

بیوی کی محبت مین گرفتار ہوکر بیٹے نے باپ سے بگاڑ کر لیا۔ لڑجھگڑ کر کہنے لگا کہ مجھے الگ کردو۔ گھر مین جو کچھ ہے میرا ہے۔ گھر بار مین لونگا اور تمہین بدنام کرونگا۔ اے گردھر گدھے کے انداز تو دیکھو، کیا زمانہ آیا ہے کہ باپ سے بیٹا جھگڑتا ہے۔

سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ ؎

زنانِ بردبار اے مرد ہشیار — اگر وقتِ ولادت مار زایند
ازان بہتر بہ نزدیکِ خردمند — کہ فرزندانِ نا ہموار زایند

گردھر کہتے ہین

साईं ऐसे पुत्र से बांझ रहै वरु नारी
سائین ایسے پتر سے بانجھ رہے برو ناری

बिगरी बेटे बाप से जाय रहै ससुरारी
بگری بیٹے باپ سے، جائے رہے سسراری

जाय रहै ससुरारि नारि के नाम बिकाने
جائے رہے سسراری ناری کے نام بکانے

कुल के धर्म नसाय और परिवार नशाने
کل کے دھرم نساے اور پری وار نشا نے۔

कह गिरधर कविराय मातु अरु रंडवा ठाढ़ें
کہے گردھر کبرائے ماتا جرکے ہی ٹھاڑیں۔

अस पुत्रिन नहिं होय बांझ रहतिउं बरु सादें
ایسی پتر نی نہیں ہوے بانجھ رہتی یوں ہردھا ئیں

سائین ایسے لڑکے سے جو باپ سے لڑکر سسرال مین جا بیٹھے۔ عورت کے نام پر بک جاے، اور اپنے خاندان کے نیک کامون کو مٹا کر دوسرے خاندان کو بھی تباہ کرے۔ تو بہتر ہے کہ عورت بانجھ ہو۔ اے گردھر ایسے موقع پر مان بچتا تی اور کہتی ہے۔ کاش ایسا لوکا نہ پیدا ہوتا اور مین بانجھ ہوتی۔

کسی خاندان پر عورت کا حاوی ہونا ستم ہے۔ اسکے نتائج اچھے نہین ہوتے۔

नारी आत बल होत है अपने कुल की नाश
ناری ات بل ہوت ہے اپنے کل کی ناش۔

कौरव पाण्डव बंश को कियो द्रोपदी नाश
کورو پانڈو بنش کو کیو دروپدی ناش

कियो द्रोपदी नाश ककई दशरथ मारेउ
کیو دروپدی ناش ککئی دشرتھ ماریو۔

राम लषणसे पुत्र तेउ बनवास सिधारेउ
رام لکھن سے پتر تیو بنواس سدھارو

कह गिरधर कविराय सदा नर रहै दुखारी
کہے گردھر کبرائے سدا نر رہے دکھاری۔

सोधर सत्या नाश जहां है अति बल नारी
سو گھر ستیا ناش جہان ہے اتبل ناری

زبردست عورت اپنے خاندان کی تباہی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ دروپدی نے کورو اور پانڈو کے خاندان کو خاک مین ملایا۔ کیکئی نے راجہ دشرتھ کو ملک عدم مین پہونچایا۔ اور رام چندر جی اور لچھمن جی ایسے پتر کو صحرا نورد بنایا۔ اے گردھر۔ مرد ہمیشہ مصیبت مین مبتلا رہتا ہے اور وہ گھر ستیا ناس ہو جاتا ہے جہان عورت حاوی ہوتی ہے۔

تریا چرتر سے گردھر بھی پناہ مانگتے ہین۔

मकर वाली नारि को मारा ना मिमि आई
مگر والی ناری کو مارا نا بھیا ئی۔

सरिता बोले मोर सो जियत भु अंगे खाई
سرتا بولے مور سو جیت بھوانگے کھائی۔

जियत भु अंगो खाई मुनिन के जियानरसावे
جیت بھوانگے کھائی مونن کے جیا ترسا وے۔

कौतुक अपना करै कुवरि के अंकलगाई
کوتک اپنا کرے کبری کے انک لگا ئی

कह गिरधर कविराय जैसे खांडे की धारा
کہے گردھر کبرائے جیسے کھانڈے کی دھارا

देखे हृदय बिचारि नारि यह बड़ी मकारा
دیکھے ہردے بچاری ناری یہ بڑی مکارا

مکار عورت کا مارا ہوا دم نہین مارتا۔ طاؤس خوش الحان زندہ سانپ نگل جاتا ہے۔ بدون کے دل کو ترساتی ہے۔ آپ کوتک کرتی ہے اور بچہ کا نام لگاتی ہے۔ اے گردھر یہ تبر کی دھار ہے۔ ذرا دل مین غور کر دعورت کتنی مکار ہوتی ہے۔

پرانے زمانہ مین مکتب کے لڑکے چیستان بوجھا کرتے تھے۔ "فکر" اس چیستان کا موضوع ہے

نہ بر آسمان و نہ زیر زمین ہمیشہ خورد گوشت آن آدمی

گردھر نے ایک کنڈلی موزون کی ہے جسکا موضوع یہی ہے۔ دیکھئے مضمون کسقدر ملتا ہے

चिन्ता दाह शरीर की दाह लगे न बुझाय
چنتا داہ شریر کی۔ داہ لگے نہ بجھائے۔

प्रकट धुंआं नहिं देखियेउर अंतर धुंधवाय
پرکٹ دھوآن نہین دیکھئے اور انتر دھوندوا ئے۔

उर अंतर धुंध वाय जरै जास कांच की भट्टी
اور انتر دھوندوا ئے جرے جس کانچ کی بھٹی۔

रक्त मांस जरि जाय रहै पांजरी की यट्टी
رکت ماس جرجائے رہے پنجری کی ٹھٹی

कहि गिरधर कविराय सुनो रे मेरे मिता
کہے گردھر کبرائے سنورے میرے منتا۔

बैनर कैसे जिये जाहि व्यापी है चिन्ता
وے نر کیسے جیئے جا ہے بیاپی ہے چنتا

یعنی، فکر جسم کے لئے آگ ہے جو لگ کر نہین بجھتی۔ بظاہر دھوآن نظر نہین آتا لیکن سینہ مین اندر ہی اندر اُٹھتا رہتا ہے اس طرح جلتا ہے جیسے کانچ کی بھٹی۔ خون اور گوشت جل جاتے ہین۔ صرف ہڈیون کی ٹٹی باقی رہتی ہے۔ اے مشفق من۔ گردھر سنو۔ وہ انسان کیونکر جی سکتا ہے جسکو فکر کا مرض ہو۔

کبھی کبھی سودا کی روح بھی حلول کر جاتی تھی طبیعت مین غضبناکی اور انتقام تھا۔ مگر اُسی قسم کا جیسا کہ سودا کی طبیعت مین یعنی غصہ آیا۔ ہجو کہی اور دل صاف۔ کسی بنیئے سے خفا ہوئے ذیل کی کنڈلیا کہہ ڈالی۔

आटामें आटा घटे घटे दारमें दार !
آٹا مین آٹا گھٹے گھٹے دار مین دار

कबहुंक घटि है घीवमें तो हमसे हुई है रार
کبھون گھٹین گھیو مین تو ہم سے ہوئی ہے رار،

हमसे हुई है रार मारि जूतिन जी लेहौं
ہم سے ہوئی ہے رار ماری جوتن جی لیہون

जाने सकल जहान दाम एकौ ना दे हौं
جانے سکل جہان دام ایکو نا دیہون

कहि गिरधर कविराये बैठिहौं तुम्हरे घाट
کہے گردھر کبرائے بیٹھی ہین تمہارے گھاٹ

पनहि मूड़ ठठै हौं जो कबहुंक घटि है आटा
پنہی موڑ ٹھٹھیون جو کبھون گھٹی ہے آٹا

آٹے مین آٹا کم ہوتا ہے اور دال مین دال (اسکا تو مضایقہ نہین) لیکن اگر کبھی گھی کم ہوا تو پھر ہم سے تم سے لڑائی ہوگی۔ جوتے مارنے مارتے جان لے لونگا۔ سب دنیا اسکو جانتی ہے۔ جہان مین ایک کوڑی نہ دونگا۔ اے گردھر اگر کبھی تمہین نقصان ہوا اور

آٹا گھٹ گیا تو پھر چوتا بنئے کے سر پر بچے گا۔

گرو دھر کی تیغ زبان سے برہمنوں کی مقدس ذات کو بھی پناہ نہ ملی۔

बहमन सं पहचानकर सुख नपाया कोय.
برہمن سون پہچان کر سکھ نہ پایا کوئے

बिस्वा मित्र ने हर्ष चन्द्र का दिया राज सब खोये
وشوا متر نے ہرشچندر کا دیا راج سب کھوئے

दिया राज सब खोये दया ताको नहिं आई
دیا راج سب کھوئے، دیا تا کو نہیں آئے۔

हरि जगत की माई लाज रावन नहिं आई
ہری جگت کی مائی لاج راون نہیں آئی

कह गिरधर कविराय जगत के येहैं दुश्मन
کہہ گردھر کبرائے جگت کے یہ ہیں دشمن

क्रोड़ खोंसड़ा पड़ैं बदी नहिं छोड़ैं बमहन
کروڑ کھونسڑا پڑیں بدی نہیں چھوڑیں برہمن

برہمن کی شناسائی سے کسکو آرام نہ ملا۔ وشوامتر نے ہرشچندر کا سارا راج کھودیا اور رحم نہ آیا۔ راون جگت کی مان (سیتاجی) کو لے بھاگا اور شرم نہ آئی۔ اے گردھر یہ "جگت کے دشمن" ہیں۔ کروڑ جوتے پڑتے پر بدی نہیں چھوڑتے۔

فارسی کا ایک شعر ہے ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہان شوی کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

گردھر کہتے ہیں۔

गुण के गाहक सहस नर बिनु गुण लहै न कोय
گن کے گاہک سہس نر بن گن لہے نہ کوئے

जैसे काग कोकिला शब्द सुने सब कोय
جیسے کاگ کوکلا شبد سنے سب کوئے

शब्द सुने सब कोय कोकिला सबै सुहावन
شبد سنے سب کوئے کوکلا سبے سہاون

दोऊ को रंग काग सब भये अपावन
دوؤ کو وہ رنگ کاگ سب بھئے اپاون

कह गिरधर कविराय सुनो हो ठाकुर मनके
کہے گردھر کبرائے سنو ہو ٹھاکر من کے

बिन गुन लहै न कोय सहस नर गाहक गुनके
بن گن لہے نہ کوئے سہس نر گاہک گن کے

سب ہنر کے خریدار ہین بے ہنر کو کوئی نہین پوچھتا۔ جیسے کوے اور کویل کی آواز سب سنتے ہین۔ لیکن کویل کی آواز سب کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ دونون کا رنگ یکسان ہے لیکن کوا ناپاک قرار دیا گیا۔ "اے من کے ٹھاکر" گردھر سنو۔ بغیر ہنر کی کوئی نہین پوچھتا۔ سب ہنر کے خریدار ہین۔

الغرض گردھر کے کلام کا مختصر سا مجموعہ مختلف قسم کے مضامین ناصحانہ کا گنجینہ اور نکات نفسیات کا مرقع ہے۔

سلیم جعفری

اعلیحضرت محی الملۃ والدین الغ الیڈ ہائینس میر عثمان علی خانصاحب بہادر شہریار دکن

تجلی دیکھ کر آئینہ سان روئے منور کی
کسی کے سامنے مین بنگیا تصویر پتھر کی

تمہاری آنکھ کی گردش ہے چکر میری قسمت کا
تمہارا چال چلنا، چال ہے میرے مقدر کی

وہ مکتب ہون کہ مستی مین بھی یہ منھ سے نکلتا ہی
الٰہی دل مجھے شیشے کا دینا، آنکھ ساغر کی

نظر پڑتی ہے کس کس کی عنادل کے نشیمن پہ
خزان کی باغباں کی، برق کی گلچین کی رہبر کی

مزہ دنیا ہے کیا خون بسمل کا روان ہونا
دوبالا ہوگئی ہے بڑھ دیکھو اپنے خنجر کی

جواب اک اک ادا کا دے رہا ہی کس صفائی سے
یہ آئینہ نہین اے بار مکرر ہے برابر کی

اگر گوش حقیقت سے سنے کوئی تو اے عثمان
صدا ہے پردۂ ناقوس مین اللہ اکبر کی

مہاتما گاندھی کی شخصیت

شریمد بھاگوت مین لکھا ہے کہ کلجگ مین دھرم لنگڑا ہوگا اور اُسکی طرف سے دھاکم ہوگی بڑے بڑے ست پُرشون کا بھی یہی قول ہے کہ مستقبل ماضی سے اچھا نہوگا۔ حضرت محمدؐ نے بھی فرمایا تھا کہ جو زمانہ آئیگا وہ اُس سے بدتر ہوگا جو اُس زمانہ کے بعد کا ہے جبکہ حضرتؐ اس دنیا مین براجمان تھے۔ عیسائیت کے متعلق ہم کسی قول کو نقل نہین کرتے۔ لیکن اب ایسے عیسائی شاذہی گنتی کے چند ہون جو اس اخلاق کو پسند کرتے ہون کہ اگر کسی کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو وہ دوسرا گال اُسکے سامنے کردے۔

غرض دنیا کے بڑے سے بڑے مذہب کا یہ اُصول اور پیشینگوئی ہے کہ اچھے اور ست پُرشون کے جنم لینے کے وقت بُرائی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ایک ہادی آتا ہے۔ سچائی کی تعلیم دیتا ہے۔ دُنیا سے رخصت ہوتا ہے ایک زمانہ تک اُسکا اثر رہتا ہے۔ لیکن چونکہ بنی نوع انسان کی فطرت مین ہی یہ چیز داخل ہے کہ وہ نیکی زائل کرتا جاتا ہے اور بدی کی طرف جھکتا ہے مایا کا جال ہی کچھ ایسا ہے کہ اسمین انسان اُلجھ اُلجھ کر الجھتا ہے اور اُلجھ کر پھر سلجھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب کبھی لامذہبی یا فسق و فجور کو ترقی ہوئی تو کسی نہ کسی طرح سے آسمانی طاقت کا ظہور ہوا۔ اور اُسنے اُسکا استیصال کیا۔

یہ صحیح ہے کہ دنیا کسی زمانہ مین بھی بدی سے پاک نہ تھی۔ پیغمبر خدا کو جلاوطن کرنیوالے اور اذیت پہونچانے والے عیسیٰؑ کو پھانسی دینے والے۔ سیتا جی کو بھگا لیجانے والے۔ شری رام چندر کو بن باس کرانے والے۔ شری شنکر کو بھسم کرنے والے۔ پرہلاد کو آگ مین پھینکنے والے۔ سوامی دیانند کو زہر دینے والے۔ دروپدی کو بے عزت کرنے والے۔ شری کرشن کے والدین کو قید کرنے والے اُن سب کے زمانہ مین تھے۔ لیکن اس زمانہ مین جسکو ترقی یافتہ زمانہ کہا جاتا ہے۔ بدی نے بھی انسان کی خودغرضی۔ جاہ طلبی۔ عقل آرائی کی وجہ سے عجیب غریب ترقی کی ہے۔

ابتک کی جو تاریخ ہمارے پاس ہے اُسکا ہر صفحہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ زمانہ ماضی مین بدی نسبتاً کم۔ اور مغلوب تھی ہمیشہ بدی کو بدی سمجھا گیا ہے۔ لیکن نی زمانہ صورت معکوس ہے۔ اب بدی نے ترقی کرتے کرتے اس درجہ رسوخ حاصل کرلیا ہے کہ وہ نیکی کی صف مین کھڑی کردی گئی ہے۔ اس زمانہ کی سیاسیات کے مطالعہ کرنے والے سے اس ترقی یافتہ پری کی حسن آرائی و گرم بازاری کسی طرح مخفی نہین رہ سکتی۔ کثرت وقلت کے تناسب نے بدی کو اس درجہ غالب کردیا ہے کہ بھلے سے بھلا آدمی بغیر لغزش نہین رہ سکتا۔

اس زمانہ مین سیاسیات کا مسئلہ اس درجہ اہم ہوگیا ہے کہ اسمین عشق الٰہی۔ ایشور بھگتی۔ اور آسمانی باپ کے جاننے کے تمام اُصول جذب ومحو سے ہو رہے ہین جس مذہبی مُلّا۔ پنڈت یا پادری کو دیکھیے وہ سیاسی عینک سے مذہبی معاملات ومسائل عبد ومعبود کو حل کر رہا ہے۔ یہ گمراہی اور وارفتگی ایسی ہے کہ مدعیانِ مذاہب کو کچھ سوجھ بوجھ نہین ہوتی۔

پچھلے دس سال کے واقعات نے دنیا کی ترقی کا طلسم توڑ دیا ہے۔ قیام امن اور صداقت پسندی کے نام پر سیاسی دیوی کے یکتائے دہر معبودے چند پوجاریون نے لاکھون معصوم و بے گناہ جانون کو قربان کرادیا۔ اور کروڑون بچون اور عورتون کو یتیم اور بیوہ کردیا۔ تمام یورپ و ایشیا کا گھر گھر ماتکدہ بیگناہ۔ اور آج بھی بعد ختم جنگ دنیا ماتم کی رسم سے فارغ نہین ہوئی اور تعزیت جاری ہے۔ نہ ایشیا مین سیاسی مطلع صاف وامن وسکون ہے۔ نہ یورپ مین سکھ و چین کی زندگی کسی کو نصیب ہے۔

فرانس روہر پر قبضہ کئے ہوئے جرمنی سے مواخذہ کر رہا ہے۔ آئرلینڈ خونریزی مین مبتلا ہے ہندوستان سوراج کی دُھن مین ہے۔ چین وجاپان مین آئے دن تازہ مصیبتین نازل ہو رہی ہین انگلستان مختلف پریشانیون مین مبتلا ہے۔ امریکہ ایک خاص قسم کی اُدھیڑبُن مین بھنسا ہوا ہے غرض دنیا ہے اور بیکلی ہے۔ خود غرضی ہے اور فریب کا بازار گرم ہے۔ امن وعافیت سے زندگی بسر کرنا نہ انفرادی حیثیت سے حاصل ہے نہ اجتماعی نوعیت سے۔ قومی حیثیت کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اور یہ سب کرشمے۔ سیاسیات کی عجیب وغریب ترقی۔ جاہ طلبی اور تعصب خود پسندی کے ناخوشگوار نتیجے ہین۔

بُرے دن آتے ہین تو عقلمند مجنونانہ حرکت کرتا ہے۔

"چون قضا آید طبیب ابلہ شود"

گذشتہ مجادلہ عظیم کے واقعات کو کسی نے مذہبی نکتہ نظر سے بھی دیکھا؟ تھوڑی دیر کے لئے اسکا بھی خیال کیا کہ ان ظاہری اسباب کے سوا اور بھی کوئی سبب ہوسکتا ہے؟ کبھی اس سے عبرت حاصل کی گئی کہ جس امن (اگر وہ سچ ہو) کی خاطر ہمنے اتنی لاتعدد لاانتہا قربانیان کین۔ اُسمین کیون کامیابی نہین ہوئی۔ بلکہ بد سے بدتر حالت ہوگئی۔

ہم دعوی سے کہتے ہین کہ سرشاران سیاست کو اسکی فرصت کہان جو اس نظر سے غور کرتے۔ ہم جانتے ہین کہ مسجدون۔ مندرون اور گرجاؤن مین دعائین رسمین تا نہ جنگ اور اسکے بعد بھی ادا ہوتی رہی ہین۔ لیکن وہ صرف رسم ادا کی گئی ہے۔ عقیدت۔ شردھا کو کہان تک دخل تھا۔ ان اس انتشار مین ایک خاص ہستی نرالی شان سے ظاہر ہوئی ہے۔ اور وہ مہاتما گاندھی کی ذات بابرکات ہے جنھون نے سیاسیات کے مسئلہ کو صداقت کی بنیاد پر قائم کیا۔ انکے فلسفہ کے مطالعہ کرنیوالے کو یقیناً اس امر کا یقین ہو جائیگا کہ انسانیت اور ترقی کامل کسے کہتے ہین۔

بیشک انکی بعض باتون کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔ بعض کو ناممکن کہا جاتا ہے۔ بعض کو ترقی معکوس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بعض کو مجنونانہ بھی کہنے کی جسارت کیجاتی ہے۔ لیکن کس عظیم الشان ہستی کے لئے ایسا نہین ہوا۔ مستقبل بتادیگا کہ یہی ایک راہ راست ہے جو منزل مقصود تک پہونچا سکتی ہے۔

انسان کو مختلف ہنرمندیون یا چالاکیون سے گریجانا چاہئے۔ اسلئے کہ اب ترقی کی رفتار نے لوہے کو سونے سے زیادہ قیمتی کردیا ہے۔ اسلئے کہ صداقت پر دروغ بافی نے کمال لفاظی۔ ہنرمندی یا فریب دہ تدبیر سے غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ جھوٹ اتنا بارونق ہے کہ وہ سچائی کی جگہ حاصل کرچکا ہے انگلستان والے کیون انگلستان مین نہین رہتے۔ عرب کیون اپنے عرب مین چین سے نہین رہنے پاتے۔ ترکی کو کیون اطمینان نصیب نہین۔ ہندوستان کو کیون اپنے دیش سے محروم رکھا جاتا ہے۔ آئرلینڈ کو کیون خونریزی مین مبتلا دیکھنا پسند کیا جاتا ہے۔ چین۔ اے چین! سے چین مین کیون نہین ہے۔ جاپانی کیون اُسکی گھات مین رات کو جاگے۔ امریکہ کیون دنیا سے اپنے بحار تجارتی کیلئے طمع رکھے۔

ذرا اس منظر کا تصور کرو۔ ہر قوم اپنے دیس مین ہو۔ ہندو مندر مین۔ مسلمان مسجد مین عیسائی گرجا مین۔ بودھ اپنے معبد مین۔ اُ۔ خدا کی باطمینان یاد کرتا ہو۔ کیا یہ مشیت ایزدی کے خلاف ہے پھر تو خدا نے نہ اتنے ممالک پیدا کئے ہوتے نہ اتنی قومین۔ نہ اتنے مذہب! مین تبلیغ و پرچار کو پسند کرتا ہون بشرطیکہ ایسا مبلغ و پرچارک ہو جو صرف رہنما بنے نہ کہ پیٹ پالنے کے لئے۔ اسکو وسیلہ گردانے۔ وہ صرف اصل صداقت کی تبلیغ کرے۔ ست کا پرچار کرے۔ نہ کہ قند۔ شکر و شکر کے لفظی بحثون مین ضد و اصرار کرے۔ اُسکو شیرین دہنی سے بحث ہو نہ کہ شیرین کلامی سے۔

برادران عالم۔ دنیا مین ایک شخص آیا ہے جو کوئی مذہبی برتری کا دعویٰ نہین کرتا نہ ایسا دعویٰ اس زمانہ مین چل سکتا ہے۔ ورنہ ایسے مدعیان کی آج بھی دنیا مین کمی نہین ہے۔

وہ زمانہ گذر گیا جب اس قسم کی باتون مین سادہ دل انسان عقیدت رکھتا تھا۔ اب دوسری قسم کے لوگ رہتے ہین اُنکو ایسے مصلح کی ضرورت تھی جو زمانہ کے مطابق صحیح نسخہ لاتا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی وہی ہے۔ چاہے دنیا لاپروائی کرے۔ اُسنے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ قریب تر زمانہ مین اسی کے ہدایت اصول کو برتری حاصل ہوگی۔ اور سچی انسانی ترقی کا راز منکشف ہوگا۔ یا دنیا خود غرضی کے دریا مین فنا ہو جائیگی۔

چودھری

خیالات ٹالسٹائی

اہل سائنس بہت عجیب و غریب باتین بتلا سکتے ہین۔ مثلاً یہ فلان ستارہ زمین سے کتنے کروڑ میل دور ہے لیکن کوئی سائنٹسٹ صحیح اندازہ کر کے یہ نہین بتلا سکتا کہ تلطف آمیز لفظ کا اثر کہانتک ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص جسقدر وہ جانتا ہو اسپر قانع رہکر زندگی کا لطف اوٹھائے تو اس کو ان مسائل کی نسبت جن کو وہ نہین سمجھتا ہے پریشان ہونے کی فرصت نہین ملیگی۔

انجامِ غم

(ایک عبرت خیز افسانہ)

تقریباً چالیس سال پیشتر ایک انگریز فلاسفر (جسکا کلام تمام یورپ مین قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا) ناکامیون کی وجہ سے آوارہ وطن ہوکر ایک مدت تک غیر ممالک کی خاک چھانتا پھرا آخر فرانس کے ایک چھوٹے گانون کی آب وہوا اُسے بہت پسند آئی اور وہین سکونت اختیار کی۔ یہان اُسے اپنی ذات کے سوا دنیا کی دیگر اقوام اور اُنکی زبانون سے کوئی مطلب نہ تھا۔ اسی گوشۂ عزلت مین اُسکے پوشیدہ جذبات ظہور مین آئے جنکی وجہ سے اپنے دیگر ہم عصر مصنفین پر فوق لے گیا۔

شاید ایک ایسے دماغ مین جیسا کہ مسٹر ..... کا تھا نازک اور لطیف احساس کا نہ ودیعت کیا جانا قدرت کے اُصول مسلّمہ کے خلاف ہے اور ممکن ہے ودیعت کیا گیا ہو لیکن عمیق مطالعہ اور شدید تحقیقات نے زائل کر دیا ہو۔ مسٹر ... کا مزاج سنگدلی اور فلاسفی کا نادر الوجود مجموعہ تھا اُسکے متعلق لوگ بیان کرتے تھے کہ وہ بے حس ہے اسمین ہمدردی کا نام و نشان نہین مگر اسکے اخلاق کا بھی ہر متنفس قائل تھا اگرچہ اسمین مشغل سے ہمدردی کے خیالات پیدا ہوسکتے تھے، یہ بھی نہ تھا کہ اسمین رحم دلی اور کرم نام کو بھی نہ ہو۔

ایک دن جب وہ اپنے خیالات مین منہمک بیٹھا ہوا تھا تو اُسکی پرانی خادمہ نے آکر کہا ایک ضعیف آدمی اور اُسکی لڑکی کل سب کو ایک ہوٹل مین مقیم تھے، رات کو اُس ضعیف آدمی کی طبیعت ناگہان بہت خراب ہوگئی اور ہوٹل والون کے خیال مین وہ بہت مہلک مرض مین مبتلا ہوگیا گاؤن کا ڈاکٹر موجود نہ تھا، اسلئے وہی خادمہ بیمار کی تیمارداری کے لئے مقرر ہوئی، واقعی اس ضعیف آدمی کی حالت قابل رحم تھی وہ اپنی جان سے زیادہ اپنی لڑکی کی پریشانی سے پریشان تھا یہ سنکر اس کے خیالات منتشر ہوگئے اُس نے شب خوابی کا لباس اُتارا اور بوٹ پہنکر خادمہ

ہمراہ بیمار کی عیادت کے لئے روانہ ہوا، بیمار اور اُسکی لڑکی دونون ہوٹل کے بہترین کمرہ مین مقیم تھے، ہوٹل کے کمرہ کی چھت اسقدر پست تھی کہ مسٹر . . . . کو مجبوراً جھک کر داخل ہونا پڑا، چھت کے شہتیر بالکل نظر آرہے تھے اور پلاستر وغیرہ کے قسم کی آرائش نہ تھی بلکہ جا بجا مکڑی کے جالے تنے تھے اور زمین پر بھی کوئی فرش نہ تھا۔ ایک کونے مین ایک اونی کمبل پر ضعیف بیمار لیٹا ہوا تھا جسکی عیادت کے لئے وہ آیا تھا اور پائینتی اُسکی دوشیزہ لڑکی شب خوابی کے لباس مین بیٹھی ہوئی تھی اُسکے چہرہ پر بال بکھرے ہوئے تھے۔ رنج و غم اُسکی صورت سے عیان تھے وہ حسرت سے بار بار اپنے بیمار باپ کو دیکھ رہی تھی۔ چند منٹ تک اُسکی حسرت زدہ حالت کو مسٹر . . . . اور اُسکی خادمہ دیکھتے رہے۔ پھر بہت نرم اور ضعیف آواز مین خادمہ نے مسٹر . . . . کے آنے کی اطلاع کی، وہ پلٹی، پلٹتے ہی معلوم ہوا کہ بجلی کوند گئی دوشیزہ کا چہرہ گویا ایک ماہتاب تھا جو حزن و ملال کے بادلون مین گھر کر دھندلا ہو رہا تھا، اُسکو جب ایک اجنبی کی موجودگی کا علم ہوا تو بہت گھبرائی، مگر اپنے کو سنبھالا، اور تعارف کے بعد نہایت مہذبانہ اور شریفانہ طریقہ سے (جو دیہاتی شرفاء کا خاص حصہ ہے) اُسنے مہمان کا استقبال کیا۔ اُسکے خاموش مگر پُر معنی انداز نے فلاسفر کو بہت متاثر کیا۔ باتین کرنے کا وقت نہین تھا اسلئے صرف چند بے ریا الفاظ مین فلاسفر نے اپنی خدمات پیش کین۔ خادمہ نے کہا "میسو کی حالت بہت نازک ہے۔ اگر نقل مکان ہو جاے ـــ" جملہ کو قطع کرتے ہوئے آقا نے کہا "اگر یہ میرے مکان پر تشریف لے چلین تو بہتر ہے" فلاسفر کے مکان مین ایک سجا سجایا کمرہ خالی تھا بہت آرام و آسایش کے ساتھ یہ لوگ وہان رہ سکتے تھے۔ فلاسفر امید و بیم کی حالت مین منتظر جواب کھڑا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیے یہ التجا قبول بھی ہوتی ہے یا نہین آخرکار شکوک رفع ہوئے اسکے چند مخلص الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ کسی قدر تامل کے بعد دوشیزہ چلنے کے لئے رضامند ہو گئی اُسکو یقین ہو گیا کہ تبدیل مکان سے باپ کی حالت سنبھل جائیگی۔

بروقت مع تمام اسباب کے دونون مسافر مسٹر . . . . کے مکان مین اُٹھ آئے۔ بڈھی خادمہ نے تیمارداری مین لڑکی کا ہاتھ بٹایا اور بڑی جانفشانی اور دل سوزی سے تیمارداری کرنے لگی۔ چند یوم مین ڈاکٹر بھی آگیا اُسنے بڑی ہمدردی سے علاج کیا۔ آب و ہوا کا بھی

اثر پڑا۔ چنانچہ بہت جلد بیمار اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے کے قابل ہوگیا۔

اس عرصہ مین مسٹر ..... کو اپنے بیمار مہمان کا نام اور پتہ بھی معلوم ہوگیا۔ بیمار کا نام لارڈش تھا اور وہ سوئیزرلینڈ کا باشندہ اور پروٹسٹنٹ مذہب کا پادری تھا۔ وہ اپنی بیوی کی وفات کے بعد اسقدر دیوانہ ہوگیا تھا کہ لوگون نے سفر کی رائے دی۔ کیونکہ اُمید تھی کہ سفر سے وحشت اور دیوانگی کم ہوجائے گی۔ اب مدت مدید کے بعد اپنی جیتی واکلوتی لڑکی کے ساتھ وطن واپس جارہا تھا کہ راستہ مین یہ حادثہ پیش آیا۔ وہ ایک مذہبی آدمی تھا جسمین صداقت اور مذہبیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مگر اُسکے مزاج مین تشدد اور سختی نہ تھی جسکو بعض کم فہم مذہبیت سے تعبیر کرتے ہین۔ مسٹر ..... مذہبی خیالات کا آدمی تو نہ تھا مگر مذہبی آدمیون سے متنفر بھی نہ تھا۔ نماز شکریہ اور دعا مین جو تندرستی حاصل ہونے کے بعد ضعیف آدمی نے ادا کی اُسمین خادمہ نے بھی شرکت کی جو گاڑی والون کے نزدیک بے دین سمجھی جاتی تھی۔ فلاسفر انھین دعا مین مشغول چھوڑ ہاتھ مین چھڑی لیکر کتون کے ساتھ تفریح کے لئے روانہ ہوگیا دعا وغیرہ سے فراغت کے بعد خادمہ نے اثنائے گفتگو مین کہا۔

"میرا آقا۔ افسوس۔ عیسائی نہین ہے۔ پھر بھی بے دینون مین بہترین آدمی ہے۔ مس لارڈش نے تعجب وحیرت سے کہا" کیا وہ عیسائی نہین ہے؟ پھر بھی اُسنے میرے والد کی جان بچائی ہے۔ خدا اسے جزائے خیر دے۔ کاش وہ عیسائی ہوتا"

اسکے باپ نے کہا" پیاری بیٹی۔ غرور انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ اچھے اور بُرے کی تمیز باقی نہین رہتی پس مخالفین عیسائیت نیک خصلت لوگون مین بھی پائے جاتے ہین اور اوباش و بیکارون مین بھی۔ بلکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آخرالذکر ہی بہ آسانی راہ راست پر آجاتے ہین اسلئے کہ جذبات نفسانی بہ آسانی مغلوب کئے جاسکتے ہین مگر اُن خیالی اصول متخالطہ وہ خیالات۔ اور عقلی دلائل کا مسترد کر دینا بہت دشوار ہے"

"پیارے باپ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص مرنے سے پیشتر ضرور عیسائی ہوجائیگا"

سلسلہ گفتگو یہین تک پہونچا تھا کہ فلاسفر کے آنے کی آہٹ پائی دونون آدمی [illegible] کو اٹھے۔ فلاسفر نے ہمدردی اور نرمی سے لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیا مگر لڑکی نے ہاتھ چھڑا لیا

اور نیچی نظرین کئے ہوئے کچھ دیر تک خاموش کھڑی رہی۔ پھر بغیر کچھ کہے کمرہ سے باہر چلی گئی۔

لارڈش نے کہا "مین اپنی صحت یابی پر خدائے پاک کا شکریہ ادا کر رہا تھا"

فلاسفر نے جواب مین کہا "جناب نے اچھا کیا"

ضعیف آدمی نے پس و پیش کرتے ہوئے کہا "مجھے شکریہ کے سوا دوسرا خیال ہی کیا ہو سکتا ہے۔ مگر صحت یابی سے میری زیادہ تسکین نہین ہوئی اسلئے کہ زندگی حقیقی منفعت کی چیز نہین ہے۔ افسوس اب مین اسلئے زندہ ہون کہ اپنے نہ مرنے پر افسوس کرون۔ جناب۔ اس تیمارداری کے بدلے آپ نے مجھے مرنے ہی دیا ہوتا تو بہتر تھا"

جوش گریہ سے اُسنے فلاسفر کا ہاتھ زور سے دبایا اور پھر کہنے لگا "مگر جب مین اس جدید زندگی کو خدائے پاک کی عنایت اور فضل و کرم سمجھتا ہون تو اور قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہین۔ میرا دل خدائے تعالیٰ کی شکرگزاری کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ مین اس کے احکام کی اپنا فرض منصبی سمجھکر نہین بلکہ خوشی و رغبت سے تعمیل کرتا ہون، اور عدول حکمی پر خود کو سزا کا مستوجب ہی نہین سمجھتا بلکہ خوف سے کلیجہ تھراتا ہے۔

فلاسفر نے جواب دیا "مہربان من۔ یہ سب آپ کا کہنا بجا ہے۔ مگر ابھی آپ کی صحت اس قابل نہین ہے کہ آپ زیادہ دیر تک گفتگو کر سکین۔ آپ کو اپنی تندرستی کا خیال چاہیے ابھی مطالعہ اور وعظ مین وقت صرف نہ فرمائیے۔ جسوقت آپ نے اپنا ارادہ روانگی ظاہر کیا مین اُسوقت ایک مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔

مین نے سویزرلینڈ کی سیر نہین کی۔ میری خواہش ہے کہ اس سفر مین آپ کے اور آپکی بیٹی کے ہمراہ رہون تاکہ راہ سفر مین آپ کی مدد کر سکون۔ مین آپ کا پہلا معالج تھا۔ لہذا اپنے کو اس بات کا ذمہ دار سمجھتا ہون کہ بخیر و خوبی وطن تک پہونچا دون"

یہ تجویز سُنکر لارڈش کی آنکھین جوش مسرت سے چمک اٹھین اُسنے فوراً اپنی لڑکی کو بُلاکر اس تجویز سے آگاہ کیا، وہ بھی سُنکر بہت خوش ہوئی اسلئے کہ اُسے فلاسفر سے ایک قسم کا اُنس ہو گیا تھا، مگر اسکو فلاسفر کی بے دینی سے رنج ہوتا تھا۔ تاہم اُسکا پاک دل تعصب سے منزا تھا۔ بہرحال بہت ہنسی خوشی سے سفر طے ہو گیا۔ فلاسفر اپنی بات کا دھنی تھا جو کچھ کہا

وہ کر کہا یا تی المقدور راستہ مین آرام پہونچانے کی کوشش کی تاکہ ضعیف پادری کو سفر کی خستگی محسوس نہو۔ اس سفر مین اُنکی ملاقات دوستی اور دوستی محبت کے درجہ پر پہونچ گئی۔ لارڈش نے اپنے رفیق سفر کے مزاج مین سادگی اور شریفانہ جذبات پائے جنکا ایک فلاسفر اور عقلمند مین پایا جانا بعید از قیاس تھا۔ مس لارڈش کو بھی فلاسفر کی ملاقات سے خوشی ہوئی اسکے تمام شبہات غلط فہمی کے درجہ پر پہونچ کے رہ گئے۔ خود رائی اور خود امتیازی جو امرا کا خاص حصہ ہے فلاسفر مین نہین پائے گئے۔ فلسفہ اور مذہب کے علاوہ ہر مضمون پر اظہار خیالات کئے جاتے تھے۔ دنیا کی ہر خوشی و مسرت سے وہ لذت حاصل کرتا تھا۔ معمولی مبحث مین بھی دلچسپی سے حصہ لیتا تھا۔ جب کسی علمی مضمون پر گفتگو ہوتی تو وہ اس سادگی اور خلوص و صداقت سے اپنی معلومات کا اظہار کرتا تھا تاکہ لوگ یہ شبہہ نہ کرین کہ وہ اپنی علمی لیاقت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ پادری اور اُسکی لڑکی کی ہمراہی نے کچھ ایسا اثر کیا تھا کہ فلاسفر انھین زمانۂ قدیم کے لوگون کے مانند بے ریا۔ مخلص و مہذب اور مہمان نواز سمجھکر حقیقی عزت کی نظر سے دیکھنے لگا۔

وہ محبت کا مخالف تھا اور کہا کرتا تھا کہ محبت کوئی شے نہین مگر اب وہ لارڈش کی رفاقت پر ناز کرتا تھا۔ اسے لارڈش پر رشک تھا کہ وہ ایسی لڑکی کا باپ ہے جسکا حسن اپنا جواب نہین رکھتا۔

گیارہ دن کے سفر کے بعد یہ مختصر قافلہ لارڈش کے مکان پر پہونچ گیا جو برگنہ برن کی ایک گھاٹی پر واقع تھا۔ اُسکے گرد سبز پوش پہاڑیان تھین، اور مناظر قدرت کی بیشمار دلچسپیان اُسکے دامن مین پوشیدہ تھین، ایک حسین چشمہ پہاڑیون سے نکلکر مکان کے سامنے بہ رہا تھا۔ دونون طرف درختون کے جھنڈ تھے اور لوٹے ہوئے آبشار کے نشان نظر آتے تھے۔ اُسکے آگے ایک گھنا جنگل تھا، گانون کے قریب ہی ایک خوشنما جھیل بھی تھی جسکے کونے پر درختون کے جھنڈ تھے لارڈش کے گرجا کے مینار نظر آرہے تھے۔ مسٹر..... اس خوشنما منظر سے بہت مسرور ہوا۔ مگر اسکے ساتھیون مین سے ایک کو اس منظر نے بیوی اور دوسرے کو ماں کی یاد دلائی۔ ضعیف پیر بان تو اپنے جذبات غم کو ضبط کئے خاموش کھڑا ہو گیا مگر لڑکی ہچکیان لیکر رونے لگی۔ باپ نے بیٹی کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لیا۔ دو مرتبہ بوسے دیئے، پھر جوش محبت سے دبا کر آسمان کی طرف آنکھین اُٹھائین اور اس آنسو کو جو قطرۂ غم کو چھوڑ کر زمین پر گرنا چاہتا تھا پونچھ لیا۔ مہمان سے چند

حیرت انگیز واقعات بیان کرنے لگا جو اس منظر سے متعلق تھے۔ فلاسفر بے دلی سے ان واقعات کو سنتا رہا اسلئے کہ وہ اندازہ نہین لگا سکتا تھا کہ کسی آزردہ کے دل سے نکلے ہوئے الفاظ کیا اثر رکھتے ہین۔

انھین آئے ہوئے عرصہ نہین گذرا تھا کہ لاروش کے واپس آنے کی خبر سنکر بہت سے بہی خواہ اس سے ملنے آئے۔ یہ لوگ شایستہ نہ تھے مگر مخلصانہ جذبات ضرور رکھتے تھے ہمدردی ظاہر کرنا اصل مدعا تھا مگر ان لوگون کے لئے اہم کام تھا۔ خوش اعتقادی کی وجہ سے لاروش نے انکی باتون کا اچھا اثر لیکر کہا "خدا کی مرضی یہی تھی" لوگون کو معلوم ہوگیا کہ لاروش انھین خیالات مین ثابت قدم ہے اور خدا پر بھروسہ کرنے سے اسکے رنج مین ایک حد تک کمی ہوچلی ہے، صبر نے تمام ہراس و پریشانی کو دور کرکے اطمینان بخشدیا ہے۔

شام ہوگئی۔ گانون کے کاشتکار واپس ہی جانیوالے تھے کہ گھڑیال نے بسات بجائے یہ ادائے عبادت کا وقت تھا جو گانون والے اپنے ہر دلعزیز پادری کو بخیر و خوبی وطن واپس آنے پر مبارکباد دینے آئے تھے، معنی خیز نظرون سے اسکی طرف دیکھنے لگے، پادری نے اپنے مہمان کو اسکا مطلب سمجھایا اور کہا "یہ اشارہ ہے کہ فرض شام ادا کرنے کے لئے تیار ہوجائین آج ہی کے دن میرے اور ہم مذہب اسمین شرکت کرتے ہین، اگر آپ گرجا دیکھنے جانا چاہتے ہین تو اس دیہاتی گاڑی مین چلئے جو ہمین لینے آئی ہے، اور اگر پیدل جانا چاہو تو ایک آدمی کو ساتھ کئے دیتا ہون، یہ بھی پسند نہ ہو تو یہان چند پرانی کتابین ہین انسے دل بہلائیے" فلاسفر نے کہا "نہین یہ نہین ہوسکتا۔ مین مس لاروش کے ہمراہ عبادت خانہ جاؤنگا" لاروش نے کہا "وہی تو ارغنون نواز ہے۔ ہمارے گانون والون کو موسیقی سے بہت دلچسپی ہے۔ سازمین اور جوش پیدا کرنے کے لئے مین اس موقع کے واسطے ایک باجا تیار رکھتا ہون" فلاسفر نے کہا "یہ بات ہے تو میری دلچسپی اور زیادہ ہوگی" دونون کمرے مین چلے گئے۔ ایک پردے کے قریب کونے مین باجا رکھا ہوا تھا اور پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردہ ہٹاکر بیٹھ جانے کے بعد مس لاروش نے اپنے کو عوام الناس کی نظرون سے بچانے کے لئے پردہ کو برابر کیا۔ وہ نہین چاہتی تھی کہ لوگ نغمہ سننے کے بجائے اسے تماشا بنائین۔ سریلی مگر بلند آواز مین گانا شروع کیا۔

مسٹر ..... کوئی مطرب نہ تھا مگر علم موسیقی سے بالکل ناواقف بھی نہ تھا۔ اِس سریلی آواز نے اُسے محو حیرت بنا دیا۔ گو گانیوالی صورت سامنے نہ تھی مگر وہ اسکے تصور سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس گیت کا زیادہ حصہ کلام مقدس سے لیا گیا تھا اور ان لوگون کی رحم دلی۔ محبت وصداقت اور ایمانداری کا ذکر تھا جنھون نے اسکے نام پر جانین قربان کردین تھین، الباسعلوم ہوا کہ ہاتھ کی گرفت جو باجے کو تھامے ہوئے تھی سُست پڑگئی۔ باجہ بند ہوگیا اور گانے کے بجائے رونے کی آواز سنائی دی اسکے باپ نے گانا بند کرنے کا حکم دیا اور خود شکر خدا ادا کرنے کے لئے اُٹھا۔ پہلے تو وہ بھی تھر تھرانے لگا۔ پانون رکھتا کہین تھا، پڑتے کہین تھے۔ بہ وقت سنبھل کر اپنی دعا شروع کی۔ رقت آمیز الفاظ سے اسکی صحیح حالت کا پتہ چلتا تھا، مگر بہت ضبط سے کام لیا۔ قوت ایمان نے صبر کی تلقین کی، پہلے اُسنے خدائے پاک کی تعریف کی جسپر وہ زبان ودل سے فدا تھا۔ پھر خاصانِ خدا کا ذکر کیا۔ لوگ اسکے صدق اور جوش ایمان سے نکلے ہوئے الفاظ سے بے حد متاثر ہوئے۔ فلاسفر کو بھی حرکت ہوئی اور اُسنے خود فراموشی کے عالم مین محسوس کیا کہ یقینی وہ پاک پروردگار پرستش کے قابل ہے۔

لارونش کا مذہب اصولی نہین تھا، بلکہ اغرضی پر مبنی تھا۔ اسکا مہمان بھی بحث مباحثہ کرنا نہین چاہتا تھا، اسلئے گفتگو کا سلسلہ جانبین کے اعتماد پر نکتہ چینی کئے بغیر ختم ہوجاتا تھا پھر بھی ضعیف آدمی کی زبان سے معبود حقیقی کی جوش محبت مین تعریف کے الفاظ بیساختہ نکلجاتے تھے جس سے وہ مستفید ہوتا تھا۔ خدا اور مسیح علیہ السلام کے متعلق خیالات کو اسکی طبیعت سے اسقدر مناسبت تھی کہ ہمیشہ مشکلات مین وہ اسکی رہنمائی کرتے تھے۔ ممکن ہے ایک فلاسفر اسے جو نہیں مانتے۔ گو پرشوق لوگون کی طرح پادری کے بیان مین گرمجوشی تھی مگر اُسکا دامن تعصب کی معصیت سے پاک تھا۔ اس عبادت سے فراغت پاکر لارونش نے مسٹر ..... سے کہا:

"میرے دوست۔ جب مین اور میری بیٹی اُس خوشی کا ذکر کرتے ہین جو موسیقی سے حاصل ہوتی ہے تو آپکو افسوس ہوتا ہوگا کہ آپ موسیقی سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا صحیح ذوق نہین رکھتے اور اس کی وجہ خدا سے قدرت نے آپ کو محروم رکھا ہے۔ مگر آپ کو اسکا تو یقین ہوگا کہ موسیقی کے اثر سے لوگون مین جو خوشی پیدا ہوتی ہے۔ پھر مذہب کے نسبت ہی یہی کیون نکہا جائے

یقین مانئے کہ مین مذہب کی تلقین مین وہ لطف محسوس کرتا ہون جو دنیا کی ہزارون خوشیون ونعمتون سے بھی نہین بدل سکتا - مذہبی جوش زندگی کے خوشیون کے ذائقہ کو مفقود کرنے کے بجائے مجھ مین اور زیادہ زندگی پیدا کرتا ہے - یہ خیال کہ مذہب خدا کا عطا کیا ہوا ہے - جذبات مین حسن کے علاوہ اثر پذیری کی رحمت کا اضافہ کرتا ہے - جب مصائب آتے ہین اور مجھکو اپنا حصہ ملجاتا ہے تو وہ دکھ اور تکلیف کے بدلے بلند رتبہ عطا فرماتا ہے - آدمی کچھ نہین ایک ذرہ ہے جسکو خدائے پاک سے خاص تعلق ہے"

اس مؤثر و دلکش تقریر مین ذرا بھی شبہہ کرنا فلاسفر کی حمیت کے خلاف تھا - اس کا طرز گفتگو - مباحثہ علم طبعی، یا مذہبی کٹ حجتی سے بالکل علیحدہ ہوتا تھا - اسکی گفتگو خودنمائی وظاہر آرائش سے بالکل پاک اور مبرا ہوتی تھی - لاروش اور اُسکی لڑکی کے ساتھ ہر موضوع پر گفتگو ہوا کرتی تھی - کبھی تو قرب وجوار کے متعلق - کبھی دھاتیون کے اخلاق کا انگلستان سے مقابلہ کیا جاتا تھا - کبھی مشہور شعراء کے کلام اور اُنکے احساسات وجذبات پر تبصرہ ہوتا تھا - بہرحال مختلف مضامین پر باتین ہوا کرتی تھین - جنمین باہمی مساوات کا بڑا خیال کیا جاتا تھا تاکہ دونون فریق مستفید ہون - انکے سفر گرد ونواح مین اکثر اس غرض سے ہوئے رہتے تھے کہ مسٹر . . . . کو اس ملک کی قابل دید، مشہور ومعروف، اور عجیب وغریب مناظر قدرت کی سیر کرائی جائے -

کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے سفر بھی کئے جاتے تھے تاکہ ان حیرت انگیز پہاڑون اور ٹیلون کو دیکھین جو برف سے ڈھنکے ہوئے تھے کبھی شکار کے لئے چلے جاتے تھے اور فلاسفر اکثر اوقات انکی تاریخ اور پیدائش کے متعلق سوالات کرتا رہتا تھا مگر لاروش کے دل مین ان حیرت افزا پہاڑیون کو دیکھکر ان ناہموار ٹیلون کو دیکھکر جن پر انسان کا قدم رکھنا ناممکن تھا خدا کی قدرت کے خیالات پیدا ہوتے تھے جنسے ایسی ایسی چیزین بنائی ہین - مس لاروش نے افسوس سے کہا "اس قسم کے پہاڑ فلانڈرس مین نہین پائے جاتے" جنکے جواب مین فلاسفر نے مسکراتے ہوئے کہا "تمھین ایسا نازیبا ریمارک پاس نہ کرنا چاہیے" مس لاروش کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا اور فلاسفر کو زیادہ دریافت کرنے کی جرأت نہین ہوئی -

آخر چند روز کے بعد فلاسفران سے جدا ہوا مگر اسنے لاروش اور اُسکی بیٹی سے اس بات کا وعدہ لے لیا کہ وہ سلسلۂ خط وکتابت جاری رکھینگے۔ اور فلاسفر نے بھی وعدہ کیا کہ جب کبھی وہ گانون کے ۱۵۰ میل کے اطراف مین قدم رکھیگا تو اس مسافت کو طے کرکے وہ ضرور اُنکی ملاقات کے لئے آئیگا۔ اس ملاقات کے تین سال بعد فلاسفر کسی کام سے جنیوا آیا۔ وہان کے خوشنما پہاڑون کو دیکھکر اسے اپنا وعدہ یاد آگیا جو لاروش اور مس لاروش سے کیا تھا اُسیوقت اسکا دل ملامت کرنے لگا کہ اسنے کئی مہینے سے انھین خط مین لکھا تھا۔ مگر واقعہ یہ تھا کہ وہ اسقدر کاہل تھا کہ اُسے خط لکھنا بہت گران گزرتا تھا بمشکل اس خواب غفلت سے جاگتا تھا۔ حالانکہ دوست اور دشمن کے متواتر خط آتے رہتے تھے۔ دوستون کے خطوط خیریت طلبی اور مزاج پُرسی کے، اور دشمنون کے خطوط مخالفت آمیز، مگر فلاسفر ہر ایک کے جواب مین تساہل سے کام لیتا تھا۔ وہ اسی شش وپنج مین تھا کہ ضعیف آدمی کا ایک خط ملا جو پیرس (جہان اسنے مستقل سکونت اختیار کرلی تھی) جاکر یہان آیا تھا۔ اس خط مین مہذب پیرایہ مین خط نہ لکھنے کی شکایت کی گئی تھی اور چونکہ لاروش سے فلاسفر کے دیرینہ مراسم تھے اسلئے مس لاروش کی شادی مین شرکت کی دعوت دی گئی تھی جو ایک نوجوان قریبی رشتہ دار سے قرار پائی تھی اور ضعیف پادری کا ایک پُرانا شاگرد بھی تھا۔ اگرچہ وہ اسی خاندان کا نوجوان تھا لیکن ایک غیر ملک کی فوجی ملازمت کی وجہ سے مدت سے انسے علیحدہ تھا۔ اسنے بہادری۔ جوانمردی وفوجی قابلیت سے اچھے اچھے عہدے حاصل کئے تھے۔ اسی وجہ سے اب اختتام زمانہ ملازمت پر چند ہفتے بعد گھر واپس آنے والا تھا۔ وہ خوش اخلاق۔ نیک چلن تھا لاروش بھی اس سے بہت خوش تھا۔ فلاسفر کو بھی اس نیک کام مین شریک ہونے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ لیکن وہ اس خبر سے خوش نہ تھا اسلئے نہین کہ وہ بھی کبھی مس لاروش کا دلدادہ تھا بلکہ اس خیال سے کہ مس لاروش طبقۂ نسوان مین بہترین نیک نہاد خاتون تھی۔ اور اب وہ ہمیشہ کے لئے دوسرے کے قبضے مین رہیگی۔ تھوڑی سی دیر کی سوچ بچار کے بعد اسنے اس کار خیر مین شریک ہونے کا تہیہ کرلیا۔

اس سفر کے آخری دن مین عجیب عجیب اتفاقات پیش آئے جنکی وجہ سے مقام مقصود

یعنی لارڈش کے مکان تک پہونچنے مین دیر ہوگئی مگر راہبر راستہ سے خوب واقف تھا۔ آخرکار وہ اس جھیل پر پہونچے جو لارڈش کے مکان کے نزدیک تھی اور جسکا بیان پہلے ہوچکا ہے۔ پانی مین روشنی کا عکس نظر آیا جو ایک مکان سے آرہی تھی پھر وہ روشنی آہستہ آہستہ جھیل کے کنارے پر بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ آخرکار روشنی درختون مین اُس سے کچھ فاصلہ پر جاکر رُک گئی فلاسفر نے خیال کیا شائد کوئی برات جارہی ہوگی اور خود بھی اس سین سے محظوظ ہونے کے لئے گھوڑے کو تیز کیا اس جگہہ پہونچنے پر اسے بیحد صدمہ ہوا۔ بجائے خوشی کے وہان خموشی تھی زرق برق لباس کے بدلے لوگ ماتمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ برات کے بدلے جنازہ نظر آیا۔ ایک سیاہ ماتمی لباس والے کے ہاتھ مین ایک مشعل تھی اور وہ جنازہ کے آگے جارہا تھا۔ اور دوسرے لوگ اُسکے پیچھے پیچھے تھے جو مذہبی فرض ادا کرنے کے لئے جارہے تھے۔

مسٹر نے دریافت کیا یہ جنازہ کسکا ہے ایک شخص نے جو پیشہ ورون کے مصنوعی غمگین چہرہ کے خلاف زیادہ رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نظر آتا تھا۔ جواب دیا "کیا تم مس .... کو نہین جانتے؟ جو اپنے حسن مین لاجواب تھی"

"تمہارا مطلب مس لارڈش سے تو نہین ہے"

ہان۔ ہان یہ مس لارڈش ہی کا جنازہ ہے حسرت و رنج کے آثار مسٹر .... کے چہرہ پر نمایان ہوئے جسکی شادی مین وہ شریک ہونے کے لئے آیا تھا۔ اب وہ اسکے ماتم مین شریک ہے۔ جس شخص سے سوال کیا گیا تھا اُسنے اس شبہہ مین کہ مسٹر .... کو کہین دیکھا ہے قریب جاکر غور سے دیکھنے کے بعد کہا "کیا آپ مس لارڈش سے واقف نہین ہین؟ کیا آپ نے کبھی اسے محبت بھری نظرون سے نہین دیکھا؟

"واقف! اے میرے خدا رحم کر!! کب۔ کس طرح اور کہان اسکا انتقال ہوا اور اسکا باپ کہان ہے"

"جناب۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ اسکا منگیتر ایک فرانسیسی افسر کے ہاتھ سے مارا گیا جو اسکا دوست تھا اور جس سے گرمجوشی مراسم تھے اور جس کے ساتھ اسنے بڑے بڑے سلوک کئے تھے۔ اسکا لائق باپ ایک ایماندار عیسائی کی طرح صبر کئے بیٹھا ہے وہ اسقدر صابر ہے

کہ ہوقت ممبر پر وعظ کہنے کے لئے تیار ہے۔ اسلئے کہ ہمارے عقیدہ کے موافق ایسے موقعون پر پند و نصائح کئے جاتے ہین تاکہ انسان صابر رہے۔ راضی برضا رہے۔ جناب۔ میرے پیچھے پیچھے چلے آئین تو وہان پہونچ جائین گے۔"

گرجا مین دھندلی سی روشنی نظر آرہی تھی مگر ممبر کے قریب کچھ زیادہ روشنی تھی۔ جہان عالی وقار واجب التعظیم بزرگ لاروش بیٹھا ہوا تھا اور اُسکے ساتھ حمد پڑھ رہے تھے جو خوشی و غم کے مواقع پر پڑھی جاتی ہے۔ لاروش سامنے کی طرف جھکا ہوا تھا اسکی آنکھین کچھ کچھ بند تھین اور وہ تصویر خاموش بنا بیٹھا تھا۔ ایک چراغ کی روشنی جو اسکے قریب تھا اسکے چہرہ پر پڑ رہی تھی۔ زرد پیشانی کی شکنون کو جس سے ضعیفی کا پتہ چلتا تھا صاف طور پر ظاہر کر رہی تھین۔

نغمہ ختم ہوا۔ ایک منٹ تک تو لاروش خاموش رہا۔ آنسو گر پڑے۔ ساتھی غم سے بیتاب ہوکر زور زور سے رونے لگے۔ مسٹر۔۔۔۔ بھی کچھ کم متاثر نہین ہوا۔ لاروش کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا "اے خدائے رحیم ان آنسوؤں کا خیال نہ کر۔ روحانی استعداد بڑھانے مین اب اس غلام کی مدد کر۔ ان تمام لوگون کی روحانی قوت بڑھانے مین مدد کر! میرے دوستو!! اس سے طلب امداد کرنا ہر وقت بہتر ہے۔ خصوصاً زمانہ مصائب مین تسکین وہ ہے۔ مقدس کتاب کہتی ہے "خدا پر بھروسہ کرو۔ ہمیشہ ہمیشہ اُسی پر بھروسہ کرو، جب تمام دوسرے تائید کرنے والے کنارہ کرتے ہین، جب دنیاوی خوشی کے فوارے خشک ہو جاتے ہین تو پھر ہمین اس آب بقا کو تلاش کرنا چاہیئے جو بارگاہ خداوندی سے بہتا ہے صرف کرم و رحم خداوندی پر بھروسہ کرکے ہم مصائب کا سامنا کر سکتے ہین۔

انسانی عقل یہان کسی مصرف کی نہین جس طرح آرام پہونچانی ہے اسی مناسبت سے خیالات کو فرو بھی کر دیتی ہے جس سے آفات و مصائب کو محسوس کرنے کی قوت باقی نہین رہتی۔

مین یہ نہین کہتا کہ تم بالکل بیخبر ہو جاؤ۔ میرے دوستو! مین نہین کہہ سکتا۔ اگر چاہون بھی تو (متواتر آنکھون سے آنسو جاری تھے) مین اپنے اندرونی خیالات کے اظہار سے شرمندہ نہین ہوتا۔ اسلئے ذرا غور سے سنو۔ مین نے دعا کی کہ مجھ مین اتنی قوت آجائے کہ مین تم سے کچھ کہہ سکون۔ تمھین راہ راست نہ صرف خالی الفاظ سے بلکہ ان آنسوؤن سے بتاؤن۔ صرف

خیال ہی خیال سے نہین بلکہ تجربہ سے - جب تم مجھے اس رنج و غم مین مبتلا دیکھتے ہو تو یہ بھی دیکھو کہ کس وجہ سے مجھے تسکین ہوتی ہے"

تم اپنی اکلوتی اور جیتی لڑکی کے سوگ کرنے والے کو دیکھ رہے ہو جو ضعیفی کا سہارا - ضعیفی مین نعمت غیر مترقبہ تھی - ایسی لڑکی جسکا وجود والدین کے لئے باعث ناز تھا - ایسی لڑکی کے بارہ مین اُسکی خوبیون کا ذکر کرنا بھی مناسب نہین معلوم ہوتا - مگر خدائے پاک کا شکر ادا کرنے کے لئے جسنے ایسی لڑکی عطا فرمائی تھی کہتا ہون - صرف چند ہی دن پیشتر تمنے اسے نوجوان - خوبصورت - نیک خصلت - خوش و خرم دیکھا تھا وہ لوگ جو خود بھی بچے رکھتے ہین میری اسوقت کی خوشی و شادمانی کا اور اسوقت کی تکلیف اور دُکھ کا اندازہ لگا سکتے ہین - مین اسکی طرف دیکھتا ہون جسکی مرضی سے یہ حادثہ ہوا - کیا مین تمھین محسوس کرا سکتا ہون کہ ایسے دل مین جو غم و رنج سے معمور ہو اسمین خدا کی عظمت و شان کے خیال پیدا کرنا کیا ہے - دل کو اُسکے بھروسہ اور اعتماد سے لبریز کرنا کیا ہوتا ہے جسکے قبضہ قدرت مین ہماری فنا و بقا ہے - ہر خوشی کے لئے اُسی کا دست نگر رہنا پڑتا ہے - جن مصائب و تکلیف مین گھرا ہون اُنمین اسیکا تصور تسلی و تشفی دیتا ہے ! ہم زندگی مین آخرت کا خیال نہین کرتے - اسلئے ہمین آخرت کے عذاب کا خوف نہین - ہم چاہتے ہین کہ مسیح ہمارے اور ہمارے دوستون کی شفاعت کرینگے - جاؤ جاؤ میرے لئے رنج نہ کرو - میری بیٹی مجھ سے جدا نہین ہوئی بلکہ بہت جلد مین اُس سے ملنے والا ہون - تم بھی میرے بچے ہو - کیا تم مجھے اس رنج مین خوشی پہونچانا چاہتے ہو ؟ اگر چاہتے ہو تو جاؤ اسکے نقش قدم پر چلو - اُسی کی طرح راست بازی کی زندگی بسر کرو - جب موت آئے تو تمھین پارسا صادق اور ایماندار پائے"

یہ تھا لارڈش کا وعظ - جسکا سُننے والون پر یہ اثر ہوا کہ سب رُو رہے تھے - مگر اس نیک بوڑھے نے ممبر پر قدم رکھتے وقت ہی ضبط کا تہیہ کر لیا - پختگی ایمان اور امید جزا نے اِسے صابر بنا دیا تھا -

مسٹر . . . اسکے پیچھے پیچھے مکان پہونچے - اس وعظ نے جو صبر کی تلقین کی تھی اسکا اثر کم ہوا - گذشتہ زمانہ کی یاد نے بے اختیار کر دیا - تقاضائے بشریت نے اُکسایا - لارڈش

فلاسفر کے گلے مین ہاتھ ڈالکر زار زار رونے لگا۔ آنسوؤن کی جھڑی بندھ گئی۔ دونون خاموش دیوان خانے مین داخل ہوئے۔ جہان عبادت ادا ہونے والی تھی۔ پردے اُٹھا دیے گئے۔ باجے پر نظر پڑتے ہی لاروش کی آنکھون سے آنسوؤن کا سیلاب جاری ہوا۔ بے اختیار ہوکر کہا "ہائے میرے پیارے دوست! آپ کو وہ گذشتہ صحبتین یاد ہین۔ آپ کو اُسدن کی عبادت یاد ہے جس دن آپ اس گانون مین داخل ہوئے تھے۔ ہائے۔ باجہ رکھا ہوا ہے۔ مگر بجانے والا نہین"

مسٹر..... نے اپنے کو سنبھالا، اُٹھکر پردون کو ٹھیک کردیا۔ ضعیف آدمی نے آنسو پونچھ ڈالے اور ساتھی کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر کہا "آپ میری کمزوری دیکھتے ہین۔ یہ فطرت انسانی مین داخل ہے۔ مگر اس سے سکون و آرام مین خلل نہین پڑسکتا۔ یہ وقتی بات ہے"

فلاسفر نے کہا "مین نے وعظ مین اسی طرح کہتے ہوئے سُنا ہے۔ شکر ہے۔ اس سے آپ کی تسکین تو ہو جاتی ہے"

لاروش نے کہا "ہان میرے دوست! یہی میرے لئے باعث تسلی ہے۔ اور مین امید کرتا ہون کہ مین ہمیشہ ثابت قدم رہونگا"

مسٹر..... کا دل نرم ہوگیا۔ اسکے دل مین خیالات کا ہجوم ہوا۔ صداقت کی دل نے گواہی دی۔ واقعات نے مزید تائید کی۔ وہ ایکدم اُٹھا اور بڈھے کے قدمون پر یہ کہتے ہوئے گر پڑا۔

"مین — مین — اُس — معبود — حقیقی — پر — ایمان — لاتا — ہون"

اب وہ فلسفہ اور اُسکی علمی شہرت سے آزاد تھا، وہ گمراہی چھوڑکر راہِ راست پر آگیا مگر کب۔ جبکہ — اُسکی آرزوؤن کی دُنیا ویران ہوچکی تھی۔

(ترجمہ)

منعم (علیگ)

جواہراتِ عالم

مشہور پتھرون کی داستان اور تاریخ

عالم کے گرانبہا جواہرات اور بیش قیمت پتھرون کی تاریخ بھی عجیب و غریب ہے، کنکر دیکھا گیا ہے کہ ایک پتھر عرصہ تک کنج گمنامی مین پڑا رہا مگر جب منظر عام پر آیا تو آفتاب بنکر چمکا اور ساری دنیا مین مشہور ہوگیا، اگر وہ کسی غریب آدمی کے ہاتھ لگا تو بھی ایک نہ ایک دن کسی رئیس یا بادشاہ کے دربار تک رسائی ہوگئی اور اسکی عزت مین چار چاند لگ گئے،

عوام مین مشہور ہے کہ ہر قیمتی پتھر سزاوار نہین ہوتے اگر کوئی بیش بہا پتھر ایمانداری سے حاصل ہوتا ہے تو اسکے مالک کا دل صاف رہتا ہے ورنہ خود ضمیر اسے پریشان کیئے رہتا ہے۔ اسکے علاوہ قیمتی پتھر کی ہر شخص حفاظت بھی نہین کرسکتا ہے، اسلیئے کوئی تعجب نہین کہ اکثر اس قسم کے پتھر کچھ اور زر و مال اپنے ساتھ لیکر غائب ہوجاتے ہین اور اس طرح انکی باعث لوگون کو پریشانی لاحق ہوتی ہے،

دنیا کے چند جواہرات کیساتھ بعض حوادث کچھ ایسے وابستہ ہین کہ انکی ہستی خواہ مخواہ منحوس سمجھی جانے لگی۔ چونکہ ان جواہرات کی چمک دمک اور خوبصورتی انسان کے لیے دلکش ہوتی ہے۔ اور انکے حاصل کرنیکا شوق جنون کے درجہ تک پہونچ جاتا ہے، اسلیئے انکی دستیابی کے لیے اکثر ناجائز طریقے بھی مستعمل ہوتے رہتے ہین۔ یہی سبب ہے کہ انکا وجود خطرات اور حوادث کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے،

ہر قوم اور ہر ملک کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنے خزانون کو بیش قیمت جواہرات سے معمور کردے، اور تاج سلطنت کو انمول ہیرون سے زینت بخشے، چنانچہ بعض جواہرات کے حصول کے لیے جرائم بھی سرزد ہوئے ہین۔ ہم چاہتے ہین کہ بعض قیمتی پتھرون کی تاریخی روایات ناظرین زمانہ کے سامنے پیش کرین، اور ان خطرات و حوادث کا تفصیلی ذکر کرین، جو ان کے چاہنے والون کو پیش آئے ہین،

کوہ نور

دنیا کے تمام جواہرات مین کوہ نور سب سے زیادہ مشہور ہیرا ہے، ایک روایت کے مطابق پانچ ہزار سال پہلے دریائے گوداوری کے دامن مین موسلی پٹیم قریب برآمد ہوا تھا بعض حضرات اسکی دستیابی ۵۰۸ کے قبل مسیح تبلاتے ہین ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہیرا راجہ وکرماجیت کے پاس تھا مگر بعد کو یہ چوری گیا۔ اسپر راجہ نے رنجیدہ ہوکر اسکی نسبت سراپ (بد دعا) دی کہ جس کے پاس یہ ہیرا رہیگا وہ پریشان حال رہیگا۔ چنانچہ ہندوؤن مین عام طور پر یہ ایک کراماتی ہیرا سمجھا جاتا ہے، بہرحال اسکی آب وتاب اور خوبصورتی کیوجہ سے اسکی بہت بڑی قدر ومنزلت ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۰۰ء مین یہ گرانقدر ہیرا علاوالدین بانئے دہلی کے پاس تھا۔ اور ۱۵۲۶ء مین تخت دہلی اور شاہی خزانے کیساتھ یہ عظیم الشان ہیرا بھی سلطان بابر کے قبضے مین آگیا، بابر کے تاریخی حالات مین اسکا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے

سترھوین صدی کے فرانسیسی سیاہی ٹیورنیر (TRAVESNIER) نے کوہ نور کا ذکر اپنے سفرنامے مین کیا ہے، اس نے اورنگ زیب کے جواہرات مین اسکی زیارت کی تھی، اور اس کا وزن اندازاً ۹۳ قراط تبلایا ہے۔ اورنگ زیب کے جانشین محمد شاہ نے نادرشاہ کے حملے کے وقت اسکو اپنی دستار مین چھپا رکھا تھا۔ نادر عرصہ سے اسکی تعریفین سُن رہا تھا جس سے وہ کوہ نور کا نادیدہ عاشق ہوگیا تھا چنانچہ فتح دہلی کے وقت اُس نے خصوصیت سے اسکی جستجو کی لیکن اس سے کہدیا گیا کہ کوہ نور گم ہوگیا ہے، مگر اسکے جاسوسون نے پتہ لگالیا کہ یہ انمول ہیرا محمد شاہ کی دستار مین پوشیدہ ہے،،

نادرشاہ غضب کا چالاک تھا اسنے شاہی دعوت کے موقع پر مخلصانہ طریقہ پر محمد شاہ سے تبادلہ دستار کرلیا، جس سے یہ بیش قیمت ہیرا نادرشاہ کے ہاتھ آگیا۔

"آخر کار یہ جوہر بدریعہ منتقل ہوتا ہوا شجاع الملک والئی افغانستان کے پاس پہونچا"۔

اُنیسوین صدی کے ابتدا مین دوست محمد نے شجاع کو زیر کرکے کابل سے نکال دیا۔ اور اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی پنجاب کے یہان پناہ لی۔ شاہ شجاع اس ہیرے کو اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اسکی خبر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بھی ہوگئی تھی۔ مہاراجہ نے شاہ شجاع سے اس ہیرے کو مانگا لیکن شجاع اسکو جدا کرنے کے لیے تیار نہ تھا، جب مہاراجہ کا اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا اور جب سے دینے کے سوا شاہ شجاع

کو کوئی چارہ کار نہ رہا تو مجبور و معذور ہو کر اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر اسکو دینے پر راضی ہوا۔ لیکن جب شاہ شجاع نے دربار مین ایک بہت بڑا ہیرا مہاراجہ کے نذر کیا تو اُس نے دیکھتے ہی کہدیا کہ یہ اصلی کوہ نور نہین ہے۔ شیر پنجاب کو دھوکا دینا کچھ آسان کام نہ تھا۔ آخر کار شاہ شجاع کو اصلی کوہ نور ایک مرصع صندوقچی مین رکھکر مہاراجہ کے دربار مین بھیجنا پڑا۔ اور مہاراجہ نے اسے ایک بازو بند مین جڑا کر پہن لیا۔ وہ اسکے اعجاز و کرامات کے اسقدر قائل تھے کہ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور کسی وقت اسے جدا کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ سفر مین مہاراجہ کا سامان سوا اونٹون پر چلتا تھا جس پر بہت سخت پہرہ رکھا جاتا تھا۔ اور بجز چند خاص معتمدین کے کسی کو نہ معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ بے بہا ہیرا کس اونٹ پر ہے۔ کچھ عرصہ تک مہاراجہ نے اسکو کلغی کے نیچے صافہ پر بھی بطور زیور باندھا اور بعدہٗ اسکو اپنے بازو مین جڑا کر استعمال کرنے لگے۔

ان سب باتون سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ غالباً وہ اسے اب تک معجز نما تعویذ سمجھتے تھے۔ ہندوؤن کا یہ خیال رہا ہے کہ مہاراجہ وکرماجیت کے یہان سے چوری ہو جانے کے بعد کوہ نور پر ایک جن کا عمل ہو گیا تھا جس کے دور کرنے کیواسطے مہاراجہ صاحب نے اسکو جگناتھ جی کے مندر مین چڑھانا چاہا مگر وزرائے سلطنت نے اسکی مخالفت کی۔ اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد پنجاب کا سلطنت انگلشیہ مین الحاق ہو گیا، اسوقت (SIR JOHN LAGIN) سرجان لاگن لاہور مین رزیڈنٹ تھے۔ انقلاب سلطنت کے ساتھ ہی اُنکو شاہی توشہ خانہ پر اختیار کامل حاصل ہو گیا۔ اُنھون نے اپنے سوانح مین لکھا ہے کہ خزانہ شاہی مین بیش بہا جواہرات بے ترتیبی اور لاپروائی سے تاگون مین پروئے ہوئے رکھے تھے مگر کوہ نور بہت حفاظت کیساتھ ایک صندوقچی مین بند کیا جاتا تھا۔ اور اسپر خاص طور پر پہرہ رہتا تھا۔

بہرحال ۳ مئی ۱۸۴۹ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایما سے سرجان لاگن نے کوہ نور کو کمپنی کیطرف سے ملکہ وکٹوریہ کے نذر کرنے کے لیے لیا۔ صاحب موصوف نے اسکا حال اپنی زوجہ محترمہ کو تحریر کیا اس مین لکھا ہے کہ کوہ نور اُنکے وہم و گمان سے کہین زیادہ قیمتی ہے۔ سرجان اسکو اپنے پاس رکھنا ایک اہم ذمہ داری کا کام سمجھتے تھے۔ اور جب یہ اُن سے لیکر گورنر جنرل ہند لارڈ ڈلہوزی کے پاس گئے کہ وہ اسے لیجاکر ملکہ معظم کے نذر کرین تو سرجان موصوف کو ایک بہت بڑی فکر سے نجات ملی۔ بحری سفر کے دوران مین لارڈ موصوف کو بہت بڑی احتیاط کے ساتھ کام لینا اور اسکی حفاظت کا خاص

اہتمام کرنا پڑا جس طرح ہم ہندوستانی باشندے بعض اوقات احتیاط کیلئے بیش بہا چیزون کو اپنی کمر مین باندھ لیتے ہین اسی طرح لیڈی ڈلہوزی نے خاص طور پر اسکو ایک چرمی تھیلی مین بند کرکے گورنر جنرل صاحب کی پیٹی مین ٹانک دیا اور اُنھون نے اسکو ایک زنجیر مین تعویذ بناکر اپنے گردن مین لٹکا لیا جتنے دن لاٹ صاحب جہاز پر رہے آپنے شبانہ روز ہر وقت اسکو اپنے سینے رکھا، اور ایک لمحہ کے لیے بھی جدا نکیا۔ اسطرح یہ ہیرا لارڈ ڈلہوزی صاحب کے پاس مہینون رہا۔ ایک تحریر مین لارڈ ڈلہوزی نے لکھا ہے کہ وہ گھڑی نہایت مسرت بخش ہوگی۔ جب مین اس ذمہ داری سے سُبکدوش ہونگا؛"

۳ جون ۱۸۵۰ء کو کوہ نور ملکہ وکٹوریہ کی حضوری مین پیش ہوا۔ اور ۱۸۵۱ء کی نمایش عظیم مین رکھا گیا۔ لیکن اسوقت اسمین اتنی آب وتاب نہ تھی جیسی کہ امید تھی،

ولایتی نقطۂ خیال سے اسکی تراش اچھی نہ تھی اور دوبارہ تراشنے کی تجویز ہوئی چنانچہ یہ خدمت ۱۸۶۲ء مین مسرز گراڈر کے سپرد ہوئی جو ولایت کے مشہور جوہری تھے، اُنھون نے مشہور تراشندہ دورسانگر (VOOR SAN GAR) سے اسکو دوبارہ تراشوالیا۔ یہ نامور سنگتراش کوہ نور کو ۳۸ دن مین تراش پایا، اور اسکو آٹھ ہزار پاونڈ (قریب سوا لاکھ روپیہ) بطور حق المحنت دیے گئے، اسکے بعد کوہ نور کی آب تاب بہت زیادہ ہوگئی۔

راجہ دلیپ سنگھ جو رنجیت سنگھ کے وارث تھے اوائل عمر ہی سے انگلستان مین رہے۔ وہ کوہ نور کو بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسکی ضبطی ہمیشہ انھین کھٹکتی رہی۔ راجہ صاحب موصوف رزیڈنٹ لاگن سے واقف تھے۔ ایکبار اُنھون نے لیڈی لاگن سے اپنے خاندان کے اس نشانی کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش کی اور یہ بھی کہا کہ جسوقت وہ انکے خاندان سے لیا گیا تھا اُسوقت وہ بچے تھے، اور اب وہ خود بہ نفس نفیس سے ملکہ معظمہ کی دست مبارک مین دینا چاہتے ہین۔ لیڈی لاگن نے راجہ صاحب کی خواہش کا اظہار ملکہ معظمہ سے کیا، اور ملکہ وکٹوریہ نے راجہ دلیپ سنگھ کی اس درخواست کو منظور فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ مین خود کوہ نور کو راجہ کو دکھادونگی۔

لیڈی لاگن نے جو کیفیت اسوقت کی تحریر کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو اسوقت بڑی تشویش ہوئی جب راجہ دلیپ سنگھ نے اُسکو آدھ گھنٹہ سے زیادہ غم اور افسوس کی نگاہون سے متواتر دیکھتے رہے۔ آخر ایک آہ سرد بھر کر بادل ناخواستہ اسکو ملکہ معظمہ کو واپس کیا۔ اور کہا کہ میرے لئے یہ

ایک نہایت خوشی کا موقع ہے کہ مین بہ حیثیت ایک وفادار رعایا کے اس کوہ نور کو اپنے ہاتھون سے اپنے ملکہ کے سپرد کرتا ہون۔

کوہ نور اب مینار ( ) مین تاج شاہی کے جواہرات کے ساتھ رکھا ہوا ہے ہندوؤن کے عقیدہ کے مطابق اس پتھر پر مہاراجہ وکرماجیت کا سراپ ہے۔ اور اسکا رکھنا کسی کو سزاوار نہین ہوا ہے۔ مغل، پٹھان، سکھ اور درّانی سلاطین جنکے پاس یہ ہیرا رہا سب ایک ایک کرکے تباہ ہوگئے،

اس قسم کے توہمات بعض انگریزون کو بھی ہوچکے ہین اور انکا علانیہ تذکرہ بھی ہوچکا ہے۔ بعض لوگون کا اب بھی یہی خیال ہے کہ جب سے کوہ نور سلطنت برطانیہ کے قبضہ مین آیا ہے تب سے برابر جنگ و مشکلات کا سلسلہ قائم ہے۔ مثلاً جنگ کریمیا۔ غدر ہند۔ جنگ بوئران۔ جنگ عظیم اور کشمکش آئرلینڈ وغیرہ کو ایک طبقہ اسی کی نحوست پر محمول کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مین سے کوئی جنگ بھی برطانیہ کے واسطے خطرناک ثابت نہین ہوئی ہے۔ لارڈ ولہوسی اس خیال کا ہمیشہ مضحکہ اڑایا کیے۔ اپنے ایک خط مین آپنے اُن کل بادشاہون کا ذکر کیا ہے، جن جن کے پاس کوہ نور رہا ہے اور اور اسکے بعد اسکے متعلق ایک چشم دید واقعہ تحریر کیا ہے۔ کہ لونجو نامی ایک فقیر نے آپ سے روایت بیان کی۔ کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع سے اسکی صفت دریافت کی تو شاہ نے بتلایا کہ سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ یہ ہیرا نہایت نصیبہ ور ہے۔ جسکے پاس یہ رہتا ہے وہ ہمیشہ قائم رہتا ہے اگر اس کے نحوست کا خیال ہوتا تو بادشاہ ہرگز اسکی تمنا نہ ہوتی اور وہ اسکے حاصل کرنے کے کوشان نہ ہوتے پہلے اس کا وزن ۱۹۲ ۷ قراط تھا اب اسکا وزن ۱۰۶ ۱/۱ قراط ہے، لیڈی لاگن صاحبہ فرماتی ہین کہ راجہ دلیپ سنگھ کا خیال ہے کہ اسکی تراش سے اُسکی خوبصورتی مین ترقی نہین ہوئی۔ راجہ صاحب کو تراشکر اسکا ساتوان حصہ رکھنا کس طرح پسند آسکتا تھا۔

(ماخوذ) رام سرن نگم

انتقام

دوپہر ہو چکی تھی۔ ستمبر کا ابر و غبار سے صاف آسمان آفتاب کی تیز روشنی مین چمک رہا تھا، مین اور ستندر سفر کر رہے تھے۔ مجھے مطلق معلوم نہین تھا کہ ہم کہان جا رہے ہین اور ہمارے سفر کا کیا مقصد ہے۔ ستندر بابو بچپن سے میرا دوست تھا۔ ہم نے ایک ہی اسکول مین تعلیم پائی تھی اور ایک ہی ساتھ انٹرنس پاس کیا تھا۔ مین نے بی اے کا امتحان پاس کیا مگر اس عرصہ مین ستندر کے متعلق مجھے کچھ علم نہین تھا اُس نے گھر بار چھوڑ رکھا تھا اور حال ہی مین وطن واپس آیا تھا۔ اُس کے کہنے پر مین اُسکے ہمراہ ہولیا تھا۔ مجھے چونکہ اُس کی خاطر منظور تھی اس لیے انکار نہین کر سکتا تھا۔ مین ڈرتا تھا کہ کہین میرے انکار سے وہ ناراض نہ ہو جائے،

ہمین ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ مگر منزل مقصود کا ابھی تک کوئی پتہ نہین تھا۔ ہم روزمرہ سفر کیے رہے تھے آخر ایک روز مین نے تنگ آکر پوچھا کہ ابھی کتنا اور چلنا ہے اس پر وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ بس اب وہ مقام دور نہین ہے کوئی پانچ میل اور چلنا ہوگا۔ ہم تیزی سے قدم اُٹھائے چلے جا رہے تھے۔ مجھے گرمی کیوجہ سے پسینہ آ رہا تھا لیکن ستندر کے چہرے پر تکان کے آثار نہین تھے۔

آفتاب مغرب کیطرف جھکتا جا رہا تھا اور چلنے مین ہمارا سایہ لمبا ہو گیا تھا۔ آخرکار فاصلے پر درختون کی قطار نظر آئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس ریگستان کی زمین کا اختتام آپہونچا۔ شام کے قریب ہم ایک جھونپڑی کے قریب پہنچے جو بالکل ہی بوسیدہ تھی۔ اُس کے نزدیک ہی ایک چشمہ جو اپنی منازل عمر طے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا دامن حرص بھی فراخ کرتا جاتا تھا۔ ایک تیز رفتار ندی کیصورت اختیار کرکے بہ رہا تھا، آس پاس کے پتھرون کو اُس کی لہرین اُٹھا اُٹھا کر باہم ٹکرا دیا کرتی تھین اور اُنکے ٹکرانے کی آواز فضا مین پھیل جاتی تھی، اسکی پرسکوت فضا پر ناریل کے درخت سایہ فگن تھے۔ کنارے خاردار دامن آزما جھاڑیان بھی ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھین جو پھولون سے اکثر محروم رہتی تھین،

جھونپڑی کے اندر پہنچکر ستندر نے ایک گہری سانس لی اور یہ کہکر کہ اب ہم پہنچ گئے ہین اطمینان سے بیٹھ گیا۔ مین بھی پیچھے پیچھے اندر پہنچا۔ یہ جھونپڑی بہت چھوٹی سی تھی جسمین دو تین آدمیون سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی اور گو وہ اسوقت سونی معلوم ہوتی تھی مگر آثار بتا رہے تھے کہ غیر آباد نہین ہے۔ ایک گونے مین ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا مٹی کا گھڑا پڑا ہوا تھا اور دوسرے مین ایک چارپائی۔ مجھے اسوقت شدت کی پیاس لگ رہی تھی مین نے خوب سیر ہوکر پانی پیا اور ستندر سے دریافت کیا۔ "ہمین یہان کبتک رہنا ہوگا؟"

اسوقت وہ دروازے کے قریب کھڑا ہوا باہر کسی چیز کو دیکھ رہا تھا اس نے جواب دیا "تھوڑی دیر کے بعد بتاؤنگا"

تکان کی وجہ سے میری آنکھین خود بخود بند ہوئی جارہی تھین۔ مین جاکر چارپائی پر سو رہا سر رکھتے ہی مین کسی دوسری دنیا مین تھا۔ مین بہت دیر تک سویا کیا۔ اس عرصہ مین مجھے کچھ معلوم نہین کہ وہان کیا ہوا مگر جب مین سوکر اُٹھا تو مین نے دیکھا کہ ستندر وہان نہین ہے۔ باہر میدان مین چاند بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا اور خاصکر چشمہ کا نظارہ بہت ہی دلکش تھا۔ مین جھونپڑی سے باہر آکر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ چاند کی روشنی مین وہ ریگستان ایک سمندر کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ چارون طرف مایوسی چھا رہی تھی۔ چاند کی خوشگوار روشنی مین مین نے بہت دُور تک نظر دوڑائی مگر ستندر کا کہین پتہ نہ ملا وہ کہان چلا گیا تھا؟ مجھے معلوم نہ تھا۔

مین جھونپڑی مین واپس چلا آیا مگر نیند نہ آئی تھی نہ آئی۔ آدھی رات کے قریب مجھے کسی کے پانون کی آہٹ سُنائی دی اور ساتھ ہی ستندر جھونپڑی مین داخل ہوا۔ اُسکے پیچھے پیچھے ایک عورت تھی وہ بھی آکر بیٹھ گئی۔ ستندر نے میرے ہاتھ مین تلوار دیکر کہا۔ دیکھو اندر کوئی نہ آنے پائے ورنہ ہماری خیر نہین۔ تم یہین دروازے پر رہو اگر کوئی شخص اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو تم تلوار سے روکو یہ کہکر وہ دونون چارپائی پر جا بیٹھے اور باتین کرنے مین مشغول ہوگئے اور مین تلوار ہاتھ مین لیے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ ابھی تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ مجھے جھونپڑی کے نزدیک کسی چیز کا سایہ دکھائی دیا مین نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "کون ہے" سایہ غائب ہوگیا۔ کئی دفعہ بھر نمودار ہوا مگر میرے پوچھنے پر غائب ہوگیا۔ صبح ہوتی آرہی تھی اور چاند کی روشنی سپیدہ صبح کی نیم تاریکی مین غائب ہوتی جارہی تھی جھونپڑی

کے باہر ایک ہنسی کی آواز میرے کان مین آئی۔ یہ ضرور غیر انسانی قہقہہ تھا۔ مین گھبرا اُٹھا۔ ہمین جھونپڑی مین رہتے ہوئے ایک ہفتہ گذر گیا مگر اس عرصہ مین ہمارے درمیان کوئی بات چیت نہین ہوئی۔ ہم دونون وقت ایک ہی دسترخوان پر اکٹھے کھانا کھاتے۔

ستندر اکثر اس لڑکی سے اجنبی زبان مین باتین کیا کرتا تھا مگر مین کچھ نہ سمجھ سکتا تھا۔ لڑکی بھولی بھالی اور بیحد خوبصورت تھی۔ مگر ہر وقت کسی اندرونی غم کی وجہ سے مغموم رہتی تھی۔ اس کے چہرے پر ہر وقت خوف و ہراس کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ ستندر اُس کے دل بہلانے کے لیے باتین کرتا رہتا تھا مگر اُس کے اندرونی غم مین کمی نہوتی تھی، رفتہ رفتہ ستندر کیطرف سے جو شبہات مرے دلمین پیدا ہوگئے تھے سب غائب ہوگئے تھے

ایکدن دوپہر کیوقت جب ہم کھانا کھانے بیٹھے تو ستندر نے اُسے میرا نام بتایا وہ آہستہ آہستہ میرے نام کی ہجے کرکے بولنے کی کوشش کرنے لگی اور بڑی دیر کے بعد مشکل سے میرا نام ادا کرسکی، مین بھی اُس کا نام معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن اُس سے کس طرح کہتا۔ ستندر نے خود ہی کہا "تم بھی اِس کا نام معلوم کرنا چاہتے ہوگے؟"

مین نے کہا "ہان"

ستندر نے اُسے اسی زبان مین کہا "تم خود ہی بتادو" اُس نے شرما کر سر نیچا کرلیا مگر تھوڑی دیر کے بعد میرے اصرار پر بتایا۔ اندوبالا۔ یہ کوئی غیر مانوس اجنبی نام نہ تھا۔ ہم نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد مین نے دریافت کیا "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

اُس نے میری بات کاٹتے ہوئے جواب دیا "تم ہی بتاؤ کیا کرنا چاہیئے" رات کے تمام واقعات میری آنکھون کے سامنے آگئے مین نے کہا "یہان رہنا تو مناسب نہین معلوم ہوتا" ستندر نے گھبرا کر کہا "اچھا تو ابھی چلین" یہ کہکر اُس نے اندوبالا کو بلایا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

دوپہر سے شام تک ہم ریگستان مین چلتے رہے۔ اندو بہت تکان محسوس کررہی تھی مگر خاموش تھی۔ ہم برابر سفر کرتے چلے جارہے تھے یہانتک کہ شام ہوگئی ہم ایک گانون مین پہنچے۔ یہان ہم نے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ اندو کوٹھری کے اندر سوئی اور ہم دونون نے اپنی چارپائیان دروازے کے قریب بچھائین۔ گذشتہ چار پانچ راتون کی یاد نے مجھے سونے نہ دیا۔ مین کروٹین لیتا رہا اور ستندر کی حالت کو بنظر غور دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی وہ سوتے مین بچے کی طرح ڈر کر چیخ مارتا تھا اور کبھی کانپنے لگتا تھا۔

یہ ایک بار نہین بلکہ مین نے کئی بار دیکھا مگر منہ سے کچھ کہہ نہ سکا۔ ڈر کے مارے چپ ہو رہا۔

کوٹھری مین چراغ کا تیل ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ نہایت مدھم جل رہا تھا۔ کبھی کبھی چراغ کی روشنی دفعتاً تاریکی مین اُجالا کر دیتی تھی۔ آخر کار وہ بجھ گیا اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ مجھے کسی کے سانس لینے کی آواز سُنائی دی۔ مین نے سرہانے سے تلوار نکالی اور خوفزدہ آواز سے پوچھا "کون ہے؟" آواز پھر نہ آئی معلوم ہوتا تھا کہ اب دور چلی گئی ہے۔ مین پھر بستر پر گرمنیدہ کا نور ہو چکی تھی۔ ابھی گھنٹہ ہی گذرا ہوگا کہ سانس کی آواز پھر سنائی دی۔ مین چھٹ تلوار کا قبضہ مضبوطی سے پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور پوچھا۔ "کون ہے؟" جواب نہ تھا۔ ..... تھوڑی دیر کے بعد صرف اتنا سُنائی دیا "انتقام" مین ڈر گیا۔ الفاظ میرے منہ تک آکر رہ جاتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے میری زبان پکڑ لی ہو۔ دفعتہً کوٹھری مین ایک مہیب آواز سُنائی دی اسکے ساتھ ہی ایک بڑا سانپ نمودار ہوا۔ سانپ نے اندو کو کاٹا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

ستندر جھٹ سے اٹھ بیٹھا اور کوٹھری کے اندر اس کی چارپائی کے قریب پہنچ گیا اُسکی آنکھون مین آنسو بھر آئے اور زبان سے صرف یہی نکلا "او ظالم! تو مجھے کیون نہ لے گیا" لیکن اس سے پیشتر کہ وہ اُسے چھاتی سے لگائے وہی سانپ پھر نمودار ہوا اُس نے ستندر کو کاٹا اور وہ چکر کھا کر زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔

سونے سے پیشتر دونون ایک دوسرے کیحالت پر آنسو بہاتے رہے۔ اندو بھی جی بھر کر روئی۔ افسوس! کیا خبر تھی کہ اُن کے اندیشے اتنی جلد پورے ہونگے! شاید اُنکی معلوم نگاہین پردہ غیب کی محرم تھین شاید اُنکے کانون مین قضا کے فرشتے سرگوشیان کر رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے پر قربان ہو گئے مگر اُن کی یاد ابتک مرے دل کو ستا رہی ہے۔

(ترجمہ) افتخار الرسول بدر

پپیہا اور پی کہان[1]

(۳)

ابر و یاران نے دماغون کو جنون زا کر دیا
عاشق و معشوق مین اک جوش پیدا کر دیا
پی کہان، نے اور سونے مین سہاگا کر دیا
شوق و ارمان نے دلون مین حشر برپا کر دیا

دل مین شوقِ وصل کے سو ولولے پیدا ہوئے
نامہ و پیغام کے اب سلسلے پیدا ہوئے

صحن مین ہل مل کے سب آئین ہین کر ساریان
ہین نہاتے ہین مگن کوئی یہان، کوئی وہان
آرسی مین دیکھتی ہے کوئی اپنا رنگ پان
کوئی [illegible] یو نچھتی ہے بڑھ کے پھیلا ہو جہان

آگیا اتنے مین شوہر دیکھ یہ کھیل کھائین
کھینچ کر ساری کو گھونگھٹ کر لیا شرما گئین

اے پپیہے تو نے پھر پوچھا کسی سے "پی کہان"
سُنکے اُٹھین اپنے اپنے پی کی جانب انکھڑیان
مسکرائین تاڑ کر سب ہمسین جو تھین وہان
چھیڑ کر طنز و ن سے کھولا راز جذبات نہان

اتنے مین بجلی جو کڑکی دل مین ڈر آنے لگے
سُنکے بادل کی گرج خوف و خطر آنے لگے

بھاگ کر اک بارگی جھولے کے پاس آنے لگین
جھک گئین بار بار اس تر سے بل کھانے لگین
گر ہوا سے کچھ اڑا آنچل تو شرمانے لگین
ہمسنون نے کھینچ لی ساری تو جھلانے لگین

کوک کر گانے لگین ساون ملارین ساتھ ساتھ
لوٹتی ہین فصل بارش کی بہارین ساتھ ساتھ

---

[1] اس نظم کے پہلے دو حصے زمانہ جولائی و اگست مین شائع ہو چکے ہین۔

چھائے "پی پردیس" سے ملتے ہین وحشت کے مزے ہجر کے لمحون مین پوشیدہ ہین الفت کے مزے
وصل کے دن یون جو یاد آتے ہین فرقت کے مزے اور بڑھ جاتے ہین عیش بے نہایت کے مزے

ہے ہجوم حسرت و ارمان، اشکین دل مین ہین
چڑھ رہی ہے شوق کی گنگا ترنگین دل مین ہین

ہے شب تاریک جھک آئی ہین کالی بدلیان بادلون کی گود مین لیتی ہے برق انگڑائیان
کر رہے ہین باد اور بارش عجب اٹھکیلیان دیدنی ہین آج کی شب گلرخون کی شوخیان

"پی کہان"، سے دل پہ چل جاتا ہے نشتر بار بار
شوہرون سے ہین لپٹتی ہو کے مضطر بار بار

اُس کی کیا بیتابیان کہیئے جو ہے فرقت نصیب ہر گھڑی گرم فغان رہتی ہے شکل عندلیب
فرط شوق و تلخئ حرمان سے حالت ہے عجیب مسکرانے مین بھی بھر لاتی ہے آنسو وہ غریب

دن کو تو رہتا ہے مانع ساس اور نندون کا پاس
شب کو یون لکھ کر نکالا کرتی ہے دل کی بھڑاس

"مین ہون اور بیتابئ دل اور غم دوریٔ یار" "رات اندھیری اڑ رہی ہے جس مین بدلی سی بہار"
"مور کی آواز دل پر کرتی ہے برچھی کا وار" "دل دھڑک اُٹھتا ہے بادل کی گرج سے بار بار"

"اضطراب خوف و حرمان مین گلے لپٹائے کون"
"یکے آغوش محبت مین یہ دل بہلائے کون"

"رات کے بارہ بجے ہین گھر ہے اک وحشت سرا" "ساس نندین محو خواب ناز مین ہین جا بجا"
"کھڑکھڑا کر توڑے دیتی ہے کواڑون کو ہوا" "وحشت و ہیبت نے کر رکھا ہے اک محشر بپا"

"دل کو چین آتا نہین، آنکھون مین خواب آتا نہین"
"آپ مجھ سے دور اور خط کا جواب آتا نہین"

اے پپیہے! تو کہان اسوقت بولا چپ بھی رہ! تو نے اپنا منھ کہان بیوقت کھولا چپ بھی رہ!
میرے حق مین اس صدا نے زہر گھولا چپ بھی رہ! کر دیا دل کو جلا کر کیون پھپھولا چپ بھی رہ!

پر نہیں لگتے مرے میں آہ! اڑ جاتی نہیں
ہجر میں اس زندگی کو موت بھی آتی نہیں

پی نہیں جن عورتوں کا اُن کو لطفِ جان نہیں — سیکڑوں دل وہ ہیں جن کے درد کا درماں نہیں
گھر میں ہر سو یاس ہے جز یاس کچھ سامان نہیں — موت کی حسرت ہے دل میں اور کچھ ارمان نہیں

اے پپیہے! تجھ سے بڑھ جاتا ہے سوز بیوگی،،
،پی کہاں، کا شور ہے آتش فروز بیوگی،،

ہو گئے ہیں جن کے ارمانوں کے دن خواب و خیال — جن کو اس عالم میں اب ممکن نہیں روز وصال
بن گئی ہیں فرطِ غم سے پیکرِ حزن و ملال — زیست سے بیزار ہیں بارِ علائق ہے وبال

،پی کہاں، سے ان کے دل پر بجلیاں گرتی ہیں آہ!
دیدۂ پر خوں میں اگلی صحبتیں پھرتی ہیں آہ!!

وہ شبِ تاریک وہ بارش کا چاروں سمت زور — وہ ہوا تند اور بادل کے گرجنے کا وہ شور
اِس طرف بولے پپیہا اُس طرف چلائیں مور — شمع پر ٹوٹیں پتنگے چاند کو دیکھے چکور

وہ دلِ نازک کا بجلی سے دھڑکنا بار بار
ڈال کر باہیں گلے میں مُنھ کو تکنا بار بار

ہیں وہی برسات کے دن اور وہی کالی گھٹا — ہے وہی نیرنگیٔ موسم وہی ٹھنڈی ہوا
ہیں وہی بارش کی جھڑیاں اور پپیہے کی صدا — یہ تو سب کچھ ہے وہی، لیکن وہی دل بھی ہے کیا؟

دل کی جا سینے میں داغِ دل ہویدا ہو گیا
شوق و ارمان کی جگہ ناسور پیدا ہو گیا

اب تو آہ سرد ہے ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ساتھ — اشک اُمنڈ آتے ہیں آنکھوں میں گھٹا کے ساتھ ساتھ
ہوک اُٹھتی ہے پپیہے کی صدا کے ساتھ ساتھ — دل تڑپ جاتا ہے یادِ دلربا کے ساتھ ساتھ

ہیں وہی خطرے، نہیں لیکن وہ آغوشِ پناہ
چپکے چپکے بسترِ غم پر پڑی کرتی ہیں، آہ!،

شب کو گر بستر پر جا پہونچی پپیہے کی صدا ہوک سینہ مین اُٹھی، سر پر ہوئی نازل بلا
دل پہ بجلی سی گری، منھ کو کلیجا آگیا رات بھر رو رو کے مانگا کی خدا سے یہ دعا
"ہین وہ جس عالم مین کیون مین بھی وہان جاتی نہین
موت آئے گی مگر کمبخت آج آتی نہین"

اک پری رو جان شوہر، نوجوان غنچہ دہن کھلتے کھلتے رہ گیا جس کی اُمنگون کا چمن
گھل گیا ہے شدت امراض سے جسکا بدن سامنے رکھے ہوئے ہین جس کے تابوت و کفن
یاس کے عالم مین بستر پر پڑی خاموش ہے!
آگیا وقت وداع روح اتنا ہوش ہے!
رفتہ رفتہ مٹ چلے ہین ظلمتِ شب کے نشان جان کنی کا وقت ہے اور صبح کاذب ہے عیان
سامنے شوہر بھی ہے رو کے ہوئے آہ و فغان کان مین اڑتی ہوئی آواز آئی "پی کہان"
کھل گئین آنکھین نظر شوہر کے رُخ کو پا گئی
سر پہ شوہر کے قیامت پر قیامت آگئی،

اے پپیہے! تو، تو ہے شاخِ شجر پر نغمہ زا ہے صدا تیری کسی کو نوحۂ صبر آزما
کیا خبر تجھکو کہ گذری ہے کسی کے دل پہ کیا! زیست سے بیزار کوئی 'پی کہان' سے ہو گیا!
تجھ سے بنجاتے ہین بجلی کے شرر ذرات دل
خوب دکھلاتا ہے تو نیرنگیٔ جذبات دل،
فصلِ بارش چار سو ہے محفل آرائے جہان ہے بہار حسن فطرت پتی پتی سے عیان،
اب کہان تک اے جگر! طومار نیرنگِ بیان ہو کے تو خاموش گوشِ دل سے سُنلے 'پی کہان'
چشم بن کر سر بسر محوِ جمالِ یار رہو،
مستِ کیفِ شوق و بدمستِ خیالِ یار رہو،

شیام موہن لال جگر مرحوم۔ اے "بریلوی"

دردِ دل کی داستان

جناب لالہ رام پرشاد صاحب کھوسلہ۔ ایم۔ اے۔ (آکسن) متخلص بہ ناشاد

کسی کے سینۂ پُر درد کا داغ نہان ہونمین — کسی حسرت زدہ کی چشم کا اشکِ رواں ہونمین
بھرے ہین مجھ مین یاس و حسرت و غم اک زمانے کے — جہان مین بیکسون کے دردِ دل کی داستان ہونمین
الگ رہتا ہون مین بزمِ نشاط و عیشِ دنیا سے — نگاہِ یاس ہون دُودِ دلِ افسردگان ہونمین
کبھی ہونمین کسی بیکس کے ضبطِ دل کی خاموشی — کبھی آہِ کشیدہ اور آوازِ فغان ہونمین
کبھی مین دل جلون کا داغِ دل بنکر چمکتا ہون — کبھی سوزِ جگر ہون شعلۂ آہِ تپان ہونمین
مرے دامن سے کیا مطلب غبارِ راہِ ہستی کو — کبھی کا گیرِ و دارِ دہر سے دامن کشان ہونمین
بجھا مجھکو نہ اے بادِ حوادث اپنے جھونکون سے — شبِ تاریک مین شمعِ مزارِ بیکسان ہونمین
وفورِ شوق ہون یا انتہائے نا اُمیدی ہون — مٹا ہون محفلِ ہستی سے بے نام و نشان ہونمین
کبھی بیتابیٔ دل ہون کبھی فریادِ بیکس ہون — تڑپ ہون مرغِ بسمل کی عنادل کی فغان ہونمین

فدائے شوق۔ محوِ آرزو۔ وقفِ تمنا ہون
جہان مین ہستیٔ ناشاد کا وہم و گمان ہونمین

آئینۂ بیدلی

از حضرت احسن سنبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ کانپور

تڑپ اُٹھتا ہون جب ذکر مے گلفام آتا ہے
دلِ خون گشتہ کا آئینہ بن کر جام آتا ہے

ٹھہر اے دل سکونِ عشق پر الزام آتا ہے
تجھے کوئی تڑپنے کے سوا بھی کام آتا ہے

اسی کا نام جینا ہے تو مین جینے سے باز آیا
کہ اب ہر ہر نفس سے موت کا پیغام آتا ہے

لبالب ہے مرا پیمانۂ دل خون حسرت سے
تکلف سے مری بزم طرب مین جام آتا ہے

شب غم کچھ انہین مایوسیون سے جی بہلتا ہے
مصیبت مین یہی ٹوٹا ہوا دل کام آتا ہے

مرا ذوقِ تماشا حشر مین رسوا نہ ہو جائے
قیامت ہے وہ سوئے جلوہ گاہِ عام آتا ہے

دلِ مرحوم کل تک شمعِ بزم زندگانی تھا
بڑی حسرت سے لب پر آج اسکا نام آتا ہے

ہوئین افسردہ تسکین بے نیاز سوزِ دل ہوکر
ارے نادان اس محفل مین رونا کام آتا ہے

رہینِ بیکسی ہون ناز برداریِ تمنا ہون
اسیرانِ محبت کو کہین آرام آتا ہے

فنا کے بعد بھی کیا سامنا ہے اس مصیبت کا
تڑپ اُٹھتا ہے دل جب زندگی کا نام آتا ہے

کلیجہ منہ کو آتا ہے نہ پوچھ اے ہم نفس مجھ سے
کہ میری داستان غم مین ان کا نام آتا ہے

تمناؤن کی قسمت مین ہے شاید مرگ مایوسی
چھُری لیکر خیال کوشش ناکام آتا ہے

یہ ذوقِ کیفِ غم یہ روح کی افسردگی احسن
ترے دلمین کبھی اندیشۂ انجام آتا ہے

جگانے کا ناد

اے برہمن! ہندوؤن کی قوم کے شیرازہ بند
مانتے تھے تجھکو قبلہ دہر بھر کے ہوشمند

اے کہ خود الیشور کا تو ہمراز تھا اور ہم زبان
سحر تھا اپنے اثر مین تیرا اندازِ بیان

کائے کا ہمسر سمجھتے تھے تجھے اہلِ نظر
تھی خدا کی ذات، تجھ سے کوئی برتر تھی اگر

ظاہر و باطن مین تیرے جلوہ گر تھی راستی
اور ترا ایمان تھا "ایکو برہم دُوتیو ناستی"

سب سے اوّل آشنائے درد تیرا دل ہوا
محرمِ افکارِ گرم و سرد تیرا دل ہوا

تیرے چہرے پر خدا کا نور تھا پرتو فگن
تھا خیالِ حق مین صبح و شام تیرا دل مگن

دیکھتے تھے تیری جانب بزم کے اہلِ سُرور
اور چرچا تھا تری ساقی گری کا دُور دُور

وائے عبرت تجھ سا اہلِ ہوش یون مدہوش ہو
تجھ سا عرفان کوش یون غفلت کا مینا نوش ہو

جاگ مستِ خواب! اپنی نیند سے بیدار ہو
چرخِ کجرفتار سے پھر برسرِ پیکار ہو

تو جو جاگے گا تو جاگ اُٹھے گی ہندو قوم بھی
تیرے نغمون سے پگھل جائینگے سنگ و موم بھی

ہندوؤن کے دل مین تازہ ہوگی رسمِ دوستی
گویا اس محفل مین تازہ ہوگی رسمِ دوستی

جاگ ہندو قوم کے بکھرے ہوئے دفتر کو باندھ
سلکِ اُلفت مین کھشتری، ویش اور شودر کو باندھ

وید کے نغمون کو پھر سے بزمِ ہستی مین سُنا
رازِ سربستہ سے اہلِ دل کو کر دے آشنا

وشنو پرشاد فدا بی۔ اے۔ از لاہور

بادۂ کہن

جناب خورشید لکھنوی (مرحوم)

غیر مطبوعہ

کیا شکوہ خدا کے سامنے بھی اپنے ہی دل کا
بتایا بھی تو یون ہمنے بتایا نام قاتل کا

نہ پوچھو ہمنشینو بس یہی حالت ہے میری بھی
کبھی دیکھا ہے اُٹھنا درد کا اور بیٹھنا دل کا

تسلی قیس کی غربت مین ہے منظور ہر شے کو
بگولا بھی اشارے سے بتا دیتا ہے محمل کا

مرقع حسن و الفت کا تمہاری بزم تھی گویا
وہ پروانون کی بیتابی وہ جلنا شمع محفل کا

کوئی اتنا نہین تربت مین یہ کہدے فرشتونسے
نہ چھیڑو اس مسافر کو تھکا ماندا ہے منزل کا

بھلا اس بچنے کی بھی کوئی حد و نہایت ہے
مجھی سے وہ گلہ خود کرنے بیٹھے ہین مرے دل کا

شکستہ شیشون کو بھی مل نہ اے بیدرد تلوونسے
سمجھ ہر ٹکڑے کو ٹکڑا کسی ٹوٹے ہوئے دل کا

یقینی کچھ ملی ہے خاک ہم سے بیقرارونکی
نہین بیوجہ اٹھنا بیٹھنا یون گرد منزل کا

سُبکدوشی عطا کی کیسی خورشید اُسنے اکدم مین
نہین خنجر مری گردن پہ ہے احسان قاتل کا

حضرت شاہی رحمۃ اللہ علیہ

(غیر مطبوعہ)

جان بہر تو در بلاست مارا
دل پیش تو مبتلاست مارا

پیشت بدعا برآورم دست
در دست ہمین دعاست مارا

ہر شب بہوائے خاک کویت
دیدہ بر رہ صباست مارا

خرام چو گل قبا کشودہ
چون جامۂ جان قباست مارا

تو ناوک غمزہ زن کہ پیشت
سینہ سپر بلاست مارا

شاہی چہ غم ار جفا کند یار
چون رو برہ وفاست مارا

لطفِ سخن

مرزا جعفر علیخان صاحب اثر

یہ بلا نصیب کس سے کہے حال زار اپنا
کوئی غمگسار اپنا ہے نہ رازدار اپنا

دل مضطرب سے گذری شب غم نہ پوچھ کیونکر
کہ بجائے تیرے اکثر رہا انتظار اپنا

ہم اسیر رنگ و بو ہین نہ ہمین ہوس چمن کی
گل تر پہ خندہ زن ہے دل داغدار اپنا

وہی اُن سے کہہ رہا ہون کہ جو اُنکا مدعا ہے
نہین مثل دل زبان پر بھی اب اختیار اپنا

کبھی بیکلیون سے اُلجھا کبھی چشم فتنہ زا سے
مجھے یاد آرہا ہے دل بیقرار اپنا

یہ تیری ہی سی کہے گا یہ تیرا ہی دم بھریگا
ہوا ہے اور ہوگا دل بیقرار اپنا

ہوئے خاک پر بھی لیکن وہی رازداریان ہین
ترے در تک اُڑکے پہونچا نہ کبھی غبار اپنا

جسے دست جور گلچین نے سمجھ کے پھول توڑا
وہی آشیان اثر تھا سر شاخسار اپنا

پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رئیس رضا شوق

مست ازل سب جمع ہوئے ہین، لاؤ سبو کچھ کام چلے
ساقی کو ہان پاس بٹھاکر۔ یارو دور جام چلے

دلکو ہمنے اپنا جانا۔ ہمسے خطا یہ فاش ہوئی
دھوکا جو دے وقت پہ ہمکو ایسے سے کیا کام چلے

عمر گذاری جیون تون ہمنے حسرت و یاس و حرمان مین
داغ الم رکھکر دل پر۔ اس دنیا سے ناکام چلے

رفتہ رفتہ تا در جانان، گرتے پڑتے پون پہونچے
ٹھوکرین کھاتے، بیٹھتے اُٹھتے، صبح سے ہم تا شام چلے

کچھ تو سبو کا صدقہ دیدے تجھسے منت کرتے ہین
حلق مین کانٹے خشک پڑے ہین ہان اے ساقی جام چلے

کیا ہے مریض غم مین باقی۔ جینے کی کچھ آس نہین
زیست کی کیا اُمید اُسکی، جو صبح چلے یا شام چلے

آہ وبکا تھی کسکے دلکی، ہائے ستایا کسکا تھا
رہبر و رہنما جسکا شیون، اپنا کلیجہ تھام چلے

فیض شہیر ماہر فن ہے شوق نے بزم شعرا مین
پیش کیے ہین لخت جگر کچھ، شاید اسنے نام چلے

بامحاورہ یا لفظی ترجمہ درج نہین ہے، نہ کسی خاص ملت یا سیروا کے اصولون کو پیش نظر رکھکر الفاظ کو کھینچ تان کر معنی اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ اشلوکون کا مطلب و مفہوم ایسے سہل اور دلکش پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے، اور فلسفہ کے روکھے پھیکے مضمون کو شستہ زبان مین لطیف تشبیہات و تمثیلات کے ساتھ ایسے نرالے طرز مین ادا کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو مطالعہ کی گرانی یا زحمت کا کسی منزل پر بھی احساس نہین ہوتا - اور معنی سمجھنے مین کوئی دقت نہین ہوتی - یہ اچھوتا طرز بیان اور مضمون کی روانی و آمد اس کتاب کی خاص خوبی ہے، پڑھتے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف عشق الٰہی (بھگتی) مین سرتاپا غرق ہے، اور اپنی ہستی کو فراموش کر چکا ہے - جذب الفت (پریم) کے مزے لے رہا ہے اور مسرت روحانی (آنند) کے سیلاب کو جو اسکے قالب عنصری کے اندر موجزن ہے - شیرین الفاظ کی شکل مین ہمارے روبرو بیٹھا ہوا بہا رہا ہے - یہ الفاظ آج چھ سو برس سے ہزارہا تشنہ لبان معرفت کے تسکین قلبی کا موجب ہین اور انھین فلسفۂ ادویت داد (جیوا اور برہم ایک ہی) کی توضیح کے ساتھ ساتھ بھگتی اور ایشور پریم کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہین - اس شرح کو گیتا کے گاتھا (کتھا) یا فلسفہ گیتا پر نہایت فصیح و بلیغ نگچرون کا سیر نہ سمجھنا چاہیے - گیتا کی یہ ٹیکا (شرح) گیانیشور مہاراج نے ۱۲۹۰ء مین چند سامعین مثلاً شیان ذات احد کے روبرو خاص جذبہ مین آکر مسلسل کئی روز تک فی البدیہہ بیان کی تھی جسکو انکے ایک چیلے نے قلمبند کر لیا -

شری گیانیشور کی جنم بھومی مہاراشٹر کا آلندی نام موضع ہے، وہی مہاراشٹر جس سے شری سمرتھ رام داس جی - تکارام - نامدیو ایک ناتھ جیسے سنت مہاتماؤن کی متبرک ہستیان اٹھی ہین - شری گیانیشور ۱۲۷۵ء مین پیدا ہوئے تھے - انکے والد وٹھل پنت ایک درویش منش برہمن تھے - انکا دل علائق دنیوی سے برداشتہ خاطر اور ترک دنیا پر آمادہ تھا - نیک طبیعت - شریف - شوہر پرست اہلیہ کا ساتھ بھی انکو گرہست آشرم مین رہنا پسند نہ تھا -

آخر ایک روز اہلیہ کی اجازت حاصل کئے بغیر ہی گھر سے نکل بھاگے اور سیدھے بنارس پہونچے اور سنیاسی لیکر سوامی رامانند کے چیلے ہوگئے - کچھ عرصہ کے بعد رامانند جی نے رامیشور کا سفر کیا - راستہ مین موضع آلندی سے گذر ہوا - جہان کے مرد و زن سوامی جی کے درشن کے لئے آئے - انمین باس دیو نامی ایک شخص بھی تھا - اسنے پرنام کیا - سوامی جی نے دعا دی کہ پتروتی ہو - دعا کو

اپنی حالت کے تناقص پاکر اسکے لبون پر مسکراہٹ آگئی۔ افشائے حال پر وٹھل نپت کی ناقص کارروائی کے فوری تدارک کے لیے سوامی جی نے آگے بڑھنا ملتوی کیا اور بنارس کو واپس ہوئے وٹھل نپت کو از سر نو گرہست آشرم اختیار کرنے کی اجازت دی گئی۔ اب چیلے کی مجال نہ تھی کہ گرو کا ارشاد ٹال سکے۔ وٹھل نپت چار ناچار اپنے گھر آلندی کو واپس آئے اور اہلیہ کے ساتھ رہنے لگے سنیاسی کا گرہست آشرم مین آجانا مذہب اور سوسائٹی دونون کی نظر مین گناہ کبیر تھا۔ مذہبی احکام کی توضیح و تشریح برہمن پنڈتون کے ہاتھ مین تھی۔ انکا فتویٰ وٹھل نپت کے خلاف صادر ہوا۔ اب اُسکے اور اُسکی اہلیہ کے لیے سوسائٹی مین کوئی جگہ نہ تھی۔ ان بیچارون کو سخت مصیبت کا سامنا ہوا۔ لیکن یہ راضی برضائے الٰہی تھے۔ اِسی عسرت کے زمانہ مین اُن کے چار بچے ہوئے۔ سب سے بڑے نورتی ناتھ۔ دوسرے گیانیشور۔ تیسرے سوپان دیو اور چوتھی ایک لڑکی مکتا بائی۔ یہ شان کبریائی۔ چارون بچے اوتاری پرشی، خاصان خدا روحانی دولت سے مالا مال تھے۔

لڑکون کے اُپ نین سنسکار (جنیو) کے واسطے والدین کو سخت دشواری پیش آئی۔ شاستری لوگ ایسے برہمن کو، جو سنیاسی ہونے کے بعد پھر گرہست آشرم مین داخل ہوا ہو ایسے سنسکارون کا مستحق نہ سمجھتے تھے۔ انکا قول فیصل یہ تھا کہ ایسے شخص کی سزا موت ہے یہی انکی بداعمالی کا کفارہ ہے۔ آخر وٹھل نپت نے اپنے بچون کی آیندہ بہتری کے لیے حکم کی تعمیل مناسب سمجھی اور الہ آباد جاکر دریائے گنگا مین معہ اہلیہ کے ہمیشہ کے لیے غوطہ لگایا اُسوقت سری نورتی ناتھ کی عمر دس سال کی اور شری گیانیشور کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ اب اِن تیمم بچون نے اپنے جنیو کا معاملہ پھر پنڈتون سے رجوع کیا۔ پیٹھن دکن مین ایک مقام ہے وہان کے شاستریون کا فتویٰ سند مانا جاتا تھا۔ چنانچہ ان لوگون نے ان بچون کے آچرن دیکھکر اور شری گیانیشور کے کرشمون سے مرعوب ہوکر جنیو سنسکار کی باضابطہ اجازت دی اور یہ مرحلہ بمشکل طے ہوا۔

اُپ نین سے جیسا کہ عام دستور ہے ان بچون کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے تو پہلے ہی آغوش والدین مین پوری ہو چکی تھی۔ اب تو اُنکی کام کی ابتدا ہوئی جسکی انجام دہی کے لیے یہ عرفانی تجلیان دنیا مین نمودار ہوئی تھین سب بھائی بہن آلندی مین ساتھ رہنے لگے انمین سے

کسی نے شادی نہین کی صبر و قناعت سے زندگی بسر کرتے رہے، انکا تمام وقت پرماتما کی آرادھنیا (عبادت) ویدانت چرچا بھجن۔ کیرتن۔ ست سنگ مین گذرتا۔ خلق خدا اُنکی صحبت سے روحانی فیض حاصل کرنے لگی۔

شری گیانیشور کی عمر پندرہ سال کی تھی، جب اُنھون نے گیتا کی شرح لکھی۔ اس عمر مین ایک اعلیٰ برہم گیان کی کتاب پر تفسیر لکھنا انکی غیر معمولی قابلیت اور روحانی فضل و کمال کا ثبوت ہے۔ اس قابلیت اور جذبہ کو اپنے بڑے بھائی شری نورتی کے۔ جو اُنکے گرو بھی تھے لطف و کرم اور توجہ پر محمول کرتے ہین۔ حاشیہ مین جا بجا اسکا اظہار ہے۔ زبان گرو کی اس فیض رسانی پر نثار ہوئی جاتی ہے اور الفاظ گرو بھگتی سے بھرے ہوے جذبات دلی کے صحیح ترجمان سے عاجز آجاتے ہین۔ حاشیہ مین اپنا نام جہان کہین لکھتے ہین شری نورتی کے گیان دیو" لکھتے ہین۔ جب گیتا حاشیہ ختم ہوا تو شری نورتی نے کہا کہ ہم سب اس تشریح اور ویاکھیا سے بہت محظوظ ہوئے اب برہم گیان کے متعلق تم خود کوئی کتاب تصنیف کرو اسکی تعمیل مین شری گیانیشور نے دس روز تک برابر برہم ودیا پر آزادانہ تقریر کی یہ کتاب امرتانوبھو अमृतानुभव کے نام سے موسوم ہے اور اس مضمون کی خاص کتابون مین سمجھی جاتی ہے۔

یوگیو یوگیت کے مسئلہ پر جب پیٹھن کے شاستری مثل آلندی کے پنڈتون کے اپنی ضد پر قائم رہے اور ان بچون کے روحانی جاہ و جلال کا اندازہ نہ کرسکے تو بیان کیا جاتا ہے کہ شری گیانیشور جنیو کے لیے اپنی اہلیت اور فضیلت کا ثبوت اسطرح دیا کہ بھینس کے مُنھ سے رگ وید کے منتر سنوائے اور شرادھ مین پتّرون کو سب کے روبرو بلا کر کھانا کھلایا۔ اسی طرح آلندی کا ایک واقعہ ہے کہ ان کو زک دینے کے لیے چانگ دیو نامی ایک یوگی شیر پر سوار ہوکر اور سانپ کا کوڑا ہاتھ مین لیے ہوئے ان سے ملنے آیا۔ یہ سنکر شری گیانیشور اپنے بہن بھائیون کے ساتھ ایک دیوار پر بیٹھ گئے دیوار چلنے لگی راستہ مین ہی چانگ دیو سے ملاقات ہوئی اسپر ان پاک ہستیون کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ اپنے شاگردون کی جماعت کو منتشر کرکے خود شری گیانیشور کا چیلہ ہوگیا۔ یہ قصے شری گیانیشور یا ان کے بھائیون یا بہن کی تصانیف مین مذکور نہین ہین بلکہ ان معاصرین سے منقول ہین۔ جنھون نے اور بھی ایسے متعدد تذکرے شری گیانیشور کے متعلق

تحریر کئے ہین - آج کل یہ باتین قرین قیاس نہ معلوم ہون - لیکن عارفانِ کامل سے کچھ بعید نہین -
اکیس سال تک اسی کارزارہستی مین گیانیشور مہاراج کی روحانی شخصیت اصلاح اور پرچار کا کام کرتی رہی - آخر کالبد عنصری کے انتشار کا وقت بھی آچکا تھا - ۱۲۹۶ء مین شری گیانیشور نے ہمیشہ کے لئے سمادھی لی - اتحاد رابعہ مین اب ایک جگہ خالی ہوگئی تھی - جو پس ماندہ بھائیون اور بہن کو شاق تھی اسلئے اس وقوعہ کو سال بھر بھی نہونے پایا تھا کہ یہ سب بھی سمادھی لیکر اس عالم سے رخصت ہوئے - اِس طرح یہ چارون روشن گرین اپنا جلوہ دکھا کر اُسی بقعہ نور (برہم) مین واپس ہوئین جس سے نکلی تھین - کون جانتا تھا کہ ذات سے خارج شدہ اور غریب بیکس وٹھل پنت کی اولاد مخلوق کی رہنما بنیگی اور اُس زمانہ کی سوسائٹی کی مذہبی اصلاح کا کام اُسکے ہاتھون ہوگا[1] -

جے دیال سکسینہ

"ہمدردی"

"پیاری آمان! اگر مین صرف چھوٹا سا کیڑے کا بچہ ہوتا - نہ کہ تمہارا لڑکا - اُسوقت اگر مین تمہاری مٹھری مین سے کچھ کھانے کی کوشش کرتا تو کیا تم مجھے "نہین" کہتین؟

"کیا تم مجھے یہ کہہ کر پرے ہٹا دیتین کہ "او ننھے شیطان پرے! ہٹ جا"

"پھر جاؤ - آمان! جاؤ - جب تم مجھے بلاؤ گی مین ہرگز تمہارے پاس نہین آؤن گا اور کبھی تم سے کچھ لیکر نہین کھاؤن گا -

(ترجمہ) (کوشل)

---

[1] شری گیانیشور کی زندگی کے یہ مختصر حالات بھاگوے صاحب کے ہندی گیانیشوری سے اور "شری گیانیشور" نامی چھوٹے سے رسالہ سے جو مسرز نیٹیشن اینڈ کمپنی مدراس نے شائع کیا ہے شکریہ کے ساتھ اخذ کئے گئے ہین -

ہندی گیانیشوری کی قیمت چار روپئے ہے اور گاندھی ہندی پستک بھنڈار کالبادیوی روڈ بمبئی سے یا شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ امین آباد لکھنؤ سے مل سکتی ہے -

وسعت اور محنت

(۱) "کوئی کار خیر فانی نہیں" ... ... (میکس ملر)

(۲) "صرف جہالت تاریکی ہے" ... ... (شکسپیر)

(۳) "جاننا سب چاہتے ہیں لیکن اسکی قیمت کوئی ادا نہیں کرتا" ... (جوونیل)

(۴) "درخت میں زبان، بہتے ہوئے چشمے میں کتاب، پتھر میں نصیحت اور ہر شے میں کوئی نہ کوئی حقیقت مخفی ہے" ... ... (شکسپیر)

(۵) "فطرت ہمیشہ یکساں ہے، صدیوں میں بھی وہ کبھی نغمہ گوئی نہیں کرتی، نہ تبدیل ہوتی ہے نہ پس و پیش کرتی ہے، اور نہ آگے بڑھتی ہے" ... ... (فلوبارٹ)

(۶) فطرت کی تین آوازیں ہیں، وہ دوش بدوش ہو کر ہم سے کہتی ہے کہ کوشش کرو اور محنت کرو، وہ ہمارے متصل ہی آجاتی ہے، ہم اسکے دل کے دھڑکنے کی آواز سنتے ہیں وہ کہتی ہے متحیر ہو جاؤ، خوش ہو، اور غور کرو، وہ اپنے سربستہ راز ہمکو سناتی ہے لیکن ہم اسکی آواز بخوبی نہیں سن سکتے، وہ کہتی ہے جستجو کرو اور تلاش کرو، یہ ہیں فطرت کی تین آوازیں جو ہمارے دست و بازو، دل و دماغ میں تحریک پیدا کرتی ہیں، جو دراصل ہمارے وجود کا اتحاد تلاشتہ ہے۔ ... ... (آنریبل)

پو پھٹے سے ایک شخص چشمے کے کنارے پتھر پر بیٹھا ہوا تھا، کسانوں کی تین عورتیں ادھر سے گذریں، اور اسکو سلام کر کے انگور کی باڑ میں داخل ہو گئیں، غروب آفتاب کے وقت وہ واپس ہوئیں اور انھوں نے اس حیرت انگیز شخص کو اسی پتھر پر اسی حالت استغراق میں زمین پر ٹکٹکی باندھے دیکھا۔ "یہ کوئی پاگل ہے" ایک عورت نے کہا جسکی تائید بڑی شد و مد کے ساتھ کی گئی، اور عورتیں تیوری

چڑھا کر چلدین۔

فلبر (FLABRE) ایک زبردست اور حقیقت بین طالب رموز فطرت اُن گنوار اور جاہل عورتون کی نگاہ مین "ایک معصوم بچگل" سے زیادہ وقعت نہین رکھتا، جو در اصل اُسوقت حشرات الارض کی عقلیات کے مطالعہ مین منہمک تھا، ان جاہل عورتون نے تیوری اسلئے چڑھائی کیونکہ اُنکے نزدیک ہر وہ "فانی انسان" جو خدائے لم یزل کے مخفی خزانون کی جستجو کرے ملحد و مرتد ہے۔

۱۵۹۱ء مین صبح کے وقت دار العلوم پسیا کے اراکین اور تماشائی ایک سنگ مرمر کی مینار کے نیچے کھلے میدان مین جمع ہین، مجمع برابر بڑھتا جاتا ہے، ایک نوجوان پروفیسر زینہ کے ذریعہ سے مینار کے اوپر چڑھنے لگتا ہے، اور ساتوین منزل پر جلد پہونچ جاتا ہے، لوگ اُسکے ہاتھون مین دو گیندین دیکھتے ہین جسمین سے ایک دوسرے سے سوگنی زیادہ وزنی ہے، دونون گیندین ایک ہی وقت مین چھوڑ دی جاتی ہین، اور دونون ساتھ ساتھ نیچے اُترتی ہوئی ایک ہی وقت مین زمین پر گرتی ہین ..... صدائے فطرت مین کوئی لغزش پیدا نہین ہوتی ..... آج اس محیر العقول سوال کا جواب شافی دستیاب ہوگیا جو دو ہزار برس سے عقلا کے دماغون کو زیر و زبر کئے ہوئے تھا۔

"اُس شعبدہ باز و سحر ساز گلیلیو کا تدارک کرنا چاہیے" ارباب حل و عقد کی زبان سے یہ الفاظ برآمد ہوئے "کیا وہ سمجھتا ہے کہ اُسکے یہ دکھانے سے کہ ایک وزنی اور ایک ہلکی گیند ایک ہی وقت مین زمین پر گری۔ ہم اس دیرینہ فلسفہ کو فراموش کر دینگے کہ ایک پونڈ کی گیند سو پونڈ کی گیند سے سوگنا وقت زیادہ لیگی ... اہل الرائے حضرات کی یون علی الاعلان تحقیر و تذلیل کرنا خطرناک ہوگا، اور ہم جلد اُسکی سرزنش کرینگے" یہ کہکر اُنھون نے کتابون کی امداد سے اس امر کی کوشش کی کہ اس مظاہرے کو ناقص ثابت کرین۔ اُنکے دلون مین اُس شخص سے نفرت پیدا ہوگئی تھی جس نے اُنکے مستحکم خیالات مین تلاطم پیدا کر دیا تھا، اور اُنکے دیرپا عقائد مین ہل چل ڈالدی تھی، تجربہ کی کسوٹی پر خیالات کو پرکھنے اور نتائج کو مشاہدات کی روشنی مین مرتب کرنے کی سزا گلیلیو کو برداشت کرنا پڑی، اور عالم ضعیفی مین اُسکو جیل خانہ کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑا، حامیان صداقت کا

خیر مقدم بسا اوقات عوام الناس اسی وحشیانہ طریقے سے کرتے چلے آئے ہین - اور خیالات کہنہ کے مندر کے پجاری اس "بے حرمتی" کا یون ہی بدلہ لیتے ہین !

دنیا کا سب سے زبردست سائنس دان لندن مین ایک ممتاز مجمع کے روبرو تقریر کر رہا ہے اور حاضرین کو دکھانا چاہتا ہے کہ ایک تار کے گچھے کو مقناطیس کے قریب لانے سے ایک خفیف سی برقی لہر پیدا ہوتی ہے، لیکن اس تجربہ نے اُس جمِ غفیر کو کامیابی کے ساتھ متاثر نہین کیا، اور ایک لیڈی نے یہ سوال کرکے "کہ آخر اس انکشاف سے فائدہ کیا؟" کل حاضرین کے جذبات کی ترجمانی کی، پروفیسر موصوف کا یادگار جواب یہ تھا، "جناب ! کیا آپ بتا سکتی ہین کہ آخر ایک نوزائیدہ بچہ کس مرض کی دوا ہوتا ہے"؟

بیکن نے اپنی ایک تصنیف کے دیباچہ مین تحریر کیا ہے کہ گلیلیو اسٹون جیسے عالم و مدبر کی وسعت نظر سے بھی علمی ایجادات و انکشافات کا میدان دور تھا، ایک مرتبہ فیریدے گلیلیو اسٹون و چند دیگر عمائدین ملک کو ایک تجربہ سمجھانے لگا جسکی بنا پر ایک حیرت انگیز انکشاف اُسی دور مین ہوا تھا جسپر گلیلیو اسٹون مضطرب ہوکر کہنے لگا "آخر اس سے فائدہ کیا؟" فیریڈے نے کڑک کر جواب دیا "بہت ممکن ہے کہ آپ جلد اس پر ٹیکس لگائین، اور ملک کی آمدنی مین اضافہ کرلین"۔ ..... ایک عالم اور نہایت مہذب شخص کے نزدیک فیریڈے کی تمام سعی و محنت حقیر و ناچیز تھی، قرونِ وسطی کے فاضلون نے گلیلیو کا تجربہ جو باطل عقائد کے منافی تھا - ایک ناقابلِ عفو گستاخی کے مرادف قرار دیا، اور کسی نے فیبر کے خاموش مگر صبر آزما مطالعہ کو حماقت و خبط پر محمول کیا، لیکن ان فتوؤن کے باوجود دنیا شاہد ہے کہ سائنس کی حیرت انگیز ترقی نے کل کائنات کی ہیئت کذائی تبدیل کردی ہے !

تین ماہرین سائنس آپ کی خدمت مین پیش کئے گئے، اور ہم نے تین مختلف طبقون کے نمائندون کے ارشادات کو سُنا، اول دوشیزۂ فطرت کا پرستار ہے - جو صرف علم کی خاطر رات دن منہمک رہتا ہے، اور کبھی محنت و شب بیداری کو جان گسل تصور نہین کرتا - جسکے بعد وہ حجلۂ عروسِ

فطرت کا پردہ اُٹھا سکے، اور ایک عالم کو فطرت کی طلعت ریزیون سے جگمگا سکے، وہ اپنی رنگین ادا محبوبہ کے چہرہ پر دلکش جمال آرائیان دیکھتا ہے، اور اُسکی پرستش مین اور سرگرم ہو جاتا ہے، اُسکے لئے وہی اطمینان قلبی کافی ہے جو ہر انکشاف کے بعد اُسے خود حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ مطلق پروا نہین کرتا، اگر اُسکا مطالعہ اُسکو مادی فائدہ پہونچانے مین قاصر رہتا ہے۔

جنگامۂ دہر مین نازنینِ فطرت کے ایسے سچے شیدائی قابلِ رحم تصور کئے جاتے ہین، اور عوام الناس کے دائرۂ ادراک سے یہ امر بالاتر ہے کہ جس علم سے مادی منفعت حاصل نہو اُسکی تحصیل کیون جاری رکھی جائے، لیکن اس سے مختلف وہ ہستی ہے جو عقائد کے صنم کو چکنا چور کر دیتی ہے اور اہل الرائے سے مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتی ہے۔ یہ عالم پرانے خیالات کو غلط ثابت کرکے کفِ افسوس ملنے لگتا ہے کہ دنیا ایک لخت میری پیروی کیون نہین کرتی، اور کیون قعرِ جہالت مین گری ہوئی ہے! یہ شخص صرف اپنی ذات پر قناعت نہین کرتا، وہ جمہور پر اپنا سکہ جمانا چاہتا ہے، اور تنِ تنہا میدانِ کارزار مین اُترآتا ہے، اور روایات و خیالاتِ کہنہ کے مقدس کلیسا پر گولہ باری شروع کر دیتا ہے، وہ امن و صلح کا برباد کنندہ ہے، اور علمی حلقون مین بھی اُسکے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے۔ جو قرونِ وسطیٰ مین کیا جاتا تھا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر ایسے شخص کی شمع ہدایت حقیقت و صداقت کی شعاعِ منور سے روشن ہوئی ہے تو وہ کبھی گل نہین ہو سکتی۔ اور وہ ایک نہ ایک دن دنیا پر ضرور حکمرانی کریگا۔

بہت سے ماہرین سائنس نہ تو قدومِ فطرت پر جبہہ سائی کرتے ہین، اور نہ فطرت کی حقیقت سے آشنا ہو کر غضبناک ہو جاتے ہین بلکہ نکتہ چین اور حقیقت بین نگاہین فطرت کی قانون اور کردون کا مطالعہ کرتی رہتی ہین اور رفتہ رفتہ اُسکو زیر نگین کر لیتی ہین، یہ حضرات فطرت سے سوالات کرتے ہین، رد و قدح کرتے ہین، موشگافیان کرتے ہین، اُسکو پرکھتے ہین، جانچتے ہین اور ہر ممکن طریقہ سے اُسکے پُراسرار خزانون پر قابض ہونا چاہتے ہین، . . . . یعنی فطرت مہ لقا "شیرین" ہے جسکا پرستار جفاکش "فرہاد" کی طرح تیشہ لیکر پہاڑ کاٹنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تاکہ "لیلیٰ پردہ مین" جسکا عاشق جانباز ہوش و حواس سے دست بردار ہو کر صحرانوردی کرنے لگے، ہر پہلو

سے بیشقدمی کرنے مین مصائب و آلام کا سامنا کرنا ہوتا ہے، اور کامیابی کا راز سعی بلیغ، اور غیر فانی خواہش ترقی مین مضمر ہے!

پاسچر (PASTEUR) نے مدتون فطرت کے خلاف جنگ جاری رکھی، صرف ایک تحقیقات مین اُسے پانچ سال صرف کرنا پڑے، اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے کسقدر محنت و ریاضت کی، اور کسقدر ہوش رُبا طلب صادق اُسکے دلمین جاگزین تھی، شب کا وقت وہ نہایت کرب و بیچینی سے بسر کرتا تھا جو در اصل اُسکو نہایت طویل معلوم ہوتا تھا، اور جس مین وہ شاہد سے قاصر رہتا تھا، جیکوبی (JACOBI) [۱۸۰۴ء نہایت ۱۸۵۱ء] جو اُس زمانہ کا سب سے درخشان ریاضی دان تھا اپنے وقت کو بہترین اور مفید ترین طریقہ سے صرف کرتا تھا، اُسنے ایک مرتبہ خود کہا تھا "یہ نہین سمجھنا چاہیئے کہ میری کامیابی ایک عطیہ فطرت ہے، نہین! محنت اور جفاکشی سے مجھے یہ رتبہ حاصل ہوا..... نہ صرف محنت بلکہ عرق ریزی، جگر کاوی، اور دماغ سوزی نے مجھے یہ دن دکھایا جسکی باعث بارہا میری حیات مستعار معرض خطر مین پڑ چکی ہے"

صلہ، نتایج حاصل کرنے، اور کام کو حد تکمیل تک پہونچانیکا صلہ، جو کچھ کہ دنیا اسکا مفہوم سمجھتی ہے وہ آخری خیال اور قابل نفرت تنا ہے جو ایک حقیقی طالب سائنس کے دماغ مین کبھی رونما نہین ہوتی، "دولت پیدا کرنے کے لیے میرے پاس کوئی وقت نہین" اگیسیز (AGASSIZ) نے ایک مالدار بنانے والی اسکیم کے جواب مین کہا تھا، نپولین ثالث کو اس امر سے سخت حیرت ہوئی کہ پاسچر نے اپنی ایجادات و انکشافات کو آمدنی کا ذریعہ کیون نہین بنایا جسکے جواب مین پاسچر نے کہا تھا کہ میری یہ حرکت طلبا علم و دانش کیلیے باعث ننگ و عار ہوتی، مین کبھی دولت کیلئے محنت نہین کر سکتا کیونکہ میرا کل وقت علم و سائنس کی تحصیل کے لیے وقف ہے" دنیا جانتی ہے کہ اگر یہ شخص اپنی ایجادات اپنے قبضہ مین رکھتا تو وہ آج دنیا کا سب سے زیادہ مالدار سیٹھ بن جاتا، لیکن اُس نے اپنی تمام "دولت" کل بنی نوع انسان کی خدمت مین پیش کردی اور اپنی زندگی ایک مفلس پروفیسر کی حیثیت مین گذار دی، ایکمرتبہ فیرڈے نے ٹنڈل سے کہا تھا کہ ایک دفعہ مجھے اسکا فیصلہ کرنا پڑا کہ مین دولت کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بناؤن یا علم کو؛ چونکہ ایک سے زائد آقا کی خدمت ایک ہی وقت مین محال ہے اس لیے مین نے مستقل

طور سے سائنس کی خدمت اپنا پیشہ قرار دیا حالانکہ اگر مین چاہتا تو تیس سال تک دس ہزار پونڈ سالانہ کماتا رہتا، اور ایک کروڑپتی بن جاتا۔

جب ڈاکٹر روکس (ROUX) ناظم دارالعمل پاسچر (PASTEUR) کو چار ہزار کا انعام ملا تو اُس نے اپنی تنگدستی کے باوجود یہ کل گران قدر رقم اس درسگاہ کے لیے وقف کر دی جس کا انتظام اُسکے ہاتھون مین تھا، انعام دینے والے روکس سے ایکروز اس فیاضی کی وجہ دریافت کی جسکا جواب یہ تھا کہ میری شہرت اور قابلیت اسی درسگاہ کی مرہون منت ہے جہان مین شب و روز تجربات مین غرق رہتا ہون۔

علاوہ ازین اس درسگاہ کے پاس سرمایہ کم ہے، گو فی الحال کام چل رہا ہے لیکن اگر کوئی اور تازہ سلسلہ تجربات مین جاری کرنا پڑے تو سخت دقت کا سامنا ہو، لکھ پتی خاموش ہوگیا، لیکن اُسکی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ اُس نے کُل جائداد ڈاکٹر روکس کے کمال علمی و ایثار ذاتی سے متاثر ہوکر اس درسگاہ کے نام لکھدی۔

ایکمرتبہ رائل سوسائٹی کے ایک نامہ نگار نے اسحاق نیوٹن سے چند حل شدہ مسائل ریاضی کے شائع کرنے کی اجازت طلب کی، اُس وقت نیوٹن کی عمر ۲۴ سال کی تھی جسوقت کہ نوجوان شہرت و تحسین و توصیف کا بیحد دلدادہ ہوتا ہے، لیکن نیوٹن نے اجازت دیتے ہوئے ہدایت کی کہ اس سلسلہ مین میرا نام کبھی شائع نہ کیا جائے، شاید پبلک مجھ سے آشنا ہو جائے اور میرے احباب کا دائرہ وسیع ہو جائے جس سے مجھے سخت نفرت و کوفت ہوتی ہے۔

نیوٹن نے اپنے انکشافات کو شائع کرنے مین کبھی عجلت نہین کی، ۱۶۶۵ء مین اُسنے

ہند کی تاریخ علم و ادب ایسی نادر اور حیرت انگیز مثالون سے خالی نہین ہے، جس زمانہ مین ہند کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا، اور علم و ادب کی گنگا جمنا گھر گھر بہ رہی تھین، اس سرزمین نے بھی ایسے ایسے صاحب کمال پیدا کیے جو در اصل کل دنیا کیلئے سرمایہ نازش و افتخار ہو سکتے ہین، میر تقی میر نے "گدائے متکبر" کا خطاب پایا، اور باوجود اصرار شاہی کل زندگی قناعت و تنگدستی کے گوشۂ عافیت مین گزار دی، دور حاضرہ مین ڈاکٹر ٹیگور کی مثال شمع کمال ہو سکتی ہے، آپنے نوبل پرائز حاصل کیا، اور کل رقم شانتی نیکیتن کیلئے وقف کر دی، ۱۲ تماشائی"

عکس ریزو دوربین REFLECTING TELESCOPE ایجاد کی جو کئی سال تک اُسکے گھر پر پڑی رہی مگر رائل سوسائٹی کے چند ممبروں کو اسکا علم ہوا، اور اُنکی کوشش سے وہ اُس سوسائٹی مین پہونچی جہان وہ ابتک محفوظ ہے، شعاع آفتابی کے اجزا کے متعلق نیوٹن کے مشاہدات ۱۶۷۲ء سے قبل مشتہر نہین ہوئے حالانکہ وہ مذکورہ بالا دوربین کی ایجاد سے قبل قلمبند کئے جا چکے تھے، علاوہ ازین کشش ارضی کا معرکۃ الآرا مسئلہ کئی سال پیشتر مکمل کیا جا چکا تھا۔ جسکے بعد ہیلی HALLEY کو اس کا علم ہوا اور اُس نے دنیا کے سامنے اسے پیش کیا،

جب صلہ اور مدح بے حقیقت ہین تو پھر جد و جہد علمی کی محرک کیا شئے ہے؟ دراصل علم کی سچی محبت اور انکشافات اور ایجادات کے بعد سچی مسرت! اس خصوصیات سے متصف ہوکر ماہر سائنس تمام مشکلات کا سامنا کرتا ہے، اور خطرہ سے نڈر ہو جاتا ہے، ۱۸۶۵ء مین جب سرزمین پیرس ہیضہ کی ہولناک و شبرو سے موت اور بربادی کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی ڈاکٹر پاسچر نے شفاخانہ کی دوسری منزل پر بود و باش اختیار کی، اور اس مہلک و متعدی مرض کا مطالعہ شروع کیا، جس طرح فرض کی اہمیت ایک سپاہی کو خوف و خطر سے بے نیاز کر دیتی ہے اسی طرح طالب سائنس تمام عالم سے مستغنی ہوکر ایک ہی جانب اپنی کل توجہ مبذول کرتا ہے۔

وہ خدایا! میرے دلمین گرمجوشی، اور میرے دماغ مین وہ دانشمندی عطا کر جسکی مدد سے مین تیرے احکامات کی تعمیل کر سکون، اور اپنے فرائض انجام دے سکون!

خدایا!! مجھ مین وہ طاقت پیدا کر کہ مین تمام کاموں کو برمحل پورا کر سکون، اور بعد ازان میری ناچیز خدمات کو کامیابی سے مزین کر دے!!!

پہلے میدان سائنس کا ایک جانباز سپاہی تھا، ۳۱ سال کی عمر مین جب اُسکا پہلا بچہ پیدا ہو رہا تھا اُسنے اپنے علمی رسالہ مین مستقبل کے متعلق ذیل کی خواہشات اور ارادے درج کیئے۔

"وہ تمام واہیات باتون کو دور کرنا، سائنس کی عملیات مین ایک قسم کی رفعت اور ندرت پیدا کرنا، حقیر احمد کینہ پرور حضرات ذاتی سے پرہیز کر کے پبلک کے سامنے ایک ارفع مثال پیش کرنا، اور سوائے نغو گوئی کے ہر بات کو برداشت کرتے رہنا، اسکی مطلق پروا نکرنا کہ میرے کام میرے نام سے مشتہر ہوتا ہے یا نہین.....

"اپنی زندگی کو نہایت شریفانہ بناؤ گے، اور
"ماضی کے متعلق کبھی خیال بھی نکرو گے،
"کیا مضائقہ اگر کوئی شے جاتی بھی رہے
"ایک بے لاگ شخص کی طرح مردانہ وار کام کرنا چاہیئے۔
"میں دریافت کرتا رہوں گا کہ ہر روز مجھے کیا طلب کرنا ہے۔
"ہر دن مجھے کار خدا سے آگاہ کرتا رہیگا۔
"دوسروں کے کاموں کی قدر کرنا بھی ضروری ہے
"تیرے ہی کام میں تیری نجات مخفی ہے
"کسی سے نفرت نکرو، باقی کو خدا پر چھوڑ دو،
"وہ ہر شے سے بخوبی واقف ہے"

زندگی کے نازک ترین موقعہ پر جب عزیز بیوی کی زندگی معرض خطر میں ہو یہ دعا مانگنا، اور یہ نظام عمل پیش کرنا اُس شخص کا کام تھا جو اپنے زمانہ میں مذہبیت کا امام شمار کیا جاتا تھا چنانچہ ان خیالات سے اس خیال کی تکذیب ہوتی ہے جو عوام الناس کے دلوں میں مدتوں سے راسخ ہے کہ سائنس میں انہماک پیدا ہونے سے روحانی ترقی مسدود ہو جاتی ہے، دنیا میں کوئی کار عظیم تکمیل کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا خواہ روحانی ہو یا مادی جبتک کہ ایک بلند نصب العین سامنے موجود نہو، پاسیجر کا مقولہ ہے کہ متبرک میں وہ لوگ اور برگزیدہ ہیں وہ ہستیاں جو ایک خدا کو اور ایک آئیڈیل کو پیش نظر رکھتے ہیں جنکے دلوں میں بلند خیالات اور پاکیزہ جذبات کا ایک ابدی سرچشمہ موجزن ہوتا ہے، وہ افراد جو علم کی جستجو اور صداقت کی تلاش میں محو ہیں دراصل کار خیر میں مصروف ہیں، ہرچند وہ مختلف سمندروں میں شناوری کرتے ہیں لیکن سلسلۂ عمل ایک ہی ہے، اور وہ فضائے بسیط میں اسقدر دور واقع ہے کہ وہاں سے تمام راہیں ایک ہی جادۂ حقیقت معلوم ہوتی ہیں، ہر جہاز کے ناظم کو اپنا راستہ خود دریافت کرنا چاہیئے اور دوسرے مسافروں کے پروگرام میں خلل انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ نت نئے ساحل شاید عجیب وغریب اشیاء سے لبریز ہوں لیکن ہر متلاشی کا فرض ہے کہ جو اُسکے دائرہ نظر میں آئے اُسی کا مطالعہ کرے، اور اُسی کو قلمبند کرے۔ وہ نہیں معلوم کر سکتا کہ اور یاران سفر پر کیا گزری، اور کن کن مسائل سے اُنکو دوچار ہونا پڑا۔ لیکن

اُمید کے متوسل اور صداقت کے پتوار سے وہ تمام صعوبتوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، اور خطرناک چٹانوں سے ماموں و مصئون رہ سکتا ہے، یہ ہے وہ جذبہ صادق جسکی مدد سے جویائے رموزِ فطرت غیر معروف اور ہیبتناک دایوں مین پیل کھڑا ہوتا ہے۔ پاسچر کہتا تھا کہ مین جب اپنے دارالعمل (LABORATORY) مین ہوتا ہون تو مادیت اور روحانیت دونون کے دروازے مقفل کر لیتا ہون، مین صرف واقعات کا مطالعہ کرتا ہون، اور مین اُن طبعی حالات کی جستجو کرتا ہون جنکے اثر سے حیاتِ انسانی جلوہ گر ہو کر شعبدہ بازی کرتی ہے۔

بعض اوقات سائنس کی تفتیش کے دوران مین ایسے خیالات اور واقعات رونما ہوتے ہین جو عقائد مروجہ کے برعکس ہوتے ہین، لیکن اگر پوری جستجو اور کامل تحقیقات کے بعد وہ ناقض ثابت نہون تو عقائد دیرینہ کو فوراً خیرباد کہدینا چاہیئے اور نئے واقعات اور خیالات پر ایمان لے آنا چاہیئے۔ سائنس کے میدانِ تحقیقات مین ایک بھی ایسا خیال نہین جو مشاہدہ کے بطلان کے بعد صحیح مانا جا سکے۔ پس علمی جستجو مین دل و دماغ کو وسیع رکھنا چاہیئے، اور خیالات کہنہ کو پس پشت ڈالدینا چاہیئے تاکہ تحقیقات مین ایک عمیق نکتہ چینی ہو سکے، اور نتائج صحت کے ساتھ مرتب ہون۔ فلسفی وہ ہے جو ہر عقیدہ کو مشاہدہ اور تجربہ کا ماتحت بنائے۔ اور ہر چیز پر غور کرنے اور رائے قائم کرنے پر خود قادر ہو، صرف شکل و شباہت سے متاثر ہونا غلطی ہے اور کسی خاص ذات یا فلسفہ کی کورانہ تقلید کرنا نادانی ہے، اُسکو ایک انسان کی بجائے خود مشاہدات کی تعظیم کرنا چاہیئے، اگر ان صفات کے ساتھ ساتھ انسان محنتی اور جفاکش بھی ہو تو وہ فطرت کے حریم ناز مین داخل ہو کر اپنے دماغ کو معطر کر سکتا ہے۔ علم صرف مذہبی فرائض کے ادا کرنے سے حاصل نہین ہوتا، بلکہ مشاہدے اور تحقیقات سے، فطرت ایک خود دار دولتمند کی طرح اپنے جواہرات کی بخشش کرنے سے قبل دریوزہ گری کراتی ہے، علم کا ایک ایک ذرہ اُس سے چھینا جاتا ہے اور سخت جفاکشی کے بعد ایک اصول یا کلیہ حاصل ہوتا ہے جو آیندہ تفتیش و تحقیق کا محرک بن سکے۔

"تماشائی"

پریسیڈنٹ ہارڈنگ

امریکہ کے مرحوم پریسیڈنٹ مسٹر ہارڈنگ نے اکثر مدبرین زمانہ کی طرح محض اپنی ذاتی کوششوں سے اسقدر ترقی کی پچاس سال قبل دو ایک دیہاتی خاندان مین بالکل ایک غریب لڑکے کی طرح تھے اور اُن کے پاس کوئی شاندار مستقل نہ تھا۔ آپ کا خاندان اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔ اور خود مسٹر وارن گمابیل ہارڈنگ ۱۸۶۵ء مین صوبہ کو سیکا کے ایک چھوٹے سے موضع بشی اونامی مین پیدا ہوئے یہان وہ بہت مین انکے والد کھیتی باڑی اور ڈاکٹری سے گذر کیا کرتے تھے۔ لڑکپن مین آپ مویشی چرانے کا کام کرتے رہے کچھ عرصہ تک غلہ اور گھاس کاٹنے اور بعد ازان سڑک بنانے کا کام بھی کرنا پڑا۔ ۱۸۷۱ء مین انکے والد معہ اہل وعیال کے کیلیڈونیہ چلے گئے۔ اپنے آٹھ بھن بھائیون مین مسٹر ہارڈنگ سب سے بڑے تھے۔ وہان پہونچکر انہون نے اسکول جانا شروع کیا۔ اور ۱۹ سال کی عمر مین اوہایو سنٹرل کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی طالب علمی کے زمانہ مین نوجوان ہارڈنگ اکثر کھیتی اور رنگ سازی کا کام کرکے اپنی ضروریات کو پورا کرتے اور کبھی کبھی گھر کے مصارف پورا کرنے کیلئے بھی انکو محنت مزدوری کرنا پڑتی تھی۔

اخبار نویسی ومضمون نگاری سے آپکو زمانہ طالب علمی ہی سے رغبت تھی چنانچہ مسٹر ہارڈنگ اپنے اسکول کے میگزین کو ترتیب دیا کرتے تھے۔ گریجویٹ ہونے کے بعد دو سال تک ایک اسکول مین مدرسی کی اور اُسکے بعد قانون پڑھنے لگے مگر طبیعت مین اخبار نویسی کا اسقدر شوق پیدا ہوگیا تھا کہ آپکی طبیعت کہین لگتی دی تمنا یہی تھی کہ وہ کسی اخبار کے عملہ مین شامل ہوجائین لیکن امریکہ مین کچھ ایسا دستور ہوگیا ہے کہ پریس کے چھوٹے سے چھوٹے کام سے لیکر بڑے سے بڑے کام کو سیکھنا پڑتا ہے اور تب کہین ایڈیٹوریل اسٹاف مین رسائی ہوتی ہے ہارڈنگ کو بھی ایسا ہی کرنا پڑا۔ سب سے پہلے انکو میرین کے اخبار اسٹار کے دفتر مین کاغذ اور سیاہی دینے والے کی حیثیت سے ایک ادنے ملازمت قبول کرنا پڑی اور مختلف شعبون مین کام کرنے کے بعد ترقی کرتے کرتے ایڈیٹوریل اسٹاف مین شامل ہوگئے اور اس اخبار کے پہلے

چیف اڈیٹر اور بعد ہ اسکے مالک بنگئے۔

آپنے ۱۸۹۱ء مین میرین کے ایک نامور رئیس کی دختر سے شادی کرلی۔

سیاسی میدان مین آپنے ۲۵ سال کی عمر سے ایک ڈیموکریٹ کی حیثیت سے قدم رکھا اور جلد ہی ایک بااثر معزز تسلیم کرلیے گیے۔ اوہایو ریاست کی سینیٹ کے ممبری کے لیے آپکا دو مرتبہ انتخاب کیا گیا اور اسکے بعد ہی ریاست مذکور کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے ۱۹۱۴ء مین اوہایو کیطرف سے آپ کثرت رائے سے ریاستہائے متحدہ کے سینٹ کے لیے منتخب ہوئے اور ۱۹۲۱ء تک ممبری کے فرایض انجام دیتے رہے آپ ہمیشہ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ امریکہ کو یورپ کے اندرونی مناقشون سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیے بلکہ بین الاقوامی جھگڑون سے بچنا چاہیے۔ اسلیے آپ نے پریسیڈنٹ ولسن کے معاہدہ ورسیلز کی مخالفت کی۔ لیگ آف نیشنس نامی بین الاقوامی مجلس بھی جسکو معہدہ ورسلز کے بعد اتحادیون نے قایم کیا ہے آپنے حمایت نہین کی

۹ مارچ ۱۹۲۱ء کو آپ جمہوریہ امریکہ کے صدر منتخب ہوے اور اس حیثیت سے آپ اپنے ملک کے حکمرانی مین نہایت جانفشانی اور دلچسپی کیساتھ حصہ لینے لگے اپنے عہد حکومت مین آپ نے اخراجات کے تخفیف کی بڑی کوشش کی۔ سابق پریسیڈنٹ (مسٹر ولسن) کی طرز حکومت کے اصلاح کی بھی سعی بلیغ فرمائی۔ یورپین سیاسیات مین بھی نہایت دانشمندی سے حصہ لیا۔ آپکی کوشش سے فوج اور سامان حرب کے کمی کے متعلق واشنگٹن مین ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس ایک عالمگیر کارنامہ کے حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیگی۔

مسٹر ہارڈنگ کوئی ذہین آدمی نہ تھے انکی کامیابی اور اقبالمندی محض انکی جانفشانیون کا نتیجہ تھی جسوقت وہ امریکہ کے پریسیڈنٹ ہوئے انکے والد بزرگوار نے کہا تھا کہ میرا لڑکا اسی لایق ہے کہ وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا صدر ہو اور جو عہدہ بھی اسے دیا جائے یا جسقدر عزت اسکی کیجائے وہ اُسی کے لایق ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ہمت استقلال و اولوالعزمی کیساتھ اپنے حصول مقصد کی کوشش کرتا ہے اور مایوسی اور آرام طلبی دونون اُسکے لیے بے معنی الفاظ ہین۔ مگر کون جانتا تھا کہ مسٹر ہارڈنگ کی زندگی وفا نہ کریگی اور انکو اپنے عہدہ کی مقررہ میعاد بھی پورا کرنا نصیب نہ ہوگی وفات پاچکے اور ۲ اگست کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ آپکے جنازہ کیساتھ دس لاکھ آدمی تھے۔

۴ اگست ۱۹۲۳ء کو وائس پریسیڈنٹ مسٹر کالون کو نج امریکہ کے صدر مقرر کئے گئے۔

اپنے دیگر پیش رؤں کے طرح مسٹر ہارڈنگ بھی جمہوریت کے سچے شیدا تھے آپ امریکین بہت ہر دلعزیز رہے آپ کی سوانحعمری سے یہ بات ثابت ہے کہ ضروری قابلیت ہونے پر یورپ اور امریکہ کا ادنےٰ سے ادنےٰ اور غریب سے غریب شخص بھی ملک کا اعلیٰ ترین عہدہ حاصل کرسکتا ہے۔ اور یہی ان ممالک کے اقبالمندی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

مہیشری پرشاد نگم

انشاپردازی

"تم کہتی ہو کہ والد صاحب بہت کتابیں لکھتے ہیں مگر جو کچھ وہ لکھتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا۔

"وہ شام کے وقت کتنی دیر تک تمہیں پڑھ پڑھ کر سناتے رہے لیکن کیا درحقیقت تم اُن کا مطلب سمجھتی تھیں؟

"اماں تم بھی کیسی مزیدار کہانیاں سنا سکتی ہو۔

"میں حیران ہوں کہ والد صاحب کیوں اسطرح نہیں لکھ سکتے۔

"کیا انھوں نے اپنی ماں سے۔ شہزادیوں پریوں اور جنوں کی کہانیاں کبھی نہیں سُنیں؟

"کیا وہ اُن سب کو بھول گئے ہیں؟

"جب انھوں نے نہانے کے لیے دیر ہو جاتی ہے تمہیں سو سو مرتبہ جاکر اُن کو بلانا پڑتا ہے۔

"تم انتظار کرتی رہتی ہو اور اُنکا کھانا گرم رکھتی ہو۔

"مگر وہ لکھتے رہتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔

"والد صاحب ہمیشہ کتابیں لکھنے کا کھیل کھیلتے ہیں!

"اگر میں والد صاحب کے کمرے میں کھیلنے کی غرض سے چلا جاتا ہوں تو تم جھٹ آجاتی اور پکارتی ہو:۔ "یہ شیطان کا گھر ہے"

"اگر میں ذرا بھی شور کرتا یا زور سے بولتا ہوں تو تم کہتی ہو "تو دیکھتا نہیں کہ بیچارے والد کام کر رہے ہیں"

"اماں! ہمیشہ لکھتے ہی رہنے کا بھی کیا تماشہ ہے!

ترجمہ (کوشل)

جواہرات عالم

جواہر امید

ہوپ ڈائمنڈ

یہ پتھر بھی ہندوستان سے انگلستان پہونچا اور وہان آفتاب بنکر چمکا فرانسیسی سیاح ٹیورنیر سترہوین صدی مین ہندوستان آیا تھا جب وہ سیر و سفر کرتا ہوا مشرقی برہما مین پہونچا تو وہان اُسکو کسی مندر مین ایک گہرے نیلے رنگ کا ہیرا نظر آیا جو ایک مرصع بت کی پیشانی پر ستارے کی طرح چمکتا تھا ٹیورنیر پہلی ہی نگاہ مین اُسپر دلدادہ ہوگیا اور نیت بد لگئی مگر اُس گوہر مقصود کا حاصل کرنا آسان کام نہ تھا۔ پہلے اُسنے مندر کے نازمون کو کچھ دے لیکر اپنا اثر قایم کیا، اور ایک روز رات کے وقت تنہا مندر مین چپکے سے داخل ہوکر ہیرا چرالیا صبح ہونے سے پیشتر رات کی تاریکی مین مالکان مندر کی دسترس سے بہت دور نکل گیا،

ٹیورنیر اپنی اس اخلاقی گناہ پر خوشی مناتا ہوا اس بیش بہا پتھر کو لیکر فرانس واپس ہوا۔ اور اُسکو شاہ فرانس LOUIS XIV لوی چہاردہم کے ہاتھ فروخت کردیا،

وہان اسکا نام "ٹیورنیر یا" فرانسیسی نیلم رکھا گیا تھا

لوی چہاردہم اسکی چمک دمک اور نظر نواز خوبصورتی کا گرویدہ تھا، اور اکثر موقعونپر اسے زیبائشی زیور کی طرح استعمال کرتا تھا؛

۱۹ فروری ۱۷۱۵ء کو جب سفیر فارس شاہ فرانس کے دربار خاص مین حاضر ہوا تو اُسوقت بادشاہ کی سنہری پوشاک جگمگا رہی، جو تقریباً ۱۲۰۰۰۰ پاونڈ یعنی قریب اٹھارہ کروڑ روپیہ کے جواہرات سے مرصع تھی، اور یہ ہیرا ایک ہلکے نیلے فیتے سے لٹکا ہوا بطور ایک خاص زیور کے زیب گلو تھا،

شاید روشن خیال حضرات یہ شکل سے تسلیم کرینگے کہ یہی نیلا ہیرا سلطنت فرانس کی تباہی کا باعث ہوا مگر واقعہ یہ ہے کہ اسکے آتے ہی شاہی خاندان پر نکبت و ادبار کے بادل منڈلانے لگے، اور وہی حالت ہوئی جسکی پیشین گوئی لوئس پانزدہم نے مسیڈم ڈی پمپاڈور MADAME POMPADOUR سے کی تھی ملکہ میری انٹانٹ QUEEN MARRIE ANTOINETE اسکو شاہی موقعوں پر بطور ایک زیور کے زیب گلو کیا کرتی تھی اسوقت کے نامہ نگارون اور مورخون نے اکثر اپنی تحریر و تمن اسکی خوبصورتی اور بے مثل آب و تاب کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے،

اسی زمانہ مین انقلاب فرانس رونما ہوا اس آپا دھاپی اور بدنظمی مین شاہی خزانہ بھی نہ محفوظ رہ سکا یعنی ستمبر ۱۷۹۲ء مین محل گارڈل ماربل GARDLE MARBLE کے خزانہ کے ساتھ یہ قیمتی ہیرا بھی ضائع ہوگیا، اسکے کچھ عرصہ بعد نپولین پہلا کانسل CONCIL مقرر ہوا اسوقت پولیس کو چورون کے ایک گمنام مراسلہ کے ذریعہ اس خزانے کا کچھ سراغ ملا، اور کچھ جواہرات برآمد بھی ہوئے مگر یہ ہیرا نملا اور اسکی نسبت کچھ نہ معلوم ہو سکا۔

پچیس سال بعد ایک نیلا ہیرا افق شہرت پر نمودار ہوا یہ پہلے ہیرے سے چھوٹا اور کم وزن تھا اسکا وزن ۴۴٫۷ قراط تھا، یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ تراشا گیا ہے، اگرچہ اسکی شکل پہلے ہیرے کیطرح نہ تھی۔ لیکن پرکھنے والون کو وہ ہو کا ہوتا تھا کہ یہ اُسی پہلے ہیرے کا ٹکڑا ہے تاہم جوہریون کو اُسوقت تک شبہہ ہی شبہہ تھا جبتک اسی قسم کا دوسرا ہیرا منظر عام پر نہ آیا۔ یہ دوسرا ہیرا ڈیوک برونزک DUKE OF BRUNSWICK کے پاس سے برآمد ہوا اب غور کرنے سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اصلی TAVERNIER پتھر جو بدشکل اور بھدا بنا تھا اُسکے دو ٹکڑے کر لیے گئے ہین۔ اور اسطرح ایک ہیرے کا دو ہیرا بنگیا ہے، ڈیوک کے پتھر کا نام نیلا قطرہ BLUE DROP رکھا گیا لیکن ۱۸۴۷ء مین بازار مین آنے کے بعد پھر اسکا کچھ پتہ نہ چلا۔ اسکا دوسرا ٹکڑا جو پہلے ٹکڑے سے بڑا تھا

مسٹر ہوپ MR H. T. HOPE نے ۱۸۳۹ء مین ایک یہودی جوہری ELIASON سے اٹھارہ ہزار پاونڈ (قریب دو لاکھ ستر ہزار روپیہ) کو خرید کیا اندازکیا جاتا ہے کہ یہ قیمت اسکی بہت کم تھی۔ کیونکہ خریداری کے وقت کسیکو پہلی تاریخ معلوم نہ تھی اور گمان بھی نہ تھا کہ یہ ٹیورنیر ہیرے کا ٹکڑا ہے غرض یہ ہیرا کچھ دنون تک اس خاندان مین رہا اور اسکا ذکر اکثر اوقات اخبارون مین بھی

شائع ہوتا رہا،

ایک مرتبہ یہ ایک رقاصہ کے جسم پر دیکھا گیا۔ جسکی شادی بعد کو خاندان ہیپ کے ایک رکن سے ہوگئی۔ مگر اسکا انجام بخیر نہ ہوا وقتاً فوقتاً اسی قسم کی اور بھی عجیب وغریب افواہیں اسکے نحوست کے متعلق مشہور ہوئیں۔ مگر سب سے زیادہ مشہور واقعہ پرنس کانٹک کا ہے جو ایک کروڑ پتی شخص تھا،

واقعہ یہ ہے کہ ہوپ ڈائمنڈ کو پرنس کانٹکسکی PRINCE KANITOWSKY نے خریدا تھا ایکدن اسکی معشوقہ نے (جو پیرس کے ایک مشہور تھیٹر ..... کی ایک خوبصورت رقاصہ تھی اور جسکا نام ALRES LORENS LACKLI لاک لور تھا عاریتاً اس ہیرے کو طلب کیا تاکہ وہ تھیٹر کے ایک سین مین اسکو پہنکر نمودار ہو، پرنس کو ایک منٹ کے لیے بھی اس ہیرے کا جدا کرنا گوارا نہ تھا مگر معشوقہ دلنواز کی خاطر سے دلپر جبر کرنا پڑا اور ہیرا اسے دیدیا،

یہ حسین رقاصہ اس چمکدار پتھر کو زیب تن کرکے شکل سے تھیٹر پر نمودار ہوئی تھی ایک حریص رقیب کے پستول کا نشانہ بنگئی اور گولی سینے سے پار نکل گئی یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہوپ ڈائمنڈ کا نیلا رنگ انسانی خون کی سرخی سے رنگین نظر آیا۔ اسکے بعد کمپنی کا مالک پرنس کونٹکسی کو ایک حریف نے پیرس کی ایک سڑک پر ایسا مجروح کیا کہ وہ جانبر نہو سکا،

اس واقع کے بعد یہ پیغام اجل یعنی نیلا ہیرا کالٹ CALOT نامی جوہری کے پاس پہونچا۔ وہاں بھی اسکی نحوست ظاہر ہوئی،

مشہور ہے کہ کالٹ اسکی جانفشانی نحوست سے اسقدر خائف ہوا کہ اُسنے خود ہی اپنے ہاتھون اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا،

اسکے بعد یہ نیلا پتھر مدتون عوام کی نگاہون سے پوشیدہ رہا اس درمیان مین اسکے متعلق گاہے گاہے مختلف افواہین مشہور ہوئین۔ لیکن تقریباً غلط تھین، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ہیرا ۱۹۱۲ء مین ایک امریکن کروڑپتی کے ہاتھ خفیہ طریقہ پر فروخت ہوا اور پھر دوران جنگ عظیم مین جہاز ٹائٹانک نامی ..... کی غرقابی نے، اسکے مالک کے ساتھ اسے بھی سمندر کی ہلاکت خیز گہرائی کی نذر کردیا،

اگست سنہ گذشتہ مین HALTON GARDESS مین ایک رازدار ہیرے MYSTNY DIAMOND کی خبر اخبارون مین شایع ہوئی تھی یہ شکل - وزن اور تراش مین بالکل ہوپ نامی ہیرے کے برابر ہے - مگر اسکا رنگ بجائے گہرے نیلے کے زرد ہے، اس سے زیادہ اسکے مزید حالات دریافت نہین ہوئے، ممکن ہے کہ یہ دوسرا پتھر ہو، یا اسکا رنگ خود قدرتاً عرصہ تک زمین مین پڑے رہنے سے تبدیل ہوگیا ہو، یا ارادتاً کسی مصالحہ یا دوا سے تبدیل کر دیا گیا ہو تاکہ اسکی نحوست کی شہرت اسکے فروخت مین حائل نہو،

(ماخوذ) رام سرن نگم

نذر

اے محبوب اگر میرے پاس خوبصورتی ہوتی تو مین مثل ایک کمیاب کلی کے اسکو محبت کے مندر مین چڑھانے کے لیے لاتی - اور اے محبوب اگر میرے پاس شباب ہوتا تو مین اسکو مثل ایک قیمتی موتی کے محبت کی شراب مین ڈالدیتی -

اے محبوب اگر میرے پاس عظمت و بزرگی ہوتی تو مین شہرت و عزت کے سے روشن تختون کو بھی کافور اور دہی کے مثل قربانی کے وقت محبت کی آگ مین جلا دیتی -

لیکن میرے پاس سوائے میرے دل کے عمیق جذبہ کے جو کسی نعم البدل کا طالب نہین ہے - اور کچھ نہین - میرا دل غرور اور ذلت دونون حالتون مین انتظار کرنے اور صرف محبت کی قدمبوسی پر قانع ہے -

"عالی" لکھنوی

(ترجمہ)

حُسنِ سیرت

یا

نورِ ایمان

ہر شخص کی کچھ نہ کچھ سیرت ہوتی ہے اور ہر سیرت اپنی اپنی فطرت کے تحت مین نشو نما پاتی ہے اگرچہ فطرت ایک رنگ ایک بساط ایک اور منبع ایک ہے لیکن اسی سرچشمے سے مختلف فطرتین آبشارون کی طرح نکلتی ہین اور اپنے اپنے رنگ مین ایک قسم کی تفریق یہی ہے جسطرح ایک بڑے تنہ کے درخت کی شاخون مین ہر ایک گونہ تفریق پیدا ہوتی ہے اور باوجود ایک ہی تنہ کی شاخون اور فرعین ہونے کے بھی ہر شاخ اور ہر فرع کی شکل وصورت رجحان اور کمی وبیشی جداگانہ ہوتی ہے۔ گو رجحان اور میلان قریبًا ہر شاخ کا جداگانہ ہوتا ہے اور ہر شاخ برد برگ اور ثمرہ بھی جداگانہ ہی رکھتی ہے۔ لیکن پھر بھی تنہ ہر شاخ کا ایک ہی ہوتا ہے۔ جو ایک شاخ کو اپنے تنہ سے ربط اور نسبت ہوتی ہے وہی دوسرے فرع کو بھی ہوتی ہے۔

ہاتھ کی پانچ انگلیان اگرچہ الگ الگ ہوتی ہین مگر سب کا منبع ایک ہی ہوتا ہے شکلین اور ہیئات انسانی مختلف ہین۔ مگر مرکز انسانیت ایک ہی ہے۔ سیرتین اور نور ایمان مختلف معاد یر اور مختلف نشو ونمائی کیفیت رکھتے ہین مگر انکی حقیقت کا مرکز ایک ہی ہے اگرچہ مختلف آثار اور تفرقات کیوجہ سے نسلین جداگانہ شمار ہوتی ہین۔ مگر غور کرنے سے ان مین ایک قسم کی نسبت اور وحدت بھی پائی جاتی ہے۔

ہر متنفس اور ہر بشر کسی نہ کسی رنگ مین سیرت رکھتا ہے اور ہر سیرت اپنی نمود اور دعوت عمل بھی رکھتی ہے خواہ کسی رنگ مین ہو عمومًا لوگ کہا کرتے ہین کہ وہ ایک نیک سیرت ہستی ہے وہ ایک حسن سیرت رکھتا ہے۔ ان فقرات سے پتہ لگتا ہے کہ اکثر کے خیال مین سیرت وہی ہے جو نیک دعوت دے۔ اور جو نیکی کے مضمون مین ہو۔

جسے لوگ نیک سیرت نہ قرار دین یا جو سیرت عام طور پر نیکی کا ڈپلومانہ لے سکے یا جس شخص مین کچھ بدعملیان اور برائیان بھی ہون۔ وہ سیرت نہ تو نیک ہوتی ہے اور نہ ایسی سیرت مین کوئی حسن ہوتا ہے

دوسرے الفاظ مین یون کہنا چاہیے کہ سیرتین دو پہلو رکھتی ہین بلکہ سیرتین دو ہین سیرت حسنہ اور سیرت سیئہ اگر فی الواقعہ دو ہین تو پھر کہا جائے گا کہ وہ دل اور دماغ کی طرح ایک نہین ہے دو ہین اگرچہ ہر سیرت کی نوعی اور نشو نمائی کیفیات مختلف اور جداگانہ ہوتی ہین مگر اسپر بھی سیرت اور فطرت دو نہین ہین ہر ایک شخص کے حصہ مین ایک ہی سیرت اور ایک ہی فطرت اور سرشت آئی ہے سیرت حسنہ ہو یا سیئہ ہین ایک ہی حالات اور کیفیات جداگانہ ہین۔

ہر سیرت اور ہر فطرت اور ہر سرشت انسانی قدرتاً پاک پوتر اور مقدس بنائی گئی ہے۔ ہر سیرت حسن رکھتی ہے کوئی سیرت بھی بدی نہین رکھتی یا بد نہین ہے

جو لوگ یہ کہتے ہین کہ سیرت وہی اچھی ہے جو نیک ہو اور جسمین کوئی بھی نقص اور برائی نہ ہو۔ جو ہمیشہ دعوت عمل نیک ہی دے ایک حد تک تو درست ہے مگر صرف اسی کلیہ پر سیرت اور حسن سیرت کا فیصلہ کر دینا یہ محبت کی وسعت و قوت اور قیمت کو بٹہ لگاتا ہے۔

حسن سیرت نیک بنا نہین ہے حسن سیرت صرف نیک ہونا نہین ہے۔ حسن سیرت صرف نیکی نہین ہے بلکہ حسن سیرت نیکی کی شناخت نیکی کی ضرورت اور برائی کی تمیز اور ضمیر کی صدا سننے کا نام ہے اور دوسرے الفاظ مین نور ایمان ہے نیک ہونا اور شے ہے اور نیکی شناس ہونا اور شے جو شخص نیک ہے لیکن نیکی شناس اور برائی مین تمیز کرنے والا نہین ہے اور ضمیر کی صدائین سن نہین سکتا وہ ایک حد تک نیک تو ہو گا لیکن حسن سیرت سے عاری ہو گا۔

خدا شناسی اور شے ہے اور خدا پرستی اور شے۔ صادق ہونا اور چیز ہے اور صداقت پسندی اور شے خدا کے جبروت اور قدرت سے خوف کھا کر لرزان اور خائف رہنا اور عمل ہے اور خدا کو خدا جانکر اسکی پرستش کچھ اور شے ہے

نیکی اس واسطے کرنا کہ اس کا اثر اچھا ہوتا ہے اور لوگ نیک کہتے ہین۔ بجائے خود گو ایک مرحلہ نیکی ہے لیکن اس واسطے نیکی کرنا کہ وہ نیکی ہے۔ اور واجب العمل ایک دوسرا یا اوپر کا درجہ ہے۔ اگر مین ایک دوست کے ساتھ اس واسطے نباہتا اور وفا کرتا ہون کہ اس سے کبھی جذب منفعت کی امید ہے یا بحالات دیگر سلب فواید کا خوف ہے تو یہ تکلیف بھی کچھ حسن رکھتی ہے اور یہ خود غرضی بھی اچھی ہے۔ لیکن اگر مین صرف اس خیال سے دوست کے ساتھ وفادار ہون کہ وہ

دوست ہے تو یہ طریق عمل کچھ اور ہی قیمت اور کیفیت رکھتا ہے۔

حسن سیرت کیا ہے برائی کا جاننا ضمیر کی صدا سننا برائی اور برائی کے خیال اور توجہ سے پشیمان ہونا گناہ اور برائی کرکے نادم ہونا اور یہ جاننا کہ یہ عمل برائی اور گناہ ہے اور یہ بات فطرت کے منافی اور خلاف ہے

اگر سیرت مین سہلائی خصوص برائی کا احساس نہین ہے تو ایسی سیرت سیرت حسنہ ہو کر بھی کوئی حسن اور قیمت نہین رکھتی۔ عرصہ ہوا کہ ایک دفعہ چند دوستون کے ساتھ موسم گرما مین کراچی اور کراچی سے گرم چشمہ آب منگا پیر کی خانقاہ پر جانے کا اتفاق ہوا راستہ مین ایک کٹیا مین دو فقیر بیٹھے دیکھتے تھے۔ انکے سامنے ایک سفید پوش بیٹھا رو رہا تھا یہ تماشا دیکھکر ہم بھی ٹھیر گئے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے ہان وہ دونون فقیر بھی رو رہے تھے ؟

ایک فقیر بولا کہ یہ شریف آدمی جو سامنے بیٹھا ہے کہتا ہے کہ بابا مین گنہگار خاطی اور رقیق القلب انسان ہون کوئی بات بتاؤ کہ مین کیا کرون۔

ہم کہتے ہین کہ خدا تو صرف ندامت ہر افعال سیئہ چاہتا ہے اور تم احساس کرکے ندامت بھرے آنسوؤن سے رو رہے ہو اس سے زیادہ اور کیا علاج ہوگا یہ شخص اصلی مداوا کر رہا ہے، اسواسطے ہم بھی اسکے ساتھ رو رہے ہین بس بات یہ ہے۔

واقعی جو سیرت برائی پر نادم نہین ہوتی جو ضمیر اور جو دل برائی کرکے پشیمان نہین ہوتا۔ وہ ایک تاریک دل اور زنگ خوردہ سیرت و فطرت ہے۔ ایسی سیرت ایک ایسی ضمیر رکھتی ہے جسکی حس رفتہ رفتہ ماری گئی ہے جسکا نور کھویا جا چکا ہے اور جسکی طاقت روحانی مدہم پڑ چکی ہے۔

لوگ کہتے ہین کہ جو انسان گناہ کرکے احساس کرتا اور جان جاتا ہے وہ نور ایمان رکھتا ہے یا دوسرے الفاظ مین یہ کہ ایسی ہی ہستی نور ایمان یا حسن سیرت رکھتی ہے کوئی انسان کتنا ہی نیک ہو کتنا ہی محتاط اور مرتاض ہو اگر وہ برائی پر نادم نہین ہوتا یا ایسی ندامت کی طاقت اور حس نہین رکھتا تو کہا جائے گا کہ وہ احساس سیرت اور حسن سیرت نہین رکھتا جو انسان اپنے ضمیر کی صدا نہین سنتا جسکے دل مین افعال کی تنقید کا مادہ نہین ہے وہ اگرچہ نیک ہو لیکن کہا جائے گا کہ اسمین وہ بات نہین ہے جو اسکی سیرت کو سیرت حسنہ کا ڈیلو مادلا سکے۔ جس نماز مین خضوع اور خشوع نہین ہے

وہ نماز بھی کوئی نماز ہے۔ جس محبت مین صداقت نہین اور وہ محبت جو خود کو نفرت سے ممتاز نہین کرتی وہ بھی کوئی محبت ہے نیکی اور بدی دو متضاد کیفیتین ہین نیکی کا احساس بھی ایک احساس ہے لیکن چندان ذمہ داری نہین رکھتا لیکن بدی اور گناہ کا احساس ایک قسم کی ذمہ داری رکھتا ہے دنیا کا نظم و نسق برائی کی شناخت اور اغلاط کی دریافت پر زیادہ تر موقوف ہے۔ اگر جرم گناہ اور غلطی اور بدی نہ ہون تو حلقۂ اخلاق والون، مذاہب اور سیاست دانون کو نیکی کی اشاعت اور جرائم کی روک کے واسطے کچھ بھی جد وجہد نہ کرنی پڑتی نیکی اور اچھائی کی قیمت برائی اور گناہ ہی کی وجہ سے بڑھتی ہے۔

پس لازم ہے کہ نیکی کی شناخت سے پہلے برائی اور بدی کی شناخت پر زور دیا جائے جب ہم بدی سے شناسا ہو جائین گے تو پھر خود بخود نیکی کی تصویرین بھی سامنے آجائینگی۔

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ حسن سیرت یا نیک سیرت کیا ہے اور اسکی کیا علامت ہے مین کہونگا کسی سیرت کا بدی شناس ہونا خطا پر پشیمان ہونا اپنے کیے پر نادم ہونا حسن سیرت ہے مگر نیکی کرکے فخر کرنا اور اسپر اترانا حسن سیرت نہین ہے بات جب ہے کہ برائی کا احساس ہو گناہون پر ندامت ہو۔ اور ندامت کے ساتھ برائی کرنے اور برائی ہونے کا اعتراف بھی ہو، جرم کرنے کی نسبت جرم کرکے اقبال جرم کرنا زیادہ جرات اور ہمت کا کام ہے اقبال جرم سے ظاہر ہے کہ مجرم حسن سیرت یا احساس سیرت کو جو شاید اسنے کھو دیا ہو پھر حاصل کرنے کی قوت کا حمایزہ اٹھانے کو تیار ہے بیشک یہ ہمت اور جرات کا کام ہے وہ نیک سیرت کیا جو نیکی پر اتراتا اور فخر کرتا ہے اور برائی کو چھپاتا اور اس سے انکار کرتا ہے اس طریق عمل سے ایسا شخص اس خاصہ اور اس ضمیر کو برباد اور کمزور کرتا ہے۔ جسمین برائی کے احساس کی طاقت ودیعت کی گئی ہے۔

وہی سیرت اچھی اور پسندیدہ ہے جو غلطی شناس اور ندامت پسند ہے۔ جو اپنی کمزوریون کا دل سے اعتراف کرتی ہے اور طالب عفو ہوتی ہے۔ جس سیرت مین یہ حوصلہ ہے اسی صحیح معنون مین نیک ہو سکتی ہے اور وہی نیکی کی نقاد بھی ہے۔

سلطان احمد

کلّن ڈالو

(۱)

ایک دن شام کے قریب مین اپنے کمرے مین بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا کہ دروازے پر پے در پے دستک سنائی دی۔ مین اپنے کام مین اسقدر منہمک تھا کہ مین نے مطلقاً توجہ نہ کی۔ جب شور حد سے زیادہ بڑھ گیا اور "دروازہ کھولو" کی آوازین متواتر سنائی دین تو مین نے بڑھکر کواڑ کھولدیئے۔ میرے ماموں مسٹر..... اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس حواس باختہ کھڑے تھے چہرہ کا رنگ زرد تھا پیشانی پر پسینے کے قطرے نمایا تھے اور چہرہ غبار آلود تھا۔ مین ان کی یہ ہیئت کذائی دیکھکر بہت گھبرایا اور نہایت تشکل سے انکو کھینچکر کمرے مین لایا۔ وہ آرام چوکی پر گر پڑے۔ جلدی سے نوکر برف ڈالکر شربت لایا۔ مینے انکی طرف دیکھا تو وہ خاموش لیٹے ہوئے چھت کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے کسی گہرے سوچ مین ہون۔ انکے شربت پی کر طبیعت ذرا سنبھلی۔ اور وہ بہت جوش سے بولے "میری بہت بدنامی ہوگئی۔ لیکن اسمین میرا کچھ قصور نہین۔ مشیت ایزدی اسی مین تھی۔ خیر راضی برضا" مینے حیران ہوکر پوچھا "بدنامی! کیسی بدنامی! ابھی تو آپ نے ....." انہون نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کردیا۔

مین انکو اپنے تمام رشتہ دارون سے زیادہ چاہتا ہون اور انکو بھی مجھ سے بہت محبت ہے جب کوئی سنگین واردات ہو جاتی ہے۔ اور اسکا سراغ نہین ملتا۔ تو وہ مجھسے مشورہ لیتے ہین۔ اور مین بھی حتی الامکان انکی تشفی کا باعث ہوا کرتا ہون۔ آج ضرور کچھ دال مین کالا ہے مین انکو خلاف معمول پریشان دیکھکر گھبرا گیا کیونکہ وہ حد درجہ کی مصیبت مین بھی مستقل مزاج رہا کرتے تھے۔

آخر وہ بولے (لیکن انکی آواز مجھے تشکل سے سنائی دیتی تھی) "تم سے کوئی بات پوشیدہ نہین حتی کہ تم کو محکمۂ پولیس کے خفیہ ضابطہ کے الفاظ کا بھی علم ہے۔ کوئی اہم مقدمہ نہین جسمین مینے تم سے

مشورہ نہ لیا ہو۔ ابھی ایک ہفتہ نہین گذرا مین نے تمہاری مدد سے کلن کو جو مشہور قاتل جواری شرابی اور راہزن تھا۔ کسقدر مصیبتون کے بعد گرفتار کیا تھا تمہین یہ بھی معلوم ہے کہ ماتحت افسر جو اس سے باقاعدہ تنخواہ پاتے تھے اسدن سے میری تباہی کے درپے ہین وہی ہوا جسکا خدشہ تھا۔ پرسون اسکا مقدمہ عدالت مین پیش ہونے والا تھا اور اسکی سزایابی پر میری نیکنامی اور انعام کا انحصار تھا آج صبح جب حوالات کا محافظ تمام قیدیون کا جائزہ لے رہا تھا تو اسنے کلن کو حاضر نہ پایا۔ داروغہ کے ہاتھ پانون پھول گئے۔ سب طرف تلاش شروع ہوئی لیکن وہ غائب تھا اسکی کھڑکی کی سلاخ ٹوٹی پڑی تھی۔ اور جیل خانہ کی بیرونی دیوار کے باہر کسی کے کودنے کے نشان موجود تھے۔ اسمین کوئی شک نہین کہ اسمین سازش ہے۔ اور میرے قتل کے اسباب مہیا کر دیئے گئے ہین۔ مین اپنے بنگلہ مین بیٹھا چاء پی رہا تھا۔ کہ دفعتہً ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ مین اُٹھکر گیا تو معلوم ہوا کہ کلن مفرور ہو گیا ہے ٹیلیفون میرے ہاتھ سے گر گیا۔ اسیوقت موٹر پر سوار ہو کر کوتوالی پہنچا خفیہ پولیس مین اطلاع دی وہان سے قابل ترین سراغرسان بھاگتے ہوئے پہنچے۔ تمام دن خاک چھانتے پھرے۔ آخر مایوس ہو کر اور اپنی زندگی خطرے مین پاکر تمہارے ہان چلا آیا ہون ماتحت افسرون کو اور خان بہادر ..... سپرنٹنڈنٹ خفیہ پولیس کو تاکید کر آیا ہون۔ تمہاری رائے مین اب ہمین کیا کرنا چاہیے؟"

مین یہ داستان سنکر دم بخود رہگیا اور سوچنے لگا۔ مین جانتا تھا کہ کلن کس قماش کا آدمی ہے اسنے کئی آدمیون کو بے دریغ قتل کر ڈالا تھا۔ رحم اسکے نزدیک کمزوری کی علامت تھی بیسیون مکان آگ کے نذر کر دیئے۔ دن دہاڑے ڈاکہ ڈالتا تھا اور ساہوکارون کو پکڑ کر لیجاتا تھا۔ اسکا نام سنتے ہی پولیس کی روح فنا ہوتی تھی۔ جب وہ ظالم لوٹ کا مال لیکر پانچ کوس کے فاصلہ پر پہنچ جاتا تھا اسوقت پولیس کے کارکن تمام ساز و سامان سے لیس ہو کر اسکے پیچھے روانہ ہوتے تھے۔ ایک آدھ میل پر جاکر پڑاؤ ڈال دیتے چند دنون تک دیہات کی زندگی کے خوب مزے اُڑا کر واپس آجاتے اور کہہ دیتے کہ اسکا سراغ نہین ملتا۔

مامون صاحب کے سپرد یہ معاملہ اسلیے کیا گیا تھا کہ انھون نے مسلسل سے مشکل کام سرانجام دیئے تھے۔ لدھیانہ کے مقدمہ سازش مین شہادت کی فراہمی کا باعث وہی تھے۔ تمام ہندوستان مین ان جیسا خوش اخلاق۔ فرض شناس۔ پختہ مغز۔ شریف اور ہمدرد پولیس افسر نہین۔

کلن کو گرفتار کرنا آسان کام نہ تھا پولیس کے اکثر اشخاص کلن کے تنخواہ دار تھے اور اسے شہر کی حالت سے وقتاً فوقتاً اطلاع دیتے رہتے تھے چنانچہ اسکی گرفتاری بڑی مستعدی کے بعد عمل مین آئی تھی۔ پہلے ہمکو بھیس بدلکر اسکے گروہ مین شامل ہونا پڑا اور طرح طرح کی عیاریونسے مصیبتین جھیلکر اُنکی نظر و نمین اپنا اعتماد قایم کرنا پڑا اسکے بعد کہین کامیابی ہوئی ۔ کچھ مدت تک تو وہ گروہ ہمسے کسی قدر کھچا کھچا رہا۔ لیکن جب ہمنے نہایت وفاداری کا ثبوت دیا۔ تو انکو ہماری صداقت کا یقین ہوگیا آخر ایکدن موقعہ پاکر جب کلن اور اسکے ساتھی لوٹ مار کی مہم پر جانے کی تیاری کر رہے تھے دفعتہً فوج اور رسالہ کے سپاہیون نے انکو چاروں طرف سے گھیر لیا ڈاکوئے ہاتھ پاؤن پھول گئے اور انہون نے بغیر مقابلہ کیے اپنے آپکو حوالہ کر دیا چونکہ اُسکی گرفتاری مین مین بھی شریک تھا۔ اسلیے اسکے فرار کی خبر میرے لیے بجا طور پر تشویش ناک تھی۔

(۲)

دوسرے دن رات کے کھانے کے بعد ہی ہم دونون نے پھر بھیس بدلا۔ اور گاتے ہوئے دریائے راوی کیجانب چلدیئے اکثر اوقات یہی جگہ مایوس دلون کی تشفی کا باعث ہوتی ہے۔ اور دل جلے لوگ وہان تفریح کا سامان ڈھونڈھنے جایا کرتے ہین۔ چاندنی خوب چھٹکی ہوئی تھی۔ ہمنے ایک کشتی لی اسوقت کالج کا زمانہ یاد آگیا۔ مدت کے بعد اپنے آپکو اس حالت مین پاکر طبیعت مین لڑکپن کی سی شوخی پیدا ہوئی۔ ہم رات کے دو بجے تک کشتی کھیتے رہے۔ ماموں کبھی کبھی جوش مین آکر تان بھی لگا دیتے تھے جو اس سنسان وقت مین ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتی تھی اچانک مینے دیکھا کہ ایک کشتی کنارے کے جانب سے ہماری طرف آرہی ہے جب اسکے نزدیک پہنچے تو وہ نہایت تیزی سے آگے نکلگئی۔ اور ہمنے دیکھا کہ وہ سیدھی بارہ دری کی طرف جارہی ہے۔ اسوقت مجھے خیال پیدا ہوا کہ اسکا پیچھا کیا جائے کیونکہ ایسے وقت مین جو شخص کشتی مین سیر کر رہا ہو اسے دیکھکر کوئی اور کشتی اس مشتبہ طریق سے گذر جائے تو ایک پولیس افسر کے دلمین قدرتاً شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارہ دری سے نیچے پہنچکر کشتی ایک دم رک گئی۔ اسمین سے ایک شخص کودا اور کشتی کو اپنی مین چھوڑکر پتھر پر چڑھنے لگا۔ ہم بھی نہایت خاموشی سے اور پانون کی آہٹ روکنے کے لیے جوتے ہاتھ مین اُٹھائے ہوئے اسکے پیچھے چلے۔ وہ تھوڑی دور جاکر بیٹھ گیا اور چاروں طرف بڑے اطمینان سے دیکھنے لگا۔ اسوقت ہم دونون چونکے۔ قریب تھا کہ مین آگے بڑھون فی الفور ماموں نے ایک ہاتھ سے میرے بازو کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے میرا منھ بند کر دیا مین سمجھ گیا۔ اسوقت مینے دیکھا کہ ایک سیاہ فام شخص

جو بڑے مضبوط ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ کھڑا ہے۔ اسکا منڈا ہوا سر توپ کے گولے کیطرح سخت اور چمکیلا تھا۔ چاندنی اسکے سر پر پڑ رہی تھی اور اسپر کئی زخمون کے نشان نظر آرہے تھے۔ اسکی ناک ٹوٹی ہوئی تھی اور ایک رخسار پر کنپٹی تک تلوار کا ایک نشان تھا۔ یہ کریہ صورت شخص کلن تھا!

(۳)

یہ سخت پریشان کن منظر تھا۔ دل دھڑکنے لگا، اور سانس کی رفتار مین سرعت پیدا ہوگئی ہمنے اپنے اپنے جیبی ریوالور نکالے اور اسکے پیچھے ایک جھاڑی مین چھپ گئے۔ جہان وہ بالکل ہماری زد مین تھا ہم اسکی حرکات و سکنات کو بخوبی دیکھہ سکتے تھے۔ اور اسکی آواز سن سکتے تھے۔ وہ بڑے اطمینان سے کھڑا بلند آواز مین کہہ رہا تھا۔

"آہ! مجھے گناہ و بے سبب تیرے ہی کرتوت کا نتیجہ ہے مین ایک معزز شریف اور دولتمند خاندان کا نونہال تھا۔ دنیا میرے نظرون مین جنت کی مانند تھی۔ پینے اور بیکار پھرنے کا نام تھا۔ میرے والدین نے ہزار لاڈ چو پیار سے مجھے پالا۔ مکتب مین پڑھنے کے لیے داخل ہوا۔ ہر ایک سے پرخاش۔ معلم سے جھگڑا بمشکل پہلا پارہ ختم کیا ہوگا کہ گھر جا بیٹھا۔ پھر مکتب کا نام نہ لیا۔ آخر والدین نے اسکول بھیجا۔ وہان میری طبیعت لگ گئی۔ اور مینے مڈل کا امتحان پاس کر لیا۔ اسوقت میری عمر اٹھارہ برس کی تھی کہ ایکدن بازار مین میری نظر ایک گناہ فروش ہستی پر پڑی۔ اسکی شکل دیکھکر میری آنکھین چندھیا گئین مین شرماتے شرماتے اسکے مکان پر گیا۔ حیا مانع آئی۔ نیچے ہی سے واپس آگیا۔ پھر گیا لیکن الٹے پانون چلا آیا! آخر دن شیطان نے ہمت بڑھائی مین بھی اسکا نام لیکر اسکے قحبہ کے پاس جا بیٹھا۔ اسنے امیرزادہ سمجھکر خوب ہی آؤ بھگت کی۔ اٹھارہ برس کا سن۔ یہ خاطر داری دیکھکر پھر تو ہوگیا۔ ہر روز ملاقات ہونے لگی۔ والد کا انتقال ہوتے ہی مینے تمام جائداد سے اس نحوست کے ستارے کا گھر بھر دیا۔ جب کچھ نہ بچا۔ تو والدہ کے زیورون پر نظر پڑی۔ اسنے مجھے بدچلن دیکھکر گھر سے نکالدیا۔ سب سے پہلا قتل جو مینے کیا وہ اسی تنگ خاتون کا قتل تھا جس کے شکم مین مین نو مہینے رہا تھا۔ اور جسنے راتون کی نیند اور دنون کا آرام اپنے آپ پر حرام کرکے مجھ نا شدنی کو پالا تھا۔ وہ سرد رات مین زیور لیکر اس بدکار عورت کے بالاخانہ پر پہنچا پھر کیا تھا شیطان نے انسانی خون چکھ لیا تھا۔

چوری جیل - ڈاکہ - قتل میرے بائیں ہاتھ کا کرتب ہوگیا - سینکڑوں عورتوں کو میں نے بیوہ بنا دیا
بیسیوں بلکتے ہوئے بچوں کو یتیم کیا - کئی والدین کے گھر بچہ سے فارغ کر دیئے - بیشمار مکانوں اور شاندار دکانوں کو
آگ کی نذر کیا - کردہ خویش آید پیش - اسی روز سیاہ عورت کی سازش سے گرفتار ہوا - دو نوجوان اسکی
انگوٹھی لیکر پہنچے اور حلقے میں شامل ہونے کی درخواست کی - میں نے اسکا حکم بسر و چشم مانا اور آہستہ
آہستہ انہیں کے ہاتھوں میری آزادی سلب ہوگئی - جیل کی حوالات میں داروغہ سے سازبازکی اور لاکھوں
سبز باغ دکھائے - لیکن وہ شورہ پشت کندۂ ناتراش میرے قابو میں نہ آیا - آخر ایک تھانہ دار کو پھانسنے
اور اس سے اپنا کام نکلوانیکی کوشش کی - میری باتوں اور لاکھوں روپیہ کا نام سنکر اپنی حرص و ہوا پر قابو نہ
سکا - اور میرے پھندے میں پھنس گیا - اسنے مجھے بتایا کہ مجھے گرفتار کرانے والے نوجوانوں میں سے ایک کے
ساتھ اسکو ذاتی عداوت ہے - دونوں ساتھ نوکر ہوئے تھے - ایک اپنی خوش قسمتی اور لیاقت سے اسسٹنٹ
سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوگیا اور یہ صرف تھانہ دار ہی رہا - حسد کی آگ کو سینے اور اکسا اکسا کر مشتعل کیا وہ
چند جیلی زمروں کے ٹکڑوں کے جھانسے میں آگیا اور اسی نے میری رہائی کے لیے تمام سہولتیں بہم پہنچا دیں
جیل کی دیوار سے نکلتے ہی میں نے اپنا ہاتھ اسپر صاف کیا جو باہر میرا منتظر کھڑا تھا - اسکی بیوی کی آبرو
ریزی کی - اسکے مکان کو لوٹا اور آگ کے نذر کر دیا - پھر اس قصبہ کا خاتمہ کیا - لیکن آہ - ابھی مجھے ایک بدلینا
ہے جس سے ملائکہ اور شیاطین تک کانپ اٹھینگے - وہ نوجوان افسر اور اسکا رفیق جو کتاب میں لکھا کرتا ہے
دونوں میرے انتقام کے شکار ہونگے - ہاں ہاں یہ پتھر ان دونوں کا سر کچلنے میں کام آئیگا "

اسوقت کلن نے ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر اپنی کمر سے باندھا اور اسلئے پانی دریا کیطرف
چلدیا - ہم سایہ کی طرح اسکے ساتھ تھے - پھر وہ پانی میں گھس گیا جوں ہی اسکے جسم کو پانی کی برودت
محسوس ہوئی اسکے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ پکارا " این میں کہاں ہوں ..... پانی میں "
..... آہ میں گیا ..... اوہ (غوطہ) ..... میری کمر میں یہ پتھر کہاں سے آگیا - اوہ ڈوبتا
اسنے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیے اور ہم کشتی میں کودے کہ اسے بچا کر گرفتار کرلیں ابھی ہم تقریباً
دس ہی گز کے فاصلہ پر تھے - کہ یہ الفاظ سنائی دیئے " یقیناً موت ہے - اب چھٹکارا مشکل ہے پتھر
بھی تو نہیں کھلتا - میری تمام حسرتیں میرے ساتھ رہجائینگی - میں پانی میں اسطرح گیا - میں ز
جہاں میں ایک مدت پیوا تھا شاید پانی میرے گناہوں کو دھو سکے - اوہ نہیں ..... ہا

. . . . . سے . . . . . .

سطح آب پر چند بلبلے نمودار ہوئے اور کچھ نہ تھا!

اسوقت مجھے یاد آیا کہ وہ مرض "سرگردانی خواب"[1] میں مبتلا تھا!

محمد فضل حق معتصم

"بارہ بجے"

"اماں! اب میں اپنی کتاب رکھ دینا چاہتا ہوں۔ میں صبح سے اپنا سبق یاد کر رہا ہوں۔

"تم کتنی ہوا بھی صرف بارہ ہی بجے ہیں۔ فرض کرو ابھی اس سے دیر نہیں ہوئی۔ لیکن کیا تم کبھی یہ نہیں

خیال کرتیں کہ جب بارہ بجے ہوں اسوقت سے پہر ہو جاتا ہے۔

"میں اسوقت بآسانی خیال کر سکتا ہوں کہ دھوپ اس دھانوں کے کھیت کے سرے پہنچ گئی ہے

اور بوڑھی ماہی گیرن اپنے شام کے کھانے کے لیے تالاب کے کنارے ساگ اکٹھا کر رہی ہے۔

"میں اسوقت اپنی آنکھیں بند کر سکتا ہوں اور سوچ سکتا ہوں کہ اب بڑ کے درخت کے نیچے سایہ

گھنا ہوتا جاتا ہے اور تالاب میں پانی چمکیلا روشن نظر آتا ہے۔

"اماں! اگر رات میں بارہ بج سکتے ہیں تو پھر اسوقت کیوں رات نہیں ہو سکتی جبکہ بارہ

بجے ہوں؟"

(ترجمہ) کوشل

---

[1] یہ مرض دماغ کی پوست کے باعث لاحق ہو جاتا ہے۔ انسان سوتے میں چلتا پھرتا ہے۔ باتیں کرتا ہے حتے کہ قتل بھی کر دیتا ہے۔ لیکن اسے مسلم نہیں۔ ۱۔ ڈاکٹری اصطلاح میں اسے سوم نابولزم SOMNABULISM کہتے ہیں۔ میں بادراک ان سلیپ WALKIN SLEEP بھی کہتے ہیں۔ سرگردانی خواب اسی کا مفہوم ادا کرتا ہے معتصم

سوکن کا جلاپا

قدیم زمانہ مین مقدونیہ کا بادشاہ "فیلقوس" (فلپ ثانی) بہت نامور گذرا ہے اسکی بیاہتا بیوی "اولمپیاس" کے بطن سے سکندر اعظم پیدا ہوا تھا جسنے یورپ و ایشیا کی سلطنتون اور قومون کو تہ و بالا کر کے دنیا مین کھلبلی ڈالدی تھی اور جس کے اولوالعزمانہ کارنامون نے تاریخ کے بہت سے صفحات پر قبضہ کر لیا ہے۔ فیلقوس کی عمر لڑائیون ہی مین تمام ہوئی اسکا قوی دشمنون سے مقابلہ مجادلہ اور زبردست معرکون سے سامنا ہا اسنے بڑے بڑے ملک فتح کیے جب وہ مقدونیہ کی تمام اقوام کو زیر کر چکا تو اسنے مصر کی فتح کا ارادہ کیا اور بڑی تیاری کے بعد مصر پر حملہ کر دیا اس زمانہ مین مصر پر کلیوپیٹرا نامی ایک خاتون حکمران تھی جو جہانداری اور جہانبانی مین طاق حکمت و سیاست اور تدبر مین بے نظیر اور انتظام سلطنت عدالت اور شجاعت مین لاجواب تھی۔ تک لڑائی ہوتی رہی ناچار کلیوپیٹرا کے لشکر کو شکست ہوئی اور فیلقوس نے مصر پر قبضہ کر لیا کلیوپیٹرا حسن سیرت کی طرح حسن صورت مین بھی بے نظیر تھی۔ اسلیے فیلقوس نے اس سے شادی کر لی جب فیلقوس سے بڑی لڑائی سے مظفر و منصور اپنی دارالسلطنت مین واپس آیا تو اولمپیاس کو شوہر کی یہ ادا ناگوار ہوئی اور کلیوپیٹرا سے بھی دلدادگی سے نفرت پیدا ہو گئی اس نے شوہر سے باطنًا قطع تعلق کر لیا اور بیٹے پر پورا قبضہ کر کے اس کو باپ اور سوتیلی ماں سے ناراض و برگشتہ کر دیا اور تمام امراؤ وزرا اعزا اور افسرون مین ناراضی کی لہر دوڑا دی ملکہ اولمپیاس محرور المزاج، غضب ناک، حاسد، کینہ پرور، شر انگیز، ضدی، اور مضبوط ارادہ کی عورت تھی ایک مرتبہ جو بات اسکے دل مین جم جاتی تھی پھر کبھی نہین نکل سکتی تھی۔

دارالسلطنت مین وارد ہوتے ہی فیلقوس نے کلیوپیٹرا کا جشن عروسی دھوم دھام سے ترتیب دیا عین جشن کے موقع پر جبکہ نشہ شراب سے تمام شرکا اور مہمان مست و بے خود تھے عروس کے چچا اطالوس نے نہایت بدحواسی کے ساتھ یونانیون کو مخاطب کر کے کہا "صاحبو! دعا کرو کہ میری بھتیجی سے تمہارے ملک کا وارث حقیقی پیدا ہو" یہ جملہ سنکر یونانی مرا کو بڑا غصہ آیا اور سکندر طیش کے مارے کانپنے لگا اور اپنے ہاتھ

کا پیالہ اسکے منہ پر مار کر کہا "بدمعاش کیا تو مجھے حرامی سمجھتا ہے" فیلقوس کو سکندر کی یہ سبارت اور بے باکی اپنے چچا سسر کی شان مین بہت ناگوار ہوئی اور شراب مین سرشار لڑکھڑاتا ہوا بے ساختہ بیٹے کیطرف مارنے کو دوڑا مگر نشہ مین اتنا چور ہو رہا تھا کہ دو قدم دوڑنے کی بدہی اسکا پیر پھسل پڑا اور دھڑام سے چاروں شانے چت گر پڑا سکندر نے مضحکہ آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہواخواہون سے مخاطب ہوکر کہا "دیکھئے دیکھئے یہی وہ شخص ہے جو یورپ سے نکلکر ایشیا فتح کرنے کی تیاریان کر رہا ہے۔ اور راستہ چلنے مین ٹھوکرین کھا کھاکر گرا پڑتا ہے یہ ہم واقعہ تھا اسلیے اولم پیاس بیٹے کو ساتھ لیکر اس مکان سے نکل آئی اور محل مین ٹھہرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ ماں بیٹے قطع منازل کرتے ہوئے اپیرس پہونچے اور یہان ماں کو بحفاظت چھوڑکر سکندر الیریہ چلا گیا ماں بیٹے فیلقوس سے مدتون جدا رہے لیکن وہ ماراطرس ایک معزز شخص کی کوشش و فہمایش سے دونون کو واپس بلایا گیا اور بظاہر مصالحت ہوگئی مگر یہ مصالحت دیر تک قایم نہ رہ سکی۔

کاریہ کے گورنر پکسودورس نے اپنی بڑی بیٹی کی منگنی سکندر کے بھائی اری بس سے کرنے کے لیے فیلقوس کے پاس پیام بھیجا یہ پیام اولم پیاس کے لیے دیوانہ راہوے بس است کے مصداق ہوا اسکو بیٹے اور شوہر مین ناچاقی اور بدمزگی پیدا کرنے کا کافی موقع ملا۔ اسنے سکندر کے خوب کان بھرے اور بھوتی پچی باتین بنا بنا کے ذہن نشین کردیا کہ تمہارا باپ ایک ممتاز گھرانے مین تمہارے بھائی کا پیوند اور دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہے کہ آیندہ اسکی ولیعہدی کا اعلان کردے اسی قسم کی باتین اولم پیاس کے ہواخواہ امرا نے بھی سکندر سے کہین۔ سکندر کو اس خیال نے اسقدر گھبرایا کہ اسنے ایک زبردست ہجو گو شاعر تھاس کو کاریہ اسلیے بھیجا کہ وہ اشعار کے ذریعہ اری دیس کی کم نسبی، حماقت، بدچلنی اور طرح کی برائیون کا حال سنائے اور پکسودورس بجائے اسکے سکندر کو اپنا داماد بنانے پر راضی ہوجائے چنانچہ شاعر نے کاریہ جاکر کام شروع کیا اور اپنے مقصد مین کامیاب ہوا اور پکسودورس اری دیس کے بجائے سکندر کو اپنا داماد بنانے پر آمادہ ہوگیا لیکن فیلقوس کو اطلاع ہوگئی وہ بہت غضبناک ہوا اور تھوطاس سکندر کے ایک عزیز رفیق اور جنرل کو ساتھ لیے ہوئے سکندر کے کمرہ مین آکر بہت کچھ برا بھلا کہا، لعنت ملامت کی اور کہا کہ "میرا ولیعہد در اتنی بڑی سلطنت کا وارث ہوکر تجھے غیرت نہ آئی کہ شادی کی درخواست ایک ذلیل آدمی کے ہان کرتا ہے" یہ کہکر غصہ مین بھرا ہوا کمرہ سے باہر نکل گیا۔ اس نے

اسی وقت تھالس شاعر کی گرفتاری کا حکم دیا اور سکندر کے بہت سے دوستوں پر پارمنیو اور فیلوٹس وغیرہ کو جلاوطن کر دیا۔

کلوپٹیرا اگرچہ اولم پیاس کی طرح عادات اور اطوار کی مالک نہ تھی تاہم اسکی حرکتوں سے متاثر ہو کر یہ بھی کچھ نہ کچھ خفیہ کارروائی ضرور کرتی رہی مندرجۂ بالا واقعہ کو زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ سکندر اور اسکی ماں کی ایک ہزار خواہ سردار پاسے نیاس کے ساتھ کلیوپٹیرا اور اسکے چچا اطالوس کے ایما سے سخت بدسلوکی عمل میں آئی اولم پیاس کی پارٹی نے بہت زور لگائے لیکن فیلوٹس اب بیٹے اور بیوی سے اتنا دل برداشتہ تھا کہ اسنے ذرا بھی توجہ نہ کی مایوس ہو کر فیلوٹس کو موت کے گھاٹ اوتارنے کی خونین تجویز پاس ہوئی اس کام کے لیے پاسے نیاس سے بہتر اور کون شخص مل سکتا تھا چنانچہ اسی کی خدمت سپرد ہوئی۔ اسنے ایکدن موقع پاکر فیلوٹس کا کام تمام کر دیا۔ سکندر تخت نشین ہوا اور اولم پیاس نے کلیوپٹیرا کو خوب خوب دق کیا اصل مجرم بچ رہا اور ملک کے دکھانے کے لیے چند بے گناہوں کو سزائیں دی گئیں اسطرح دو بیویوں کی باہمی عداوت کی بنا پر ایک جلیل القدر بادشاہ کا قتل واقع ہوا۔

محمد اسمٰعیل ہاتف بھوپالی

"جب میں والد کے قلم یا پنسل لیکر اُن کی کتاب پر انہیں کی طرح ا۔ ب پ لکھ دیتا ہوں تو اماں! اُسوقت تم مجھ سے ناراض کیوں ہوجایا کرتی ہو؟

"مگر جب والد صاحب لکھا کرتے ہیں تم کبھی ایک لفظ بھی اُنھیں نہیں کہتیں۔

"اماں! جب والد صاحب کاغذوں کے ڈھیر کے ڈھیر (رم کے رم) خراب کرتے ہیں اسوقت تم ذرا بھی پرواہ نہیں کرتیں۔

"لیکن اگر میں کشتی بنانیکے لئے کاغذ کا صرف ایک تختہ لے لیتا ہوں تو تم کہتی ہو۔

"لڑکے! تم کیسے دُکھدائی ہو!"

"اماں! والد صاحب کے کاغذوں کو دونوں طرف سے سیاہ نشانات سے خراب کرنیکے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" (کوشل)

(ترجمہ)

تنقید کتب

سرگذشت الفاظ

جناب احمد دین صاحب بی اے وکیل لاہور نے، اس مفید، و دلچسپ تالیف کو دنیائے ادب کے سامنے پیش کرکے اپنے ادبی شغف، اور علمدوستی کا ثبوت دیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ آپ کی تحقیق و تدقیق قابل ستائش ہے،

آپنے مولانا محمد حسین نیاز آزاد مرحوم کے اسم گرامی کو عنوان کتاب بنایا ہے، اور تحقیق الفاظ مین مولانے مرحوم کی روش اختیار کی ہے،

سرگذشت الفاظ بہ لحاظ مضامین، سات فصلون پر منقسم ہین، اور ہر فصل مین مختلف عنوانات کی تحت مین، داد تحقیق دیگئی ہے، اکثر عنوانات ایسے بھی ہین، جو خود تو بہت مفید نظر آتے ہین، مگر انکے ماتحت مضامین کچھ زیادہ مفید نہین، پہلی فصل مین اکثر عنوانات، بظاہر پر معنی اور بباطن تہی مغز ہین،

اس کتاب کا موضوع تالیف یہ ہے، کہ زبان، کو انسانی زندگی اور اسکے متعلقات سے خاص تعلق ہے، اور تمدن اور معاشرت کے ارتقائی مدارج کے ساتھ زبان کی ترقی بھی وابستہ ہے، دنیا کی کوئی زبان ہو، جب آپ اسکی ابتدائی حالت پر غور کرینگے، تو آپ کو نامکمل، اور بدنما نظر آئیگی، ابتدا مین جو محاورے مخصوص ہونگے وہ آگے چلکر مسترد ہو جاوینگے، نئے نئے لفظونکا اضافہ ہوگا، جنکا پچھلے دور مین نشان بھی نہ ملیگا، یہی حال اردو کا بھی ہے، ابتدا مین کچھ اور صورت تھی، آگے چلکر کچھ اور ہوئی اور اب کچھ اور ہے۔ سیکڑون لفظ مٹ گئے، اُنکی جگہ دوسرے لفظون نے لے لی، ہزارون نئے الفاظ اور محاورے ایجاد ہوگئے حتی کہ آج اگر اردو کو ابتدا [illegible] مین پیش کیجئے، تو بہت سے لوگ اسے اردو کہنے مین بھی تامل کرینگے،

سرگذشت الفاظ کے ابتدائی ابواب مین، زبان، اور ضروریات زبان کے متعلق کافی طور پر بحث

کی گئی ہے، آگے چلکر اُن الفاظ کی تحقیق کی ہے جو اردو مین مستعمل نہین مگر عوام کو اُنکی اصل اور حقیقت کا پتہ نہین مثلاً، لفظ ستی کے متعلق لکھتے ہین،

شیو جی کی زوجہ ستی نام تھین، ان کے والد ایک بڑے راجہ تھے، راجہ نے ایک دفعہ جگ رچایا اور اپنی سب بیٹیون کو اس موقع پر بلایا مگر ستی کو مدعو نہ کیا، ستی اس پر گھبرائین، شیو جی سے مشورہ کیا انہون نے صلاح نہ دی کہ جائین، یہ مصر تھین اور چاہتی تھین کہ دوسری بہنون کے ساتھ جگ مین شریک ہون آخر شیو جی نے رضامندی دیدی اور یہ بن بلائے والد کے ہان چلی گئین، والد پھر بھی بے اعتنائی سے پیش آئے اور ستی کو بے توجہی سے دل شکستہ کر دیا، والد کی اس بیرخی اور اپنی بے وقری سے بیزار ہو کر ستی جگ کے عین موقعہ پر آگ مین کود پڑین اور بھسم ہو گئین اب ستی ہونا خودداری کی بھی ستی کی پیروی کرنا ہے

ایک موقع پر انتظام اور اہتمام کی تشریح کی ہے۔ لکھتے ہین۔

"انتظام اور اہتمام ہر دو عربی ہے لیکن انتظام، نظم، لڑی مین پرونے سے ہے اور بکھرے ہوے اجزا کو قاعدہ اور ضابطہ مین لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اہتمام، اہم، فکر سے اور انتظام کے انکار اور نگرانی پر دال ہے"

مترادف الفاظ کے متعلق آپنے تفصیلی بحث کی ہے لیکن سلسلۂ کلام مین اکثر آپ اپنے موضوع سے الگ ہو گئے ہین، شروع مین مترادف الفاظ کی تعریف پھر مرادف اور مترادف کا فرق بتایا ہے اسی سلسلہ مین غیر زبان کے ترجمون کی بحث چھیڑ دی ہے، میرے خیال مین ایک ہی زبان مین الفاظ باہم مترادف ہو سکتے ہین، دوسری زبان کے الفاظ ہم معنی تو ہونگے لیکن مترادف نہونگے اور اسی لیے ترجمہ کی بحث اس موضوع سے کسیقدر الگ ہے مترادف الفاظ کی مثالین آپنے خوب جمع کی ہین۔ اور اسی کے ساتھ کچھ نہ کچھ انکی تشریح بھی کی ہے ایک جگہ مرتبہ، درجہ، پایہ، کا فرق بتاتے ہین"

مرتبہ اصل مین ترتیب دینے سے پیدا ہوا، ترتیب مین مختلف زینے قایم ہو گئے۔ لیکن مرتبہ کا اطلاق بغیر کسی صفت اعلیٰ مرتبہ پر ہوتا ہے اب پھر کسی درجہ آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے کسی درجہ پر پہنچنا ظاہر کرتا ہے، کہ پہنچنے والے اپنی محنت لیاقت اور قابلیت سے مختلف مدارج طے کرکے کوئی درجہ حاصل کیا ہے،

پایہ، بنیاد پر مبنی ہے اسکی اصلیت ہی مین استحکام ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسکی ابتدا ہی مین بزرگی تھی، اتھاہ مین چھوٹے درجے سے بڑے درجہ پر پہونچنے کا خیال ضروری نہین۔"

اسی طرح آپنے اور بھی مثالین پیش کی ہین اگرچہ تاویل و تحقیق و بحث ہے لیکن اُردو مین بہت کم ان امتیازات کا خیال رکھا جاتا ہے، بعض مثالین آپنے ایسی بھی پیش کی ہین جو غالباً عام طور پر تسلیم نہ کیجائین گی۔ مثلاً تعلیم گاہ۔ مکتب، مدرسہ، دبستان کے متعلق آپ بتحریر فرماتے ہین کہ،

مکتب کا لفظ محدود ہے، وہ محض کتابت تک محدود کر دیا گیا ہے، موجودہ تعلیم مین لکھانا پڑھانا دونون شامل ہین اور مکتب لکھانے کے سوا اور کسی امر کا کفیل نہین،

مدرسہ درسگاہ ہے درسگاہ مین مشاقی مضمر ہے، مدرسہ تعلیم گاہ اور مکتب سے یقیناً اعلےٰ مرتبہ کی چیز ہے

مین سمجھتا ہون کہ تعلیم گاہ اور مدرسہ مین کوئی فرق نہین ہان مکتب کا مفہوم البتہ دوسرا ہے، مکتب اُسجگہ کو کہتے ہین جہان لڑکے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہین، آج سے چالیس پچاس برس پیشتر اُس مدرسہ کو مکتب کہتے تھے، جو عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کے لیے مخصوص ہوتا تھا کوئی مولوی صاحب کسی کے دروازے پر بیٹھ جاتے تھے۔ دو چار لڑکے جمع ہو گئے یہی مکتب بن گیا۔ اسی سلسلے مین مکتب کے نام سے ایک رسم بھی جاری تھی اور جسکو کہین مکتب اور کہین بسم اللہ کہا کرتے تھے، یہ ہر اُس لڑکے سے متعلق تھی جو پہلی پہل کتاب شروع کرتا تھا، بہرحال مکتب کا یہ مفہوم بالکل نیا ہے کہ وہ لکھنے کے لیے وقف ہوتا ہے،

"شبلی، شعل والا، لیکن اُردو مین آکر باورچی خانہ مین برتن صاف کرنے کی خدمت کے لئے مخصوص ہو گیا"

معلوم نہین جناب مولف نے، شبلی کا یہ استعمال کہانسے ڈھونڈھ نکالا، کہ غریب شعل دکھانے والا کو برتن مانجنے کی خدمت سپرد کر دی، انگلو انڈین حضرات کی سند نہین، اُنکے بنگلون پر برتن مانجنے والون کو شبلی کہتے ہین کہا کرین، لیکن اہل زبان تو اسے کبھی پسند نہین کر سکتے

ساقی کے متعلق آپکی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ

"عرب مین، ساقی پلانے والا تھا، عیش پرست ایران مین پہونچا تو اسکے بے راگ و رنگ کی محفلین کھل گئی مے نوشی اور مے فروشی سے پینا اور پلانا اسکی خصوصی خدمت ہو گئی، ہندوستان مین آیا تو یہان بھی وہی مجلسین وہی کارفرمائیان رہین مگر انقلاب زمانہ نے ہندوستان کی ان مجلسون کی گرمی ناداری کی ناگوار آب و ہوا مین آگ اور پانی کی کشمکش مین بدل دی، ساقی تو وہی رہا لیکن وہ شراب کی محفلین کہان بے چارہ صبح و شام سے سر بازار حقہ پلانے کے رذیل پیشہ کی تک و دو سے

اب اپنا پیٹ پالتا ہے۔

آپ نے ثبوت مین چودہری خوشی محمد صاحب کی ایک نظم پیش کی ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ایک ساقی سا لوزدہ ضعیف　　آکے حقہ مجھے پلانے لگا

مین کہتا ہون کہ ہندوستان کے اور شعرا کو لیجیے دیکھیے تو وہ ساقی کی کسقدر آؤ بھگت کرتے ہین، محفلین گرم ہوتی ہین، پیمانے پر پیمانے چلتے ہین، نوشا نوش کا شور برپا رہتا ہے لیکن انکی محفل مین بجائے پیمانے کے حقے کا دور کبھی نہ سنا ہان جائے والون کی دوکان پہ جہان چند افیمی جمع ہو جاتے ہین حقے کا دور ہوتا ہے، اور اسی دور کے لحاظ سے ممکن ہے کہ حقے پلانے والے افیمی کو ساقی کا خطاب دیدیا گیا ہو۔ اسمین شک نہین کہ ہندوستان مین یہ خطاب حقہ پلانے والے پیشہ ورون کو بھی عطا کر دیا گیا ہے مگر یہ غلط ہے، کہ اپنے اصلی معنون مین مستعمل نہین۔ سچ یہ ہے کہ ہندوستان آج بھی ساقی کی وہی شان خصوصی باقی ہے جو ایران مین تھی،

فطرتی کے متعلق تحریر فرماتے ہین،

"فطرتی خود ذات انسانی سے تسمر کا کفیل ہو رہا ہے اور قوم کے انحطاط اخلاقی کا ثبوت دے رہا ہے فطرتی کے معنی دہریہ کے ہین، اور اصلیت دیکھو تو فطرتی ہے"

جناب نے شاید نائے فرشت کو طا حطی سمجھکر دھوکا کھایا ہے اصل مین یہ فترت سے بنا ہے، فترت کے لغوی معنی سستی کے ہین اور دو پیغمبرون کے درمیان کے زمانے کو بھی کہتے ہین، ظاہر ہے کہ دوسرے پیغمبر کے مبعوث ہونے کی اُسیوقت ضرورت ہوتی ہے، جب قوم کے اخلاق خراب ہوتے ہین اور وہ ہوا و ہوس مین مبتلا ہو جاتی ہے، اسی نسبت سے فترتی بھی اوس شخص کو کہتے ہین جسکے اخلاق خراب ہون یا جسکی قوت ایمان سست یا کمزور ہو،

ایک جگہ آپنے غیر مستعمل الفاظ کے متعلق زور دیا ہے کہ لغت مین ہزارون الفاظ پڑے ہین اُسکو استعمال کرنا چاہیے اور وہ الفاظ جو متروک ہو چکے یا متروک ہو رہے ہین اُنکو قایم رکھنا چاہیے ورنہ ہمین دوسری زبانون سے استمداد کیضرورت ہوگی۔ یہ آپکی تحریر کا ملخص ہے، لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اسی کے ساتھ آپنے اُن الفاظ کیطرف بھی، توجہ فرمائی ہوتی جو اردو ادب کی دامن تہذیب پر بدنما

داغ کیصورت اختیار کرچکے ہین،

میری مراد اُن الفاظ سے ہے جو اُردو شاعری مین نہایت بیباکی سے استعمال کیے جاتے ہین حالانکہ وہ تہذیب شاعری کے دشمن ہین، آپ خود تسلیم کرچکے ہین کہ شاعر زبان کو آگے بڑھاتا ہے، اسلیے شاعری اور زبان لازم وملزوم ٹھہری، پس جو چیز شاعری کو پستی کیطرف لیجائیگی وہ زبان کو بلندی پر کبھی نہ پہونچا سکے گی،

مین مثال کے طور پر بوسہ، جوبن، وصل ہوغیرہ وغیرہ جیسون لفظ پیش کرسکتا ہون کاش آپ ان الفاظ سے ترک موالات کی تجویز پیش کرتے، یعنی یہ الفاظ بھی وہی صورت اختیار کرلیتے جو متروک الفاظ کی ہے، آپ یہ اعتراض کرسکتے ہین کہ آخر ان الفاظ کی قایمقامی کونسے الفاظ کرسکتے ہین۔ مین عرض کرونگا کہ قایمقامی کی کیا ضرورت ہے، کتنے لفظ ایسے ہین جو اردو مین ہین، مگر عام طور پر ان کا استعمال نہین ہوتا، خاص موقع ہو تو مضائقہ نہین خدارا اُردو ادب کے دامن سے یہ کانٹے نکالیے، زبان کے ذخیرہ مین امانتاً محفوظ رکھئے لیکن جزو شاعری نہ بنایئے۔

متروک الفاظ کے متعلق میرا خیال ہے کہ بعض تو دراصل بردستی ترک کردیئے گئے ہین، اور بعض کی معزولی حق بجانب ہے،

مثلاً رشک، اسکے بجائے ذرا، ہر حیثیت سے بہتر ہے۔

آنیان ہین جاتیان ہین، ایسی ترکیبین یقینی غیر فصیح ہین، انکے بجائے آتی ہین، جاتی ہین، فصیح بھی ہین اور صحیح بھی اس قسم کے الفاظ اور محاورے دراصل فنا ہوچکے اور اب ان کے زندہ ہونے کی ضرورت ہے اور نہ زندہ ہوسکتے ہین،

لیکن اسی قطع وبرید مین بعض ایسے لفظ کے گلے پر بھی چھری پھیر دی گئی ہے جسکی زندگی اُردو کے لیے اب بھی ویسی ہی ضروری ہے۔ جیسی پہلے تھی مثلاً، سُو، جو روزمرہ کی گفتگو مین اب بھی استعمال ہوتا رہتا ہے اور محل استعمال اسقدر عام ہے کہ زیادہ تشریح کیضرورت نہین،

دور آخر کے مستند شعراء کے کلام مین بھی یہ لفظ نظر آتا ہے اور موجودہ شعراء مین اکثر خوش فہم حضرات اسکا استعمال جائز سمجھتے ہین

جناب امیر مینائی فرماتے ہین۔

وہ بیکس ہون نہین ہے کوئی میرے غمگسار و نہین
فقط اک دل سو وہ بھی ہے تمہارے جانثار و نہین

جناب داغ مرحوم، ہمین زمانے مین بدنام تیری خو نے کیا
دلِ فریفتہ جو کچھ کیا سو تو نے کیا

حضرت احسن بھی، احسن نہ پوچھ قصۂ شبہائے آرزو
اک خواب تھا سو وہ بھی فراموش ہوگیا

ناظرین غور فرمائین کہ سو کے بجائے ان شعرون مین کونسا لفظ آسکتا ہے میری خیال مین اس لفظ کا وجود ضروری ہے،

مولانا حسرت موہانی، متروکات، کی پابندی بہت کم کرتے ہین، موصوف کا خیال ہے، کہ بعض متروکہ محاورے سلاست اور حلاوت کے اعتبار سے اب بھی اپنا جواب نہین رکھتے اس بیان کی تائید مین اردوے معلے کی گذشتہ جلدین، اور حسرت موہانی کا کلام پیش کیا جاسکتا ہے۔

خیر یہ بحث ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے، اور ہمارے موضوع سے کسیقدر الگ بھی ہے ہم اسے یہین ختم کئے دیتے ہین، امید ہے کہ احمد دین صاحب اس مفید سلسلے کو جاری رکھین گے۔

اردو زبان کو ایسے علم دوست، حضرات، اور ایسی مفید تصانیف کی بہت ضرورت ہے،

عبارت سلیس کتابت وطباعت دیدہ زیب حجم ۳۰۴ صفحہ، قیمت عہ

ملنے کا پتہ، احمد دین صاحب بی۔ اے۔ وکیل سہ

اسوۂ صحابیات

اس کتاب مین ان محترم خواتین کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، واقعات کا ذکر ہے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات روحانی سے بنفس نفیس بہرہ ور ہو چکی ہین، اور جنکا شمار عہد حضور کے اکابر صحابیات مین تھا،

اس کتاب کے مولف مولانا عبدالسلام صاحب ندوی ہین، کاغذ عمدہ کتابت وطباعت نفیس قیمت ۱۱ ٹائیٹل پر تحریر نہین، ملنے کا پتہ مسلم پرنٹنگ پریس اعظم گڈھ اعظمی

ممولا

سحر ہوتے ہی آ گئی تو ممولا — تجھے دیکھکر غنچۂ دل ہوا وا
مرے دل سے پوچھے کوئی تجھمین ہے کیا — تو صانع کی صنعت کا ہے اک نمونا
کہون کیا کہ مین تجھ مین کیا دیکھتا ہون
حقیقت مین شانِ خدا دیکھتا ہون
تو سردی کا پیغام ہے لانیوالی — نشانِ بروت ہے دکھلانیوالی
مسرت کے راگون کی ہے گانیوالی — رہِ خرمی سبکو بتلانیوالی
تجھے نغمۂ روح افزا کہون مین
کہ فرحت کا ننھا فرشتہ کہون مین
تجھے چلتا پھرتا کھلونا کہون مین — تجھے اچپلاہٹ کا پتلا کہون مین
کہ شوخی نزاکت کا عقدا کہون مین — اری چھوٹی چڑیا تجھے کیا کہون مین
ترا جسم ہے یا گھڑی کا ہے پرزا
کبھی ایکدم تجھکو تھکتے نہ دیکھا
کبھی پھرسے تو چھت پہ جا بیٹھتی ہے — کبھی کود کر نیچے آ بیٹھتی ہے
ہپٹ کر کبھی کیڑے کھا بیٹھتی ہے — تو نچلی نہین ایک جا بیٹھتی ہے
کبھی دم اٹھاتی ہے اور ناچتی ہے
کبھی پر پھلاتی ہے اور ناچتی ہے
ہلاتی ہے دم تو نچاتی ہے سر تو — کبھی بھاگتی ہے ادھر سے ادھر تو
کبھی دور ہو جاتی ہے کود کر تو — کبھی پاس آجاتی ہے بے خطر تو

نہ ڈر مجھسے بالکل اری چھوٹی چڑیا
مری گود مین آ کے تو گیت گا جا

محبت ہے تجھمین شرارت نہین ہے — تجھے حسن کے ساتھ نخوت نہین ہے
نزاکت ہے لیکن رعونت نہین ہے — کسی سے تجھے کچھ کدورت نہین ہے

ترے چلبلے پن مین بھی سادگی ہے
تری سادگی مین بھی شوخی بھری ہے

ترا دھیما دھیما ہے مسکراہٹ — حسینونکے آنکھون کی یاد ہے لگاوٹ
یہ ننھے سے اعضا یہ نازک بناوٹ — تری سادگی ہے غضب کی سجاوٹ

تو جادو کی پتلی ہے اے چھوٹی چڑیا
کہ حوروں کے بچون کی ہے ایک گڑیا

سمجھ مین نہین آتی تیری بناوٹ — ترا چلبلا پن تری اچپلاہٹ
بڑھاپے کا رعشہ ہے یہ تھرتھراہٹ — کہ جاڑے کے موسم کی ہے کپکپاہٹ

ہر اک دم ہر اک لحظہ جنبش ہے تجکو
کہ سر تا بپا آہ لرزش ہے تجکو

تجھے شوخیِ نوعروسان کہون مین — کہ چشمِ فسون سازِ فتان کہون مین
تلون مزاجیِ جانان کہون مین — دلِ مضطرِ عشق بازان کہون مین

تری چال برقِ تبسم ہے کس کی؟
اڑا لائی ہے تو بتا کس کی شوخی؟

سپیدی سیاہی ہے تجھمین نمایان — گرہ رات اور دن کی کیا تو ہے ایجان
کہ ہے عقدہ رشتہ کفر و ایمان — تجھے دیکھکر عقل ہے میری حیران

جو کھلجائے مجھپر تری کچھ حقیقت
تو ہو جائین افشا اسرارِ وحدت

یہ لو ایک اور آگئی پھر سے اڑکر — سمجھتی ہو شاید مرے باغ کو گھر

بلاتی ہے سر باتین کرتی ہین فرفر نہ بلی کا کھٹکا نہ شکرے کا ہے ڈر
یہ بیٹھی ہوئی میری تلسی کے نیچے
مگن ہو کے کرتی ہے کیا کیا تماشے

بھلا کر مرا غم لبھاتی ہے مجکو عجب ناز و غمزے دکھاتی ہین مجکو
کبھی ناچکر یہ رجھاتی ہین مجکو کبھی میٹھے نغمے سناتی ہین مجکو
مولائین ہو ہو کے خوش بولتی ہین
حسینون کی یا چوڑیان بج رہی ہین ؛

مرے گھر مین ہو آکے ہر روز مہمان کہ دلبستگی کا ہو تم ایک سامان
کبھی تم بڑھا دیتی ہو درد پنہان کبھی خود ہی بنجاتی ہو اسکا درمان
کبھی یاد آتا ہے دلدار تم سے
بہلتا کبھی ہے دلِ زار تم سے

مرے دردِ فرقت کی دم ساز تم ہو مرے سوزِ پنہان کی ہمراز تم ہو
کبھی میرے دلبر کی آواز تم ہو کبھی شوخی و ناز و انداز تم ہو
مرے واسطے مایۂ زندگی ہو
چھلکتا ہوا ساغرِ بیخودی ہو

مگن ہو کے تم نے ستارا اپنا چھیڑا دلِ زار مین ہو گئی ٹیس پیدا
شرارِ محبت کچھ ایسا ہے چمکا کہ جانِ حزین سے نہین ضبط ہوتا
چلے آتے ہین اشک آنکھو نمین امنڈے
کسی سے مرا حالِ دل جا کے کہدے

تڑپ اپنی دکھلا کے کہتا کہ یون ہے جھکانا ذرا سر کہ یون سرنگون ہے
ترقی پہ وحشت ہے جوشِ جنون ہے جدائی سے دل سر بسر اشکبار ہے
وہ میری ہی صورت تڑپتا ہے ہر دم
جگر سوزِ فرقت سے جلتا ہے ہر دم"

لگی ہے ترے کس کے غم کی کٹاری رگ و پے مین کسکی محبت ہے ساری
یہ کس کے لیے ہے تجھے بیقراری تو پھرتی ہے کھوا سطے ماری ماری

تری جان کسکے لیے وقفِ غم ہے
ترا نغمۂ درد و فرقت ستم ہے

ترے دلمین کیا شے ہے نشتر چلاتی نہین کل سے جو بیٹھنے تو ہے پاتی
یہ کس آگ سے تیری جلتی ہے چھاتی کہ شعلے سے ہر دم ہے تو تھرتھراتی

بتا دے مجھے تیرا غمخوار ہون مین
دل آشفتگان کا پرستار ہون مین

تو اک لہر کی طرح اُٹھ کر چلی ہے اُٹھی پھر گری پھر اُٹھی پھر گری ہے
یہ زیر و بم سازِ دیوانگی ہے نشیب و فراز رہِ عاشقی ہے

یہ بحرِ غم عشق کا جزر و مد ہے
تو اک قلزم جوشش حب صمد ہے

مجھے ایک تار اپنی الفت کا دیدے مجھے تو ستار اپنی الفت کا دیدے
مجھے اک شرار اپنی الفت کا دیدے مجھے اضطرار اپنی الفت کا دیدے

محبت کے نغمون سے پُر ساز دل ہو
بھری سوز الفت سے آواز دل ہو

نوید بسنت آج لایا پپیہا جو ایام عشرت کا ہے پیش خیما
دلون مین ہوئے شوق و ارمان پیدا ترا دل بھی یاد وطن سے بھر آیا

یہ لو اڑ گئی پھر سے تو بیٹھے بیٹھے
وطن مین اگی تجھے شاد رکھے

شام موہن لال جگر۔ بی۔ اے

آزادیٔ ہند

ہے ہند گرفتارِ غم و رنج و محن وائے — اے وائے وطن وائے
خدّامِ وطن کے لیے ہے دار و رسن وائے — اے وائے وطن وائے
کل تک تھے جو زینتدۂ ہر باغ و گلستان — گل جنہ پہ تھے نازان
رونے ہوئے ہین آج وہ گلہائے چمن وائے — اے وائے وطن وائے
جسجا کہ رہا کرتا تھا اک شورِ عنادل — خالی ہے وہ منزل
ہین آج مگر جمع وہان زاغ و زغن وائے — اے وائے وطن وائے
کسطرح مفادِ وطن و غیر حکومت — ہے جن مین عداوت
ہو سکتے ہین یکجا مگر ارباب وطن وائے — اے وائے وطن وائے
تم ترکِ موالات کے قائل ہو نہ عامل — پھر باتون سے حاصل
ہین خندہ زن اب ہم پہ سب اقوامِ زمن وائے — اے وائے وطن وائے
ہے مُردہ تنِ قوم مین کیا جان بتاؤ — ہان نبض دکھاؤ
لاریب یہ اک نعش ہے بے گور و کفن وائے — اے وائے وطن وائے
ہندو ہو کہ مسلم نہین دونون مین محبت — ہے بلکہ عداوت
آزادیٔ ہند آج ہے بے معنیٔ سخن وائے — اے وائے وطن وائے
افسوس کہ آپس مین کیا تفرقہ پیدا — جھگڑے ہوئے برپا
ہے زور پہ اس ملک مین اک سیلِ فتن وائے — اے وائے وطن وائے
اک آگ عداوت کی ہر سینہ مین فروزان — سب اہلِ وطن ہین سوزان
پنجاب ہو یوپی ہو کہ بنگال و دکن وائے — اے وائے وطن وائے

کل تک تو حکومت کے مقابل تھی تصوف آرا — اب خود ہو دو پارا
کل اور تھا، ہے آج یہ شیوہ چلن وائے — اے وائے وطن وائے
خود مطلبی و نفس پرستی مین ہو سرشار — کیا جانو تم ایثار
پامال اجانب ہوئے سب سرو و سمن وائے — اے وائے وطن وائے
تم زندہ رہو گر لرزین با سہد گر اعضا! — ممکن نہین ایسا
دیتا ہے سبق صلح کا ہر عضو بدن، وائے — اے وائے وطن وائے
اس شرط سے ہر دشت وطن باغ عدن ہو — آزاد وطن ہو
ہو خاک وطن ہمکو بہ از مشک ختن وائے — اے وائے وطن وائے
تنہا یہی رونا ہے کہ ہم تنگ نظر ہین — بے راہ و بے شر ہین
اور منزل آزادی ملت ہے کٹھن وائے — اے وائے وطن وائے

محمد یحییٰ تنہا بی۔ اے

جناب ذکی کہوچھوی

نہ مین سوز ہون نہ مین ساز ہون نہ مین کیف ہون نہ خمار ہون
نہ مین وقف بزم سرور ہون نہ مین شمع ہون نہ شرار ہون
کوئی آکے مجھکو مٹائے کیون کوئی آکی خاک اڑائے کیون
نہ تو مین کسی مزار ہون نہ کسیکے دل کا غبار ہون
مجھے آرزوئے ارم نہین مجھے شوق طوف حرم نہین
مین فریب خورۂ حسن ہون مین فدائے شوخی یار ہون
مری بیکسی کا ہے یہ اثر کہ مجھے کسی سے غرض نہین
مین خود اپنے درد کی ہون دوا مین خود اپنے دل کا قرار ہون
میرا نطق مظہر حسن ہے مرا شعر جوہر حسن ہے
مجھے اپنا عشق ہے اے ذکی مین خود اپنا عاشق زار ہون

کلام فراق

گو ہوں غریق بحرِ غم ابھر و نگاہِ فلک نگر
ہاتھ تو بڑھنے دے اِدھر تو مرے دستگیر کے

پچھلے پہر کو ساقیا دینا ترا پیالہ بھر
گردشِ چرخ کیا دکھائے دور ہیں یہ اخیر کے

یہ تری زلفِ سیہ یہ تری مستی بھری آنکھ
کیسے کہدوں کہ کوئی دشمنِ ایمان نہ ہوا

دار پر سے بھی انا الحق کی صدا اے منصور
ہائے وہ دردِ جو شرمندۂ درمان نہ ہوا

اب کے بھی بن ہی گئے فراق کٹ گئے دن بہار کے
سینے میں پڑ کے رہ گئے داغ فراقِ یار کے

دشتِ عدم تک اے جنوں ہو نہ خنک مقام کی دم میں آب
دینے اجل کو دے دیا جامۂ تن اُتار کے

نگاہ ہو نہیں ہے شوخیِ لب پہ ہلکا سا تبسم ہے
کہانی سُن رہے ہیں وہ کسی دکھتے ہوئے دل کی

ہوائے دہر بوئے درد سے مملو ہے کیوں یارب
یہ دنیا موجِ تو کوئی نہیں ہے نکہتِ دل کی

ہوائے کوئے جانان تو نے مجھے پھیر لیں نکہتیں
خبر لاتی تھی تو اکثر مرے کوئے ہوئے دل کی

رو آئے گلے ملکر دشمن ہی سے کیا کرتے
حیف اور نہیں کوئی غمخوار نظر آیا

غش کھا کے گرے موسیٰ اللہ رے مایوسی
ہلکا سا وہ پردہ بھی دیوار نظر آیا

رگھوپت سہائے فراق

علمی خبرین

سلطان العلوم شہریار دکن (خلد اللہ ملکہ) کو اُردو سے جو خاص محبت ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، آپ خود بھی اُردو زبان کے ایک نازکخیال ادیب و نکتہ سنج شاعر ہین۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے قلمرو مین اُردو کی ترویج کے ساتھ ساتھ، شعرا و ادبا، کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی رہتی ہے،

عثمانیہ یونیورسٹی نے، ۱۲ ربیع الاول کو حضور معدوح کی خدمت مین سلطان العلوم کی ڈگری پیش کی، اعلیحضرت نے شعرا کو بھی باریابی کا شرف بخشا۔ یہ آپ کے اس سچے خلوص اور ادب نوازی کا ثبوت ہے۔ جو اردو کی تاریخ مین آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

زمانہ بحیثیت ایک ادبی خادم کے مبارکباد پیش کرتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کے اقبال و دولت کی طرح آپ کا علمی و ادبی شغف بھی بڑھتا رہے،

اس خوشی مین ہمارے دوست جناب احسن مجیبی ناظم حلقہ ادبیہ کانپور نے بھی بحیثیت ایک خادم اُردو کے ایک قطعہ لکھا ہے جسکو ہم دلی خلوص کے ساتھ حضور نظام کی خدمت مین پیش کرتے ہین۔

میر عثمان علیخان خسرو ملک دکن — آپ ہین روح ادب اور آپ ہین جان علوم
آپکا اقبال فرخ فال ہے اُردو نواز — قلب روشن آپکا ہے مرتبہ دان علوم
ہو مبارک مژدۂ تعمیر قصر جامعہ — آج گویا پڑ گئی بنیاد ایوان علوم
فی الحقیقت مخزن علم و ہنر ہے جامعہ — اللہ اللہ حیدرآباد آج ہی کان علوم
قوت اقبال عثمانی کا ہے یہ معجزہ — گھٹ گیا زور جہالت بڑھ گئی شان علوم
ہون مبارک ابر نیسان کو گہر افشانیان — جامعہ تجھکو مبارک ہو یہ باران علوم
حضرت عثمان سلامت اور انکا ذوق علم — حشر تک قایم رہے یہ ساز و سامان علوم
آپ دنیا مین رہین ممدوح دنیا ادب — سایہ افگن سر پہ ہو ہر وقت دامان علوم
احسن خلوت گزین ہے اک گدائے بینوا — آپ شاہنشاہ اُردو، آپ سلطان علوم

ایک راز کی حیثیت سے دل بین محفوظ رہا ہزار ہزار شکر قادر مطلق کا ہے کہ ہزارہا مشکلات اور طرح طرح کی دشواریون کے باوجود زمانہ اپنی ادبی خدمات کے بیس سال پورے کر چکا۔ اس مدت کے دوران مین تائید غیبی کے ساتھ ساتھ صدہا علم دوست احباب کی امداد شامل حال رہی۔ قلمی معاونین کے فیاضانہ اعانت کے بغیر رسالہ کا ایک نمبر بھی مرتب نہ ہو سکتا تھا۔ ان معاونین مین بیسون اصحاب آج اس دنیا مین ہماری شکر گذاری قبول کرنے کو موجود بھی نہین ہین بیسون احباب جو پیشتر زمانہ کی ادبی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے اب اس سے زیادہ فائدہ بخش مشاغل مین مصروف ہین مگر ان سب کا احسان کارکنان زمانہ کے گردن پر ہے اور وہ اس بار گران سے سبکدوش نہین ہو سکتے ان حضرات ہی کی امداد سے رسالہ اپنے موجودہ درجہ پر پہونچا ہے جو احباب اب اسکی قلمی اعانت اپنے ذمہ لیے ہوئے ہین وہ بلاشک ملک کی ایک اہم خدمت کر رہے ہین۔ آج جب ملک مین سیاسی جوش کی ہر طرف ترقی ہے خواہ اس خدمت پر تحسین و مرحبا کے نعرے بلند نہ ہون لیکن موجودہ شورش ختم ہونے اور ملک کی پولیٹیکل حیثیت قائم ہونے پر اس خدمت کی داد دیجائیگی۔ اور موجودہ اردو خوان جماعت کے بعد آنے والی نسلین معاونین کارکنان زمانہ کے ادبی خدمات کی

بہرحال کچھ ہو قدردانی ہو یا نہ ہو کارپردازان زمانہ کو صرف اپنے ادائے فرض کا خیال رکھنا چاہیئے۔ دوسرون کا فرض ان کے ساتھ کیا ہے۔ یہ سوچنا ان کا کام نہین۔ ہان ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ کہ اب تک یہ خدمت اوٹیر زمانہ کے لیے ایک عہد کی تکمیل تھی جو اب بفضلہ پورا ہو گیا۔ خدا کرے آیندہ جب یہ خدمت اختیاری ہو گئی ہے۔ زمانہ اس سے بھی زیادہ استقلال اور اولوالعزمی کا ثبوت دے سکے۔ اور اسکی آیندہ خدمات اسکے گذشتہ کارنامون سے بھی زیادہ شاندار ثابت ہون۔

اطلاع ضروری

جنوری آیندہ سے رسالہ زمانہ کی زندگی کا اکیسوان سال شروع ہوتا ہے۔ جن صاحبون کا حساب آغاز سال سے شروع ہوتا ہے انکا حساب دسمبر نمبر کے ساتھ بہت جلد ناظرین کی خدمت مین پہونچ جائیگا، ختم ہو جائے گا۔ آیندہ سال کی قیمت یا تو ۵ جنوری ۱۹۲۴ء تک بذریعہ منی آڈر بھیجدی جائے ورنہ جنوری کا رسالہ جنوری ۱۹۲۴ء کو بذریعہ قیمت طلب پارسل ارسال خدمت ہو گا۔ جن صاحبون کو آیندہ خریداری منظور نہو وہ مہربانی پیشتر سے مطلع فرما دین تاکہ وہ خود قیمت طلب پیکٹ کے واپسی کی زحمت اور دفتر مزید نقصان سے محفوظ رہے۔

منیجر زمانہ

اسی طرح سے اسکا اختتام اخوتِ انسانی کے اعلان پر ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونون حقیقتین لازم و ملزوم ہین۔ موخر الذکر حقیقت قبل الذکر ہی مین مضمر ہے۔ اگرچہ دنیا مین ایک ہی زندگی پائی جاتی ہے تاہم اسکے معنی یہ ہین کہ خواہ اسکی کوئی بھی شکل کیون نہ ہو تمام شکلین ایک ہی جسم ہین اور جو زندگی ان سب مین حلول کئے ہوئے ہے وہ خدائی زندگی ہے۔

جس طرح سے جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف دینے سے تمام جسم کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اسطرح سے بنی نوع انسان کی جماعت کے ایک فرد کو تکلیف دینا گویا تمام نسل کو تکلیف دینا ہے۔ کوئی شخص اپنے تئین اس گہرے اتحاد سے علیحدہ نہین کرسکتا۔ نہ تو کوئی شخص علیحدہ ہوسکتا ہے۔ اور نہ علیحدہ ہوکر زندگی بسر کرسکتا ہے۔ انسانی خاندان مین پیدا ہونے کی وجہ سے ہم اسی مین رہنے پر مجبور ہین۔ عالمگیر مذہب و اخلاق کی مولفہ رفطرا زہین کہ اخوتِ انسانی ایک فطری حقیقت ہے اور اس سے کسی طرح کا مفر نہین۔ جسطرح سے تمام مذاہب بلا استثنا خدا کو خالق کا خالق اور سرچشمہ سمجھتے ہین۔ اسی طرح سے وہ اسکی ربوبیت کے بھی قائل ہین۔ اگر ہمارا خیال صحیح ہے اور بلاشبہ وہ صحیح ہے تو پھر اس عقیدہ سے ہم جس واحد نتیجہ پر پہنچتے ہین وہ یہ ہے کہ تمام آدمی خدا کی نظر مین یکسان ہین جیسا کہ سری کرشن جی فرماتے ہین کہ مین تمام مخلوق کو یکسان دیکھتا ہون مجھ کو کسی سے محبت ہے نہ عداوت لوگ خشوع اور خضوع سے میری عبادت کرتے ہین وہ مجھ مین حلول کر جاتے ہین اور مین ان مین۔ اخوتِ انسانی ربوبیت خداوندی کا لازمی نتیجہ ہے۔ بنی نوع کی ابتدا ایک ہی ہے اور ان مین صرف ظاہری صورت، خدوخال اور مزاج کا فرق ہے۔ ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی مشترکہ ابتدا اور مشترکہ مستقبل سے منکر نہین ہوسکتے۔ بعض اشخاص کہدیتے ہین کہ مذاہب خواہ کچھ ہی ہون ان مین اخوت کے جذبات نہین پائے جاتے اور بدقسمتی سے یہ سچ بھی ہے اسلیے کہ اگر ہم قریب ترین گذرے ہوئے زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کرین گے تو اسمین ہمین بہت ہی کم اخوت نظر آئیگی۔ مذہبی لڑائیان سب سے زیادہ خونریزی کا باعث رہی ہین اور مذہبی مظالم ہی خوفناک سفاکی کا ذریعہ ہوے ہین۔ صلیبی جنگین، مذہبی اقرار گاہین۔ الغرض ہر قسم کے خوفناک واقعات نے مذہبی لڑائیون کی تاریخ کو خون اور آنسوؤن سے بدنما بنا دیا ہے۔ ہم یہ بات بالکل فراموش کر جاتے ہین کہ ہر مذہب خدائے عزوجل کے مقدس نام کا صرف ایک حرف ظاہر کرتا ہے۔ خدائے برتر اسقدر بڑا ہے، اسقدر ناقابل فہم ہے کہ کسی، احد شخص کا دماغ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیون نہو اور کسی شخص کا مذہب خواہ وہ کتنا ہی مکمل کیون نہو اسکی انتہائی نکتہ تک

رسائی نہین پا سکتا۔

دنیا کے مذاہب کا مقصد قلب انسانی کو پاک وصاف کرنا اور اسے خدائے تعالےٰ کے قریب لانا ہے۔ لیکن لوگ عدم اعتنائی کے باعث اپنے اپنے مذہب کا مطالعہ نہین کرتے یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے خلاف کرتے ہین۔ مین دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ دنیا مین کوئی مذہب ایسا نہین جسنے اخوت انسانی کے خلاف تلقین کی ہو۔ مین اپنے اس بیان کے ثبوت مین دنیا کے مختلف مذاہب کی کتب مقدسہ سے بعض اقتباسات پیش کرنے کی جرارت کرتا ہون:

دنیا کا قدیم ترین مذہب ہندؤن کا ہے۔ اس مذہب کی جملہ کتب مقدسہ مین واضح طور پر اخوت انسانی کا ذکر موجود ہے۔ بھگوت گیتا کے چھٹے باب مین ہمین ذیل کے زور دار الفاظ ملتے ہین "جو شخص بے غرض ہوکر احباب دوستون اور دشمنون، اجنبیون، غیر جانبدارون غیر ملکیون اور رشتہ دارون کے ساتھ پیش آتا ہے نیز نیکون اور بدون کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک روا رکھتا ہے وہ بہت اچھا ہے" اسی کتاب کے تیسرے باب مین حسب ذیل الفاظ موجود ہین! "دنیا کی بھلائی کا خیال کرکے تجھے عمل کرنا چاہیے۔ اے فیند پر غالب آنے والے! مین وہ ہون جو تمام مخلوق کے دلون مین جاگزین ہے" اس قسم کے اور بھی بہت سے اشلوک ہین۔

منوسمرتی مین لکھا ہے "کہ جو شخص تمام مخلوق کے ساتھ دوستی رکھتا ہے۔ اسی کا نام برہمن ہے۔ جو شخص تمام مخلوق مین اپنے چشم بصیرت کے ذریعہ ایک ہی زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے وہ سب کو برابر سمجھتا ہے اور برہمنیت کے اعلےٰ منازل پر فائز ہوجاتا ہے"

کینھ اُپنشد (باب ۵۔ آیت ۱۰) مین لکھا ہے کہ "عالمگیر وجود مطلق ہی جو سب کے دلون مین جاگزین ہے، وہی ہر مخلوق مین جلوہ افروز ہے"

ایشو اپنشد مین ہمین ذیل کے الفاظ ملتے ہین! جو شخص تمام مخلوق کا اپنے دل مین مشاہدہ کرتا ہے اور اپنا دل تمام مخلوق مین پاتا ہے، وہ کسی سے نفرت نہین رکھتا"

مہابھارت کی شانتی پرب مین ذیل کی آیت نہایت معنی خیز ہے "جو شخص تمام مخلوق کا دوست ہے، جو شخص قول وفعل اور خیال مین سبکی بھلائی چاہتا ہے۔ صرف وہی مذہب کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے"

وشنو پران کی عبارت ملاحظہ ہو! یہ جانتے ہوئے کہ خدائے تعالےٰ مخلوق مین حلول کر چکا ہے عقلمند آدمی تمام مخلوق سے بغیر کسی امتیاز کے محبت کرتا ہے"

ہندو مذہب کے بعد بلحاظ ترتیب و قدامت زردشتی مذہب کا شمار ہوتا ہے۔ پیت پیغمبر مین مذکور ہے۔ "اگر مین نے اپنے باپ۔ اپنی ماں، بہن، بھائی بیوی! بچون کے ساتھ، اپنے گورو، اپنے قریبی رشتہ دار کے ساتھ اور اپنے واقف کارون کے ساتھ، اپنے شہر والون اور ملازمین کے ساتھ قانون یا اخوت انسانی کے خلاف کوئی گناہ کیا ہو۔ تو مین معافی چاہتا ہون اور عذر خواہ ہوتا ہون"

بدھ مذہب

دھم پد مین بدھ مذہب کے پیرؤن کو حسب ذیل تلقین کی گئی ہے۔ "تو پھر ہمین آرام کے ساتھ رہنا چاہیے اور جو لوگ ہمسے نفرت رکھتے ہین ان کے ساتھ نفرت نہین رکھنی چاہئے۔ لوگون مین سے جو ہمسے نفرت کرتے ہین۔ ان سے پیش آتے وقت ہمین اپنے دلون سے نفرت کا جذبہ نکالدینا چاہیے" متیاسوتا کے ساتوین اور آٹھوین باب مین ہم پڑھتے ہین۔ "اور اسے (یعنے ہر شخص کو) چاہیے کہ دنیا مین سب کے ساتھ بھلائی کرنے اور اسے چاہیے کہ اپنے دل مین لامحدود محبت رکھے۔ نیچے اوپر اور گرد و پیش سب کے ساتھ۔ اور چاہیے کہ اسمین کسی تنگ خیالی یا نفرت یا بغض کو دخل نہو"

عیسائیت

"ایک ہی ذات تمہاری مالک ہے حتی کہ مسیح بھی ایک ہی ہے اور تم سب کے سب بھائی بھائی ہو" (متی۔ باب ۲۳۔ آیت ۸)

"خدا تعالےٰ نے دنیا کی تمام اقوام کو ایک ہی خون سے بنایا ہے..... تاکہ وہ سب روئے زمین پر بسین اور زندگی بسر کرین۔ ہم خدا تعالےٰ کے بچے ہین" (اعمال۔ باب ۱۲۔ آیات ۲۶/۲۵ و ۲۹)

"دنیا مین نہ کوئی یہودی ہے اور نہ عیسائی۔ نہ کوئی غلام ہے اور نہ آزاد۔ نہ کوئی مذکر ہے اور نہ مونث کیونکہ تم سب یسوع مسیح مین ایک ہوگئے ہو" (گلیتھس ۳۔ ۲۸ کا تو مینس ۳)

"تمام بھائیون کو امن سے رہنا چاہیے" (رافیز مینس باب ۴ آیت ۴)

اسلام

قرآن شریف ارشاد فرماتا ہے کہ "اپنے والدین سے اپنے رشتہ دارون، یتیمون، غریبون، اور ہمسایون سے خواہ وہ ناتے کے ہون یا اجنبی، ان سب سے مہربانی کے ساتھ پیش آؤ۔ راہگیرون اور غلامون سے بھی نیک سلوک کرو۔ یتیمون کو دکھ مت دو اور سائل کو مت جھڑکو۔

رسول مقبول (ص) فرماتے ہین کہ "کوئی شخص اسوقت تک مومن نہین ہوسکتا جبتک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے۔ جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے"۔ "جو شخص خدا تعالےٰ کی مخلوق اور خود اپنے بچون پر مہربانی نہین کرتا۔ خدا تعالےٰ اسپر اپنی رحمت نازل نہین کریگا"۔ "خدا تعالیٰ سب سے زیادہ کس شخص سے خوش ہے؟ اللہ تعالےٰ اس شخص سے بہت زیادہ خوش ہے جس سے اسکی مخلوق کو فائدہ پہنچے"۔ "خدا کی تمام مخلوق اسکا خاندان ہے اور وہ شخص خدا کا محبوب ہے جو خدا کے بندون کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ "بھوکون کو کھانا کھلاؤ اور بیمارون کی تیمارداری کرو اور اگر کوئی شخص ناحق قید ہوگیا ہو تو اسکی آزادی واپس دلاؤ۔ مظلوم کی مدد کرو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم"۔ خدا تعالےٰ انہین حکم دیتا ہے کہ عورتون سے اچھا سلوک کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری مائین۔ بیٹیان اور بہو بیان ہین"۔ "کیا اگر تم اپنے خالق سے محبت رکھتے ہو؟ تو پہلے بنی نوع سے محبت کرو"۔

ان اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے بڑے مذاہب مین سے کوئی مذہب ایسا نہین ہے جس نے غیر برادرانہ سلوک روا رکھنے کی تلقین کی ہو۔ یا تعصب یا ظلم کی اجازت دی ہو۔

اگر کبھی مذہب کے پیرؤن نے اپنے بھائیون کے خلاف کوئی کام کیا ہے تو اسکا الزام ان پر عائد ہوتا ہے نہ کہ اس مذہب پر جسکے وہ نام لیوا ہین۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ مذہب کے پاکیزہ حقائق کو یا تو سرے سے سمجھا ہی نہین گیا یا انکا مفہوم بدل دیا گیا ہے اور اسوجہ سے ایمان والون مین فتنہ و فساد برپا ہوتے رہے ہین۔

اگر انسان اتحاد کا مشترکہ مطمح نظر بالعموم تسلیم کرلیا جائیگا اور دنیا کی شائستہ اقوام اسے منظور کرلینگی تو وہ انسانیت، نیکی اور رفاہ عام کے نام سے ان اقوام کی جانب دست اعانت بڑھائے گی جو اس سے کمزور تر ہین۔ جو ان سے کم تعلیم یافتہ اور بدقسمت ہین اور مقابلتہً پست حالت مین ہین۔ اسوقت ان کے دل مین قومی تعصب کا جذبہ پیدا نہین ہوگا اور نہ وہ قومی رعب

قومی طاقت اور قومی شان و شوکت کے فرسودہ اور پارینہ اصول کی رہنمائی قبول کرینگی بلکہ اسوقت وہ انسانی اتحاد اقوام کے اتحاد کے اعلےٰ اور شاندار مطمح نظر پر چلینگی اور سچائی و انصاف کی حمایت کو غرور کا کام سمجھنے کے بجائے وہ اسے باعث فخر سمجھینگی اور ان لوگون کی امداد کے لیے تڑپینگی جو مصیبت مین مبتلا ہین جو پستی مین پڑے ہوئے ہین -

انسانی اتحاد کے مطمح نظر پر دانشمندانہ طریقہ سے عمل کرنیکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم عورتون اور اچھوت جماعتون (جنھین مین اچھوت نہین مظلوم کہونگا) کی ترقی کیلئے ہمدردانہ کوشش کرنے لگینگے ،

انھی اصولون پر ہر ایسی لڑائی کا خاتمہ ہو جانا چاہیے جو مطمع خود غرضی اور خوف پر مبنی ہون -

شائستہ اشخاص کی نظرون مین جنگ اور خونریزی کا خیال قطعی طور پر مذموم قرار پایا جانا چاہئے اسلیے کہ وہ اپنے پاکیزہ جذبات کی بنیاد سچائی ، انصاف اور انسانیت جیسی دائمی سچائیون پر رکھتے ہین حقیقی معنون مین ایک سچی اور شائستہ سوسائٹی کے لیے اپنی اعلےٰ ترقی یافتہ حالت مین جہان لوگ عقل کو شمع ہدایت بناتے ہون اور گذشتہ انسانی تجربہ کی روشنی مین اپنے کامون کو انجام دیتے ہین - سنجیدہ سیاسی مسائل کا تصفیہ جنگ و جدل کے بدلے کرنے کا خیال وحشت اور درندگی سے کم نہین اسلیے کہ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جو لوگ ایسے خیالات کے پیدا کرنے مین معاون ہوتے ہین وہ اخلاقی تنزل کی کسقدر پست حالت مین ہین - اپنی حالات کا خیال کرتے ہوے کنیت نے یورپ کے جنگ عظیم سے بہت پیشتر یہ بات کہدی تھی کہ ہم ایک ایسے درجہ تک شائستہ ہوگئے ہین کہ خود ہماری شائستگی ہمارے لئے بار بن گئی ہے لیکن اس سے پیشتر کہ خود ہماری اصلاح ہو ہمین ابھی بہت سا کام انجام دینا ہے شاپن ہاور نے بھی اگرچہ اس قسم کا خیال ظاہر کیا ہے لیکن اس سے کہین زیادہ زوردار الفاظ استعمال کیے ہین وہ کہتا ہے کہ "جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، بنی نوع انسان نے سوائے اخلاق کے باقی ہر بات مین ترقی کر لی ہے"

دنیا کے بعض بڑے بڑے حکما ، مثلاً نارمن انجل نے اپنی کتاب "دی گریٹ ایل یوژن" مین کرسٹی آن کالنز نے "دی وار اگینسٹ وار" مین اور ہال رچرڈ نے "ٹو دی نیشنز" مین یہ امر اچھی طرح سے ظاہر کر دیا ہے کہ اقتصادی اور اخلاقی بنا پر جنگ کے جواز کو ثابت نہین کیا جا سکتا - صرف وہی شخص اپنے دل مین جنگ کے نہایت تباہ کن نتائج کی بھیانک تصویر کھینچنے سے یا اسکا تصور کرنے سے باز

رہ سکے گا۔ جسے قدرت نے تخیل جیسی نعمت عطا نہین کی ہے۔ عارضی جنون کیحالت مین (اور جنگ جیسے مجرمانہ اور غیر شریفانہ خیال کے لیے اس سے زیادہ موزون لفظ اور کوئی نہین ہوسکتا) متخاصم اقوام خوفناک جنگ مین مبتلا ہوجاتی ہین اور اسطرح سے ایک دوسرے کو عظیم الشان نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہین ایسا نقصان جسکی کوئی تلافی نہین کی جاسکتی۔

کہا جاتا ہے کہ افراد قوم زندگی سے تلخ تجربے سیکھتے ہین اور اس طرح سے اپنے معاملات مین زیادہ عقلمند ہوجاتے ہین کاش زندگی کے بڑے بڑے معاملات مین بھی یہ اصول قائم رہتا! کیا ہمارے زمانہ کی مغربی اقوام جو اپنے علمی کارنامون اور اعلےٰ تہذیب پر فخر کرتی ہین۔ دنیا کی تاریخ سے جسکے صفحات خون سے رنگین ہین۔ واقف نہین ہین؟ کیا ماضی کا علم اس لیے کافی نہین تھا کہ انہین تباہ کن کارروائیان کرنے سے باز رکھے؟ کیا تجربہ سے انہون نے فائدہ اٹھایا ہے؟ کیا یہ ممکن تھا کہ یہ اپنے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرنے کی غرض سے کوئی بے ضرر اور شائستہ طریقہ ایجاد کرتین اور اسطرح سے اپنے اُن مسائل کا فیصلہ کرلیا کرین جو بالعموم باہمی جنگ و جدل کا باعث ہوا کرتے ہین۔

جنگ کے اصلی اسباب ایسے خیالات، محسوسات اور افعال ہوا کرتے ہین جو خوت انسانی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ انکاری ہوتے ہین۔

جبتک مرد اور عورت کے درمیان موجود عدم مساوات کے اسباب باقی ہین۔ اسوقت تک بہت سی معاشرتی اور اقتصادی ناانصافیان برابر قایم رہین گی۔ ہمارے سامنے یہ جدید خیال پیش کیا گیا ہے کہ "عورت مرد سے کم نہین ہے" یہ کہنا ٹھیک نہین کہ مرد تو خدا کے لیے زندہ ہے اور عورت صرف مرد کے لئے" ہندوستان مین عورت سے توقع کیجاتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کو "دیوتا" سمجھے لیکن خاوند کا بھی فرض ہے کہ وہ بیوی کو دیوی سمجھے اور اسلیے کہ ہم مرد اور عورت دونون مین خدائی نور پاتے ہین عورت کے متعلق اس جدید پوزیشن کے باعث ہر قوم مین وسیع اور فوری تبدیلیان عمل مین آرہی ہین اور عورتون کو بھی اب مردون کے ساتھ ساتھ تمام جدوجہد حتی کہ سیاسی مشاغل مین بھی شامل کیا جارہا ہے۔

اسکے صدد | لفظ بھائی کا وجود ہی عدم مساوات کا مظہر ہے اگرچہ ایک باپ کے بیٹے عمر۔ ذہنی قوی اور اخلاقی قوت، قد، ڈیل ڈول، رنگ، خدوخال اور شباہت مین ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہین تاہم وہ ایک ہی والدین کے بچے ہین۔ اور اسلیے وہ ان کی جائداد مین حصہ لینے کا مساوی حق رکھتے ہین بعینہ اسیطرح ہم سب آپسمین بھائی بھائی ہین کیونکہ ہماری ابتدا اور انتہا یکسان ہے اور نشوونما اور ترقی کے ایک ہی قانون قدرت کے ماتحت ہم زندگی بسر کرتے ہین۔

دنیا کی مختلف زبان، ملک، نسل، رنگ، مذاق، ذہنی قوی اور رجحان طبیعت کی بنا پر مختلف گروہون مین منقسم ہین اور اخلاقی اور ذہنی نشونما کے مختلف مدارج پر فائز ہین اسلیے کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف ادورون مین شاہراہ ترقی پر گامزن ہوئے تھے۔ یہ سب مختلف ارتقائی لہرون کا نتیجہ ہین اسلیے قدرتی طور پر انھین عمر، قد، اخلاقی حالت اور جسمانی خدوخال مین ایک دوسرے سے مختلف ہونا چاہیے لیکن یہ اختلافات محض ظاہری ہین اور اس بنا پر بالکل فروعی ہین۔ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو وہ بہت زیادہ اہمیت نہین رکھتے۔ یہ محض اتفاقی امر ہے کہ ایک شخص کسی خاص آب وہوا یا ملک مین پیدا ہوتا ہے گورا یا کالا رنگ رکھتا ہے کیا اس سے انسان کی بنیادی ساخت یا اخلاقی قوت مین کوئی فرق پیدا ہو جاتا ہے ایک جاپانی یا چینی یا ہندوستانی ایک فرانسیسی جرمن یا اٹالین جیسا بہادر، نیک اور شریف ہے اور ہو سکتا ہے۔

بعینہ اسی طرح زبان اور نسل اپنے مین کوئی گہری اہمیت نہین رکھتے اسلیے کہ انسان زبان کو اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرتا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ مختلف اقوام کے اشخاص کے خیالات اور جذبات ایک حد تک آپسمین ملتے جلتے ہین آدمی کی نسل یا قومیت صرف پیدائش پر دارومدار رکھتی ہے لیکن کیا قومی اختلافات بنی نوع انسان کے بنیادی اتحاد کو تبدیل کر سکتے ہین؟ واقعہ یہ ہے کہ قدیم وجدید مشرق ومغرب۔ کالے اور گورے کے اختلافات کو اور ذات پات، مذاہب، جنس اور رنگ کے امتیازات کو جو اسقدر بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے کوئی گہری بنیاد اختلاف اپنے مین نہین رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ "ان سب مین ایک ہی روح حلول کر چکی ہے اور وہ سب ایک ہی گوشت و پوست کے بنے ہوئے ہین بلاشبہ اسکے علاوہ اور کوئی اختلاف ایسا نہین ہے جسے دور نہ کیا جا سکتا ہو۔

تاریخ بین اصحاب جانتے ہین کہ کوئی ایسی قوم خواہ وہ کتنی بڑی کیون نہ ہو۔ کبھی زندہ نہین رہی جسنے اخوت انسانی کے خلاف ورزی کی ہو۔ ہم واقف ہین کہ اہل اسپین نے موروں اور یہودیون کے خلاف کس طرح سے ظلم وستم کیا اور کسطرح سے ان کو ہزارون کی تعداد مین زندہ جلایا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور جب اسپین والے قتل عام سے تنگ آ گئے تو پھر انھون نے انھین خارج البلد کر دیا۔ اس عام جلا وطنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسپین کے بازارون مین بوڑھون اور نوجوانون، کمزورون اور شیر خوارون کی لاشون کے پشتے لگ گئے کمزورون کی چیخون نے جنھین نہایت بیدردی اور سفاکی سے ذبح کیا گیا تھا بالآخر اپنا انتقام لیا اور آخر کار اسپین اور اسپین والون کو تباہ کر دیا، حالانکہ یہ وہ ملک تھا جو تمدن تہذیب کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ تمام یورپ پر حکمران رہ چکا تھا۔ اور آج وہ ایک نیسرے درجہ کی بے حقیقت سلطنت سے زیادہ وقعت نہین رکھتا یہ مآل ہے ان اقوام کا جو اخوت انسانی کے مقدس اصول کو پاؤن تلے روندتی ہین۔

اگر ہم موجودہ زمانہ کی تمام شائستہ دنیا پر نظر دوڑائین تو ہم یہ دیکھینگے کہ طاقت اور نسل و رنگ کے بعض معمولی لیکن نہایت سخت اختلافات کے باوجود تمام اقوام عالم ایک دوسرے سے قریب تر آ رہی ہین اور بین الاقوامی ضمیر رفتہ رفتہ بیدار ہو رہا ہے۔

موجودہ زمانے کے سائنس دان اپنے پیغامات کسی خاص قوم کو نہین سناتے بلکہ وہ پیغامات۔ عام بنی نوع انسان کے لیے ہوتے ہین۔ علوم وفنون مین کسی قسم کی قومیت نہین پائی جاتی بیسون قسم کی کلین اور آلات ایسے ہین جنھین ایک ہی معیار پر لایا گیا ہے۔ ڈاک، تار، ریل، برقی، اسٹیم اور بجلی اور انواع واقسام کی جدید ایجادات نے مختلف ملکون کے باشندون کو متحد کرنے مین کوئی معمولی کام انجام نہین دیا ہے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ یہ کوشش کی گئی تھی کہ دنیا کی بے شمار اقوام کے لیے دو بین الاقوامی زبانین ایڈو اور اسپرانٹو قائم کی جائین تاکہ وہ ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے کے قابل بن جائین۔ خواہ اس سلسلہ مین انسانی کوششین بالکل کامیاب نہوئی ہون تاہم دنیا کے دور دراز ممالک کے باشندون کو قریب تر لانے کی خواہش جو قدرتی اور سچائی پر مبنی ہے۔ اس امر کا پورا پورا ثبوت پیش کرتی ہے کہ بنی نوع انسان اپنے مشترکہ مقصد کی جانب ترقی کر رہے ہین یعنے اخوت انسانی کے مطمح نظر کی تکمیل ہو رہی ہے۔

نا مین اب اپنے مضمون کو ڈاکٹر اینی بیسنٹ کے شاندار الفاظ پر ختم کرنا چاہتا ہون جنھون نے عالمگیر مذہب واخلاق" کی درسی کتاب مین اخوت انسانی کے بلند مطمح نظر کو اپنے خاص انداز مین یون بیان کیا ہے۔ "جبتک انسان اپنے تین روح سمجھنے کے بجائے جسم سمجھتا رہے گا اسوقت تک اخوت انسان کی تکمیل نہین ہوسکتی، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مادہ بیرونی اشیاء کے ملجانے سے بڑھتا ہے اور یہ تمام مادی چیزین دوران استعمال مین گھٹتی رہتی ہین حتے کہ ایک دن تباہ و برباد ہوجاتی ہین اور چونکہ انکی مقدار محدود ہوتی ہے اور اسکے گاہکون کی تعداد بیشمار ہے اسلیے ان پر قبضہ کرنیکی غرض سے جنگ برپا ہوتی ہے۔ مادی چیزون کو حاصل کرنا اور ان پر قبضہ رکھنا کامیابی کی شرط ہے لیکن جب آدمی جسم کے بجائے خود کو روح سمجھنے لگتا ہے تو اسے محسوس ہوجاتا ہے کہ شرکت کرنے اور ملانے ہی مین نشو ونما اور طاقت کا راز مضمر ہے۔ روحانی دولت استعمال کرنے سے بڑھتی ہے اور اسے کبھی زوال نہین ہوتا جب یہ دولت دوسرون کو دیجاتی ہے تو اسمین فراوانی پیدا ہوجاتی ہے اور جتنی زیادہ اسمین شرکت کیجاتی ہے اتنا ہی زیادہ اسپر قبضہ حاصل ہوتا ہے، وہ اپنی نبتی ہے لہذا اخوت انسانی کی بنیاد روح پر ہونی چاہیے اور ذہنی اور حسی دنیا مین سے ہوتے ہوئے اسے آگے بڑھنا اور پھیلنا چاہیئے۔ حتی کہ وہ مادیات مین ظہور پذیر ہوجائے قانون کے ذریعہ اسے باہر سے عائد نہین کیا جاسکتا بلکہ اسے روح کے ذریعہ دل کے اندر سے نکلکر غلبہ حاصل کرنا چاہیے۔

سید محمد حفیظ ابدی

اب جبکہ ہم ایک شہری بننے کی غرض سے تعلیم دینا چاہتے ہین تو ہم کو چاہیے کہ ہم خواہ تاریخ و معاشیات خواہ ریاضی یا اور کسی دوسرے علم کی تعلیم پاتے ہین تو اسی مقصد کو اپنے پیش نظر رکھین کہ دوسرے منطقی طرز دلائل کو سمجھکر مغالطہ کی گرفت کرسکین۔

مسٹر بالڈون وزیر اعظم انگلستان

حکیم مومن خان مومن

حکیم مومن خان نام اور مومن تخلص ہے۔ ۱۲۱۵ھ ہجری مین پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم غلام نبی خان کو شاہ عبدالعزیز صاحب سے کمال عقیدت تھی۔ جب یہ پیدا ہوئے تو حضرت ہی نے آکر کان مین اذان دی اور مومن خان نام رکھا۔ گھر والون نے اس نام کو ناپسند کیا اور حبیب اللہ نام رکھنا چاہا۔ لیکن شاہ صاحب ہی کے نام سے نام پایا۔ شاہ عبدالقادر صاحب سے عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ جب عربی مین کسی قدر استعداد ہو گئی تو والد اور چچا سے طب کی کتابین پڑھین اور انہی کے مطب مین نسخہ نویسی کرتے رہے۔

حافظہ بہت اچھا تھا۔ اکثر شاہ عبدالعزیز صاحب کا وعظ ایک دفعہ سنکر بعینہ اُسی طرح ادا کر دیتے تھے۔ شاعری کے علاوہ نجوم مین بھی مہارت بہم پہنچائی ایک غزل مین اپنی نجوم دانی کی طرف نہایت خوبی سے اشارہ کیا ہے۔

ان نصیبون پہ کیا اختر شناس　　آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا

شطرنج سے بھی ان کو کمال مناسبت تھی۔ جب کھیلنے بیٹھتے تھے تو دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی تھی شعر و سخن سے کچھ تو قدرتاً مناسبت تھی۔ کچھ انکی عاشق مزاجی نے اُسے اور چمکا دیا تھا۔ ابتدا مین شاہ نصیر مرحوم کو اپنا کلام دکھایا مگر چند روز بعد اصلاح لینی چھوڑ دی اور پھر کسی کو اُستاد نہین بنایا۔

ارباب دنیا کی تعریف مین کچھ نہین کہا۔ البتہ راجہ اجیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ کی شان مین ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے۔

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے وہی تیرہ اختری　　کثرتِ دود سے سیاہ شعلۂ شمع خاوری

وجہ یہ ہوئی کہ راجہ اجیت سنگھ ایک دن مصاحبون کے ساتھ سبزہ زار اپنے کوٹھے پر بیٹھے تھے خانصاحب کا اُدھر سے گذر ہوا۔ لوگون نے کہا مومن خان شاعر یہی ہین۔ راجہ صاحب نے آدمی بھیجکر بلوایا۔ عزت و تعظیم سے بٹھایا۔ کچھ نجوم کچھ شعر و سخن کی باتین کین اور حکم دیا کہ بھنی کسکر لاؤ۔ ہتھنی حاضر ہوئی۔ وہ خانصاحب عنایت

کی۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج مین غریب آدمی ہون اسے کہان سے کہلاؤن گا اور کیونکر رکھون گا۔ کہا کہ سو روپیہ اور دو۔ خانصاحب اسی پر سوار ہو کر گھر آئے اور پہلے اس سے کہ ہتھنی روپیہ کھائے۔ اُسے بیچکر فیصلہ کیا۔ اسی موقع پر عبداللہ خان اوج نے کہا تھا۔

جہنمون مین وہ مومن مکان لیتا ہے بخومی بن کے جو ہتھنی کا دان لیتا ہے

بہرحال خانصاحب نے قصیدۂ مدحیہ اسی کے شکریہ مین کہکر راجہ صاحب کو دیا تھا اس قصیدہ کے علاوہ اور کوئی مدح کسی دنیادار کے صلہ و انعام کے توقع پر نہین لکھی۔ وہ اسقدر غیور تھے کہ کسی عزیز یا دوست کا ادنےٰ احسان بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

راجہ کپورتھلہ نے اُنھین ساڑھے تین سو روپیہ مہینا کرکے بلایا اور ہزار روپیہ خرچ سفر بھیجا۔ وہ بھی تیار ہوئے۔ مگر معلوم ہوا کہ وہان ایک گویئے کی بھی یہی تنخواہ ہے۔ کہا کہ جہان میری اور گویئے کی برابر تنخواہ ہو مین نہین جاتا۔

ان کی تیز ذہن اور ذکاوت طبع کی تعریف نہین ہو سکتی۔ وہ خود بھی ذہانت مین دوشخصون کے سوا کسی کی ہمسر تسلیم نہ کرتے تھے۔ ایک مولوی اسمٰعیل صاحب دوسرے خواجہ محمد نصیر صاحب کہ اُن کے پیرا ور خواجہ میر درد صاحب کے نواسے تھے۔

تاریخین نہایت عمدہ کہی ہین۔ ایک شخص زین خان نام حج کو گیا۔ رستہ مین سے پھر آیا خانصاحب نے کہا ؎

چون بیاید ہوز خر باشد ۱۲۵۶ھ ۱۵۵۶ء ہجری

شاہ محمد اسحٰق صاحب نے دلی سے ہجرت کی خانصاحب نے کہا ؎

گفتیم وحید عصر اسحاقی برحکم شہنشہ دوعالم
بگزاشتہ دار حرب امسال جا کردہ بمکہ معظم

وحید عصر اسحاق کے اعداد مکہ معظم کے اعداد کے ساتھ ملاؤ اور دار حرب کے اعداد اسمین سے تفریق کرو تو ۱۲۶۰ھ ہجری تاریخ ہجرت نکلتی ہے۔

ایک شخص قلعۂ دہلی سے نکالا گیا انہون نے تاریخ کہی ؎ از باغ خلد بیرون شیطان بیامد۔
باغ و خلد کے اعداد مین سے شیطان بیجا کے عدد نکال ڈالین تو ۱۲۳۶ھ رہتے ہین۔
شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات کی تاریخ۔ کہا خوب فرمائی ہے۔

دستِ بے داد اجل سے بے سر و پا ہو گئے فقہ و دین۔ فضل و ہنر۔ لطف و کرم۔ علم و عمل

الفاظ مصرعۂ آخر کے اوّل و آخر کے حرفوں کو گرا دو۔ بیچ کے حرفوں کے عدد لے لو تو ۱۲۶۹ھ ہجری رہتے ہیں۔ اُنکے مرنے کی تاریخ ایک شاگرد نے کہی۔ ماتم مومن۔ دلّی دروازہ کے باہر میدہیون کیمانب غرب زیر دیوار احاطہ مدفون ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان بھی یہین مدفون ہے۔ (ماخوذ از آبحیات)

کلام پر تبصرہ

مومن کے یہان نازک خیالی ضرور پائی جاتی ہے اور بعض اشعار اپنی خوبی کے لحاظ سے کبھی میر اور کبھی غالب کے اشعار سے ٹکر کھاتے ہین لیکن اُنکے کلام کا بیشتر حصہ صنائع و بدائع لفظی اور چند معمولی خیالات تغزل سے پُر ہے۔ اعلےٰ تخیل جو شاعری کی جان ہے وہ مومن کے یہان کم ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ عموماً اُردو شعراء کا یہی حال ہے۔ مومن غریب ہی کا کیا قصور ہے جو اُسپر تخیل کی کمی کا الزام عائد کیا جائے بلاشبہ یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن مومن جیسے عالی مرتبہ اُستاد سے عام پگڈنڈی پر آنکھین بند کیے چلنے کی توقع نہین کیجا سکتی تھی۔ آخر کیا بات ہے جو مرزا غالب کو تمام شعرائے اُردو سے متمیز کرتی ہے۔ وہ ان کا نیا اندازِ سخن ہے۔ بندش ایسی چست ہوتی ہے کہ خیالات مین بھی نیا لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ برخلاف اسکے مومن کی غزلیات شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ جو مضامین دو چار غزلون مین بندھے ہین وہی تمام غزلون مین پائے جائینگے۔ بلاشبہ بندش چست ہے اور استعارہ اور تشبیہ کی بھرمار ہے اور معاملات عاشقانہ خوب مزے سے ادا کیے ہین۔ بعض جگہ فارسی کی دلکش ترکیبین بھی پائی جاتی ہین اور بقول آزاد اکثر اشعار مین ایک شے کو کسی صفت خاص کے لحاظ سے ذاتِ شے کیطرف نسبت کرتے ہین اور اس ہیر پھیر سے شعر مین عجب لطفِ لطیف بلکہ معانی نہانی پیدا کرتے ہین۔ جو بہتر اشعار اُن کے ہمنے انتخاب کیے ہین اُن مین اس قسم کی مثالین ملجائینگی۔

یہان یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ان بہتر اشعار کے علاوہ انہین کے ہمپایہ دیوان مومن مین اور بھی اشعار ہین لیکن اُنکی تعداد ہمارے خیال ناقص مین ڈیڑھ سو سے زائد نہین۔ بقیہ اشعار سے گو پختگی پائی جائے اور اُردو ادب پر احسان ہو لیکن بے لطف ہین۔ قصائد ضرور اعلےٰ درجے کے ہین اور مثنویان بھی درد انگیز ہین۔ لیکن اسوقت انکے اندازِ تغزل سے بحث ہے اور دیگر اصنافِ سخن سے قطع نظر کیجاتی ہے۔

چونکہ مومن، غالب اور ذوق کے ہمعصر ہین لہذا ایک طرحی غزل سے چند اشعار اُستادان فن کے نقل کرتا ہون اہل مذاق پڑہین اور دیکھین کہ تینون اُستادون کا رتبہ کس کس مقام پر ہے۔

	مزہ یہ شکوہ مین آیا کہ بیمزہ ہوئے وہ	مین تلخ کام رہا لذتِ زبان کے لیے	مومن
۱	مزے یہ دل کے لیے تھے نہ کہ زبان کیلئے	سو ہے دل مین مزے سوزشِ نہان کیلئے	ذوق
	زبانِ پر ہے بارِ خدایا کس کا نام آیا	کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کیلئے	غالب
	خلافِ وعدۂ فردا کی ہو تاب کہان	اُمید یکشبہ ہے یاس جاودان کے لیے	مومن
۲	اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس	بہشت ہے ہمین آرام جاودان کے لیے	ذوق
	وہ زندہ ہم ہین کہ ہین روشناسِ خلق اے خضر	نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاودان کے لیے	غالب
	بھلا ہو اکہ وفا آزما ستم سے ہوئے	ہمین بھی دینی تھی جان اس کے امتحان کیلئے	
۳	وہ مول لیتے ہین جب دم کوئی نئی تلوار	لگاتے پہلے مجھی پر ہین امتحان کے	
	فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ مین ہی نہین	درازدستیِ قاتل کے امتحان کے لیے	
	کہان وہ عیش اسیری کہان وہ امن قفس	ہے بیم برقِ بلا	
۴	صبا جو آئے حسنِ خارِ گلستان کے لیے	قفس	
	مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر	کر	
	رواں فضائی سحر حلالِ مومن سے		
۵	بنایا آدمی کو ذوق ایک جزوِ ضعیف		
	ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا		

انتخاب

۱ بکیونکر مطلعِ دیوان ہو مطلع مہر

۲ سرشکِ اعتراضِ عجز نے الماس ریز

۳ غضب ہے تیرے ڈرتا ہون خدا کی

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا

بتخانے سے نہ کعبہ کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یان جی بہل گیا

نجاؤنگا کبھی جنت مین، مین نجاؤن گا
اگر ہو ویگا نقشہ تمہارے گھر کا سا

درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری
چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

دیدۂ حیران نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
جور کا شکوہ نہ کردن ظلم ہے
راز مرا صبر نے افشا کیا

مرض بیحد کا کیا علاج
دوا نہین رہی
بوسہ دیا تو ذوقِ لبِ یار کم ہوا
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیندار کم ہوا

جاگنا ہجران کا بلا ہو گیا

کسی نے نہ دیکھا تماشا کیسا

تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

الزام اسکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

ال ہی میرے خون کا جواب تھا

۱۷ اوڑتے ہی رنگِ رخ مرا نظر نے تمہارے ۔۔۔ اس مرغِ شکستہ کی پرواز دیکھنا
۱۸ کشتہ ہوں اُسکی چشمِ فسونگر کا اے مسیح ۔۔۔ کرنا سمجھ کے دعویٰ اعجاز دیکھنا

۱۹ دھویا اشکِ ندامت گناہوں نے مرے ۔۔۔ تر ہوا دامن تو بارے پاکدامن ہو گیا

۲۰ قابو میں نہیں ہے دلِ کم حوصلہ اپنا ۔۔۔ اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھسے گلہ اپنا
۲۱ لبیک حرم ہم ہیں نہ ناقوسِ کلیسا ۔۔۔ پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا
۲۲ اس حال کو پہونچے ترے قصہ سے کہ ہم ۔۔۔ راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا
۲۳ انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم ۔۔۔ تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

۲۴ چشمہ حیوان بنا اُسکے لبوں کی شرم سے ۔۔۔ پانی پانی جسکا اعجاز مسیحا ہو گیا

۲۵ تنگی دہی رہی دلِ صد چاک کی ہوا ۔۔۔ یہ غنچہ پاش پاش گریباں نہ ہو سکا

۲۶ شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا ۔۔۔ تو نے مومن تجھ کو کیا جانا

۲۷ آنکھیں جو ڈھونڈھتی تھیں نگہ کو التفات ۔۔۔ گم ہو نا دل کا وہ مری نظر سے پا گیا
۲۸ آتی نہیں بلائے شبِ غم نگاہ میں ۔۔۔ کس مہوش کا جلوہ نظر میں سما گیا

۲۹ چلون کے بدلے مجھکو زمین پر گرا دیا ۔۔۔ اُس شوخ بے حجاب نے پردہ اُٹھا دیا
۳۰ دیتا ہے عہد نامہ غیر اپنا حال دیکھ ۔۔۔ آبِ حیا نے خطِ جبیں کا مٹا دیا
۳۱ دیکھا نہ میرے نالہ آہن گداز نے ۔۔۔ آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا
۳۲ سا ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر ۔۔۔ مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

کیا تلخ کامیون نے لبِ زخم سی دیئے وہ شورِ اشتیاقِ نمکدان نہین رہا

---

۳۴ کیا رم نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا

---

۳۵ اثر اُسکو ذرا نہین ہوتا رنج راحت فزا نہین ہوتا
۳۶ تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہین ہوتا

---

۳۷ قتلِ عدو نے شوقِ شہادت مٹا دیا لب پر ہمارے غلغلۂ الامان ہے اب

---

۳۸ تم بھی رہنے لگے خفا صاحب کہین سایہ مرا پڑا صاحب

---

۳۹ بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہچہ کر

---

۴۰ جاتے تھے صبح رو گئے بیتاب دیکھکر طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھکر
۴۱ یہ تشنہ کامیٔ نگہِ گرم دیکھنا حیرت سے رو دیا طرفِ آب دیکھکر

---

۴۲ مومن خدا کے واسطے ایسا مکان چھوڑ دوزخ مین ڈال خلد کو کوئی بتان چھوڑ

---

۴۳ ہم تیرہ بخت خاک مین بھی مل گئے ولے کچھ کم نہین غبارِ دلِ آسمان ہنوز

---

۴۴ یکچند اور کاہشِ غم چشم التفات مین بارکی نظر مین سمایا نہین ہنوز

---

۴۵ با اطلاع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم ہوتا ہے سایہ کا شجرِ بے ثمر سے فیض

۴۶ امتحان کے لیے جفا کب تک التفات ستم نما کب تک

۴۷ کردیا اُس جلوہ نے محجوب، جبلو خاک اُڑا دین وادیٔ ایمن مین ہم

۴۸ ٹھانی تھی دل مین اب نہ ملینگے کسی سے ہم پر کیا کرین کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم
۴۹ کیا گل کھلیگا دیکھیے ہے فصلِ گل تو دور اور سوئے دشت بہا گئے ہین کچھ ابھی سے ہم

۵۰ جو پہلے دن ہی سے دلکا کہا نہ کرتے ہم تو اب یہ لوگون کی باتین سنا نکرتے ہم

۵۱ لاش پر آنیکی شہرت شبِ غم دیتے ہین اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہین

۵۲ نہین دم لینے کی طاقت فلک نہ بتا دیتے کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغان آسمان رس مین

۵۳ ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ مین آنکھین ہین کسکی فرش تری جلوہ گاہ مین

۵۴ ڈرتا ہون آسمان سے بجلی نہ گر پڑے صیاد کی نگاہ سوئے آشیان نہین

۵۵ کہتے ہین تمکو ہوش نہین اضطراب مین سانسے گلے تمام ہوئے اک جواب مین
۵۶ رہتے ہین ہیچ کوچۂ جانان مین خاص و عام آباد ایک گھر ہے ہمین خانہ خراب مین
۵۷ پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع مومن خدا کو بھول گئے اضطراب مین

۵۸ اُس نبت کے لیے مین ہوس حور سے گذرا اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

۵۹ ہم سمجھتے ہین آزمانے کو — عذر کچھ چاہیے ستانے کو

۶۰ حزن وملال مین ہے دل آزردگی کا وہم — کیسی بری ہے جو گلہ بے اثر نہ ہو
۶۱ بے آرزو سے مرگ گی بے التفاتیان — جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو

۶۲ دلبستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ — پالا پڑا ہے ہمکو خدا کس بلا کے ساتھ
۶۳ یاد ہوائے یار نے کیا کیا نہ گل کھلائے — آئی چمن سے نکہتِ گل جب صبا کیساتھ
۶۴ مانگا کرینگے اب سے دعا ہجرِ یار کی — آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ
۶۵ اللہ رے گمرہی بت وبتخانہ چھوڑکر — مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کیساتھ

۶۶ اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

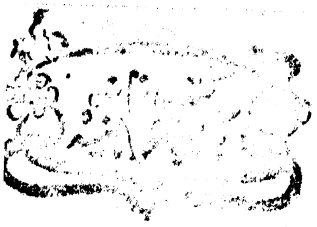
۶۷ زہر ٹپکے ہے نگاہِ یار سے — موت سوجھی نرگسِ بیمار سے
۶۸ کر علاجِ جوشِ وحشت چارہ گر — لادے اک جنگل مجھے بازار سے

۶۹ تو کہان جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے — ہم تو کل خوابِ عدم مین شبِ ہجران ہونگے
۷۰ ایک ہم ہین کہ ہوے ایسے پشیمان کہ بس — ایک وہ ہین کہ جنہین چاہ کے ارمان ہونگے

۷۱ سینہ کوبی سے زمین ساری ہلا کے اُٹھے — کیا علم وہوم سے تیرے شہدا کے اُٹھے

۷۲ شب تم جو بزم غیر مین آنکھین چُرا گئے — کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

محمد یحییٰ تنہا



اقبال مندی کا راز

قومونکی فلاح کا دارومدار ملک گیری پر ہے۔ یا اقتصادی ترقی پر اس سوال کے جواب مین قومی بہتری اور بربادی کا راز مضمر ہے۔ لیکن موجودہ حالات مین اسکی اہمیت اور باریکی پر کماحقہ روشنی ڈالنا محال ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کے سامنے یہ نہایت اہم سوال یکے بعد دیگرے آیا۔ اور زمانہ کے حالات اور عقلی ترقی کے تناسب سے اسے حل کرنے کی سعی و تبلیغ کی گئی۔ ہم اس موقع پر ان وسائل و ذرائع کا تفصیلی ذکر کرنا نہین چاہتے۔ جنکی بدولت اور قومون نے اس زبردست سوال کا جواب ہم پہونچانے کی کوشش کی بلکہ قدیم و جدید عظمت و شوکت اور قومی ترقی و اقبالمندی کا مختصر تذکرہ ہمارے مطلب کی وضاحت کے لیے کافی ہوگا۔

تاریخ کی ابتدا سے لیکر زمانۂ حال تک جتنی قومین بلحاظ جاہ و حشمت کے ممتاز اور سربرآوردہ گذری ہین۔ ان کا مطمح نظر صرف ملک گیری تھا۔ اپنے ہمسایہ قومون پر فوج کشی کرکے ان کی دولت غصب کرنا ان کے نزدیک سیار ترقی تھا۔ لیکن جو قومین ملک گیری کے میدان مین اُتریں تھین ان کے جاہ و جلال کو استقلال نصیب نہ ہوا۔ ان کی شان و شوکت نقش برآب ثابت ہوئی۔ اسلاف مین صرف وہی قومین تھین جنھون نے اس عالمگیر اور مقبول عام خیال کی ہدایت سے دانستہ روگردانی کی تھی ان مین ایک تو اہل تشیا اور دوسرے ہندو تھے۔ ان دونون نے ملک گیری پر لات مار کر اپنی اقتصادی ترقی کو اپنا مطمح نظر بنالیا۔ اور بے نظیر ترقی اور مستقل شوکت حاصل کی یونان مین بھی بعض حکیم ایسے گذرے جنھون نے اقتصادی ترقی کو اور باتون پر ترجیح دی مگر ان کے ہم وطنون کی تعداد کثیر۔ ان کے خیالات سے انحراف کرتی رہی۔ موجودہ زمانہ مین اقتصادی ترقی پر قومی اقبالمندی کا دارومدار ہے۔ چنانچہ مغرب کی قومین اسی خیال کی موئد ہین۔ اسی زرین اصول کی پابندی نے انھین بام ترقی پر پہونچادیا اور ترقی کے جملہ ساز و سامان سے بہرہ یاب ہوگئین۔ جاپانیون نے بھی اسی اصول کو رہنمائے زندگی

بنایا اور چند ہی سال مین صنعت و حرفت اور تجارت مین دنیا کی اول درجہ کی ترقی یافتہ قومون کی ہمسری کرنے لگے۔ لیکن ایرانیون۔ چینیون اور ہندیون نے ملک گیری کی خیالی سیاسیات سے دل لگایا اور اقتصادیات سے تغافل برتا۔ انجام یہ ہوا کہ حقیقی ترقی اور عزت سے وہ اتنے ہی آشنا ہو گئے جیسے کچھ مدت پہلے تھے۔

ہندوستانیون مین مغربی تعلیم اور مغربی قومون کے ساتھ راہ و رسم رکھنے سے قومی بیداری اور قوم پرستی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور وہ رفتہ رفتہ قومی انجمنین اور پولیٹیکل سبھاؤن کی صورت مین جلوہ گر ہوا۔ لیڈران قوم پالیٹیکس کے پیچھے پڑ گئے اور اقتصادی ترقی سے چشم پوشی اختیار کرلی اگرچہ ۱۹۰۵ء سے کانگریس کے ساتھ انڈسٹریل کانفرنس بھی منعقد کی گئی اور مصنوعات ہند کی نمایش بھی ہوتی رہی لیکن پانچ سال کے بعد اسکا وجود و عدم برابر ہو گیا۔ مہاتما گاندھی نے ۱۹۲۰ء مین نان کوآپریشن شروع کیا تھا۔ جسکا مقصد سوراج تھا۔ پرانی کانگریس کے پرجوش حامی مترنم کو یہ جواب دیا کرتے تھے کہ جب پولیٹیکل طاقت ہاتھ آجائے گی تو یہ سب کام سنوار لینگے جینیہ یہی اصول مہاتما جی کے مدنظر بھی تھا یعنی سوراج حاصل کرکے ملک آسودہ اور خوش حال ہو جائے گا۔ گو بائیکاٹ کے ساتھ کھدر بافی اور کھدر پوشی پر زور دیا گیا۔ مگر یہ سب تجاویز حقیقی ترقی کے شاہراہ سے بالکل الگ تھین سو سالہ ترک موالات سے بالواسطہ اور بلاواسطہ ہندوستانیون کو کروڑون روپے نقصان پہونچا اور تمام قوت برباد ہوئی۔ اگر اسکا عشر عشیر بھی اقتصادی ترقی کے لیے وقف کیا جاتا تو ملک کی اقتصادی حالت بہت کچھ سدھر جاتی اور ایک حد تک تنگدستی کا انسداد ہو جاتا)

اس تمہیدی بحث کے بعد ہم ایک ہندو قوم کے کارنامون کا مختصر ذکر کرنا چاہتے ہین۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ صنعتی ترقیون سے ملک مالامال ہو سکتا ہے اور اسکو غلامی سے نجات ہو سکتی ہے۔

ٹاٹا آنبھانی مرے نزدیک ملک کے سب سے بڑے قوم پرست اور حقیقی بہی خواہ تھے۔ انھین خدا کی طرف سے وہ چشم بصیرت عطا ہوئی تھی جسکی بدولت مرحوم نے قومی ترقی کے راز کو سمجھا اور اسپر عمل پیرا ہوئے بمبئی اور دیگر مقامات مین کئی کارخانے قائم کیے جنمین سے ایک ٹاٹا اسٹیل اینڈ آئرن کمپنی ہے جو ۱۹۰۷ء مین قائم ہوئی تھی غالباً اسکا سرمایہ سوا کروڑ روپیہ تھا جو اس ملک کی سب کمپنیون سے زیادہ ہے۔ اول اول ریاست مورنبنج کے مہاراجہ سے لوہے کے کارخانون کا اجارہ حاصل کیا اور

سنہ ۱۹۰۷ء مین ساک چی کے جنگل مین ڈیرے ڈال دیئے اسوقت وہان صرف چند گانون تھے جو ایک دوسرے سے دو دو چار چار میل پر واقع تھے اب وہان ایک شہر آباد ہے جسکی آبادی اسی ہزار بیان کیجاتی ہے۔ اگر آپ وہانپر جاکر دیکھیے تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ کوئی مغربی شہر ہے۔ بازار اور مکانات صاف اور ستھرے ہین، ہوا اور روشنی کا کافی خیال رکھا گیا ہے جو باشندون کی صحت اور توانائی کی بقا کے لیے بہت ضروری ہے۔ مزدورون اور کاریگرون کے رہنے کے واسطے جو مکانات بنائے گئے ہین وہ نئے نمونے کے ہین۔ شہر کا انتظام بھی قابل تعریف ہے۔ چند مہینے ہوئے کہ کمپنی نے لندن مین قرض لینے کا اعلان کیا تھا۔ اور بہت آسانی سے اسکو مطلوبہ سرمایہ بہم ہو گیا جو اسکے کاروبار کی کامیابی اور خوشحالی کی بین دلیل ہے

جمشید پور مین کارخانہ آہنی | سنہ ۱۹۰۸ء مین وہان کارخانہ کی عمارات اور کام کرنے والون کے مکانات اور دیگر ضروری کام شروع ہوئے تھے سنہ ۱۹۱۱ء مین پہلی بھٹی لوہا تیار کرنے کے واسطے بنکر مکمل ہوئی بعد ازان دوسری بنی اور پھر دونون کی توسیع ہوئی دوران جنگ مین گورنمنٹ نے لوہا اور فولاد لینے کا اجارہ اس کمپنی کو دیا۔ اس وجہ سے تیسری بھٹی بنائی گئی۔ چوتھی بھٹی سنہ ۱۹۲۲ء مین بنائی گئی پانچوین اب زیر تعمیر ہے دونئی بھٹیان جو ابھی بنی ہین سو سو ٹن لوہا روزانہ تیار کرسکتی ہین کیونکہ انمین جدید ترین آلات اور طریقہ کیمیائی سے کام لیا جاتا ہے چار بھٹیون سے ۱۰۰۰ ۳۵ ٹن لوہا اور پانچون کے وسیلہ سے پچاس ہزار ٹن لوہا تیار ہو سکتا ہے۔ لوہا صاف کرنے اور دھالنے کے لیے رانی گنج اور جھریہ کی کانون سے کوئلہ اور کوک آتا ہے۔ ٹاٹا کمپنی نے جو زمین وہان سے حاصل کی ہے۔ اس سے (۸۸) کروڑ ٹن کوئلہ برآمد ہونے کا اندازہ کیا گیا ہے۔ خام لوہا ریاست بینج کی مشہور معادن گرمینہنی اور سلائی پت اور بادام پگر سے آتا ہے۔ جو ساک چی یا جمشید پور سے پچاس میل کے جانب جنوب ہے۔ ایک اور نئی کان جامڑہ مین کھودی جاتی ہے۔ صاف کرنے کے بعد لوہے کو یا تو فروخت کے لیے روانہ کردیا جاتا ہے یا اگر فولاد بنانا ہو تو پھر دوسری بھٹیون اور مشینون مین ڈالا جاتا ہے جہان گرڈر اور چادرین کیل اور دیگر اشیا تیار ہوتی ہین۔ نئی قسم کی مشینین یورپ اور امریکہ سے منگاکر لگائی گئی ہین۔ بجلی کی قوت سے چلتی اور تیرہ چودہ سو ٹن کے درمیان روزانہ فولاد تیار ہوتا ہے۔ دریا ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے وہان سے پانی لایا جاتا ہے۔ اور بجلی تیار کیجاتی ہے جو کارخانہ کے علاوہ شہر کے کوچے روشن کرنے

کے کام بھی آتی ہے خام دھات کی بھٹیوں کی مشینیں انجن سے چلتی ہیں اب تک بائیس بائلر لگ چکے ہیں اور آٹھ نئے اور لگائے جا رہے ہیں۔ لوہے کی خام دھات تیار کرنے سے۔ صرف لوہا فولاد وغیرہ ہی نہیں نکلتا بلکہ اس کیمیائی عمل سے اور چیزیں بھی برآمد ہوتی ہیں۔ مثلاً کول ٹار اور سلفیٹ آف امونیا اور سلیور ک ایسڈ جو صنعتی کام کے لیے اشد ضروری اور قابل قدر چیزیں ہیں انکی تیاری کے لیے جداگانہ مشینیں لگائی گئی ہیں۔

ٹاٹا کمپنی چونکہ لوہے کے تمام کام خود انجام نہیں دے سکتی اسلیے اور کئی کمپنیوں سے معاہدہ کر رکھا ہے اور وہ کمپنیاں جداگانہ کام کرتی ہیں ضروری سامان ٹاٹا کمپنی بہم پہونچاتی ہے۔ ان کی عمارتیں بنگال ناگپور ریلوے کے دونوں طرف چار میل تک چلی گئی ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جمشید پور کیسا شاندار مقام بن گیا ہے۔

(۱) اگریکلچرل اینڈ منٹ کمپنی | یہاں زراعتی آلات تیار ہوتے ہیں لوہا اور فولاد ٹاٹا کمپنی کے کارخانہ سے آتا ہے۔ ہر روز دس ٹن وزن کے آلات بنتے ہیں۔

(۲) ٹین پلیٹ کمپنی | اسکے کارخانہ سے اٹھائیس ہزار ٹن وزنی چادرین ٹین کی تیار ہو کر آتی ہیں۔ برما آئل کمپنی کے تیل کے کنستر اسی کارخانہ سے تیار ہو کر جاتے ہیں۔

(۳) اسٹیل ورکس کمپنی | فولاد کے تار اور کیل کانٹے تیار کرتی ہے

(۴) نیشنل موٹر کمپنی | انجن بنانے کے لیے کھولی گئی ہے۔

(۵) کلن اینجینیرنگ کمپنی | ٹین کے کارخانے کی مشینیں بناتی ہے۔

(۶) تمام چینی کے برتن بنانے کے لیے ایک اور کمپنی تیار ہو رہی ہے۔

ان سب کمپنیوں کو لوہا فولاد اور دیگر سامان ٹاٹا کمپنی بہم پہونچاتی ہے۔ جمشید پور اور اسکے قرب جوار کے کارخانوں کا مجموعی سرمایہ اکیس کروڑ روپیہ کے قریب ہے۔

ٹاٹا کمپنی نے اپنے ملازموں کے لیے ساڑھے چار ہزار مکانات اور دیگر کمپنیوں نے پانچسو عمارات بنوائی ہیں جو پختہ ہیں۔ دریا سے پانی صاف ہو کر شہر میں آتا ہے۔ اسکے لیے انجن اور واٹر ورکس کا پورا سامان ہے۔ شہر کا میلا پانی نالیوں اور بدرروؤں سے باہر نکالا جاتا ہے۔ دودھ کے لیے ڈیری فارم کھل گیا ہے۔ گندے پانی سے زمین سیراب کیجاتی ہے جہاں بڑی گھاس ہوتی ہے وہاں پہ

ڈھائی سو گائے بیل ہین جنمین سے سوا سو سے اوپر گائین اور دیگر دودھ دینے والے جانور ہین۔ ولایت سے بھی بیل لائے گئے ہین

ہر دست فارم سے ستر ہزار روپیہ کا دودھ مکھن گھی اور چارہ حاصل ہوتا ہے مزدورون اور کاریگرون کے لڑکے لڑکیون کی تعلیم کے لیے ایک ہائی اسکول اور مڈل اسکول (لڑکیون کے واسطے) اور چودہ پرائمری اسکول۔ اور ایک ایوننگ اسکول اور ایک میکنکل اسکول ہے۔ چونکہ مزدورون کی زبان مختلف ہے اسلیئے اسکول مین بھی ہندی اُردو۔ بنگالی اوڑیا وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ تعلیم پر (۷۵) ہزار خرچ ہوتا ہے۔ جسمین سے دو حصے کمپنی ادا کرتی ہے۔ ایک میکنکل انسٹی ٹیوٹ اعلےٰ درجہ کی صنعتی تعلیم کے لیے کھولا گیا ہے جسکے خرچ کا ایک بڑا حصہ مختلف صوبون کی گورنمنٹین دیتی ہین۔ وہان پر پانچ پروفیسر اور چالیس طلبا ہین۔ جو اصولی اور عملی تعلیم پاس کرکے اسی کارخانے یا دیگر کارخانون مین ذمہ داری کے کامون پر ملازم ہوجائینگے۔

اسطرح ٹاٹا کمپنی ملک کی اقتصادی ترقیون کے لیے بے حد کوشش کر رہی ہے۔

اس مختصر مضمون سے آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ ملک کی اقتصادی حالت کس طرح سکتی ہے۔

جے۔ آر۔ راے

آزادی ایک نسبتی اصطلاح ہے۔ غلامی اسکی ضد ہے جب ایک کا ذکر کرو تو دوسری کا تصور آپ سے آپ ذہن مین موجود ہو جاتا ہے۔ جب غلامی کا نام لو تو آزادی آپ کے دل مین موجود ہو جاتی ہے یہ ان خیالات مین سے ہے کہ جو ایک دوسرے سے وجود لیتے اور ایک دوسرے سے طبعی موافقت معنوی رکھتے ہین۔ یہان پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آزادی ان الفاظ مین سے ہے کہ جن پر جمہوری بول چال مین سب سے زیادہ غلط فہمی کا ستم نازل ہوتا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اس کی نسبت جتنی عام غلط فہمی ہے۔ اتنی شاید کسی اور لفظ کی بابت ہوگی۔

ختنہ کی رسم

ہربرٹ سپنسر کتاب CEREMONIAL INSTITUTIONS PAGE 66 مین لکھتا ہے کہ ختنہ کے متعلق مختلف قسم کے مذہبی باطنی وجوہات پیش کیجاتی ہین جو واقعات سے غلط معلوم ہوتی ہین۔ منجملہ دیگر رسوم کے یہ بھی ایک رسم ہے۔ اگر ایک طرف یہ صاف ستھری قومون مین موجود ہے تو دوسری طرف ناپاک اور غلیظ قومون مین بھی پائی جاتی ہے۔ مقام یا قوم پر یہ رسم محدود نہین۔ چنانچہ اقوام ذیل مین اسکا رواج پایا گیا ہے جو ایک دوسرے سے کسی طرح سے ہمجنس نہین اور نہ کوئی باہمی تعلق ہے۔

(۱) قلی پولنیشن ساکنان تاہٹی۔ ٹانگا۔ مداگاسکر۔

(۲) افریقہ کے داخلی اور بیرونی اقوام مین شمالی ابی سینیا سے جنوبی کافرلینڈ تک۔

(۳) بعض اقوام میکسی کو اور قوم یوکاٹینیز مین۔ سن سلواڈار مین پائی گئی ہے۔

(۴) آسٹریلیا کے اقوام مین موجود ہے۔

حبش کے مقام مین دستور ہے کہ بہادر سپاہی غنیم کے مردہ جسم کے عضو مخصوص کا وہ حصہ جو ختنے کے لیے مخصوص ہے کاٹکر اپنے سردار کے سامنے پیش کرتا تھا اور فتح کی خوشی مین یہ کردہ تحفہ بادشاہ کے حضور مین پیش کیا جاتا تھا۔ زندہ قیدیون سے بھی یہی سلوک ہوتا تھا اور ختنے کا نشان غلامی اور فتح کی یادگار سمجھا جاتا تھا۔ حتی کہ متوفی بادشاہ کی روح کے لیے بھی یہ تحفہ چڑھایا جاتا۔ تاکہ اسکی روح خوش ہو اور بہادری کی داد دے۔ اور بقول مورس فینشیش PHOENICIA II (سنچونیاتو) کے آگے بھی یہ نذر پیش کیجاتی تھی

حبشیون کے مانند یہودی بھی اپنے دشمنون سے یہی سلوک کرتے تھے۔ غنیم کے مقتولی سپاہیون کا ختنہ کرتے تھے اور زندہ قیدی سے بھی یہی سلوک بطور نشان غلامی کیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم نے بھی اپنے خدا یہودی رسم کو بطور عہد و پیمان کیا تھا۔ توریت مین مذکور ہے کہ خدا حضرت سے ناراض ہوا کہ تونے اپنے

بیٹے کا ختنہ نہین کیا تورات مین یہ بھی لکھا ہے کہ جب خدا موسیٰ سے ملا تو اُنکی بیوی زپورہ نے اپنے بیٹے کا تیز پتھر کے نوک سے ختنہ کیا اور خدا کے دربار مین پیش کیا۔ یہودیون کے ملک مین جب انٹی اوکس کے سلطنت قائم ہوئی تو ختنہ کے رسم بند کی گئی۔ کیونکہ اس بادشاہ کے ساتھ نئے دیوتاؤن کی پرستش جاری ہوئی۔ اسکے بعد یہودیون کے طاقت تازہ ہونے پر سب بچونکا جبراً ختنہ کیا گیا۔

یہی مصنف کہتا ہے کہ ختنہ اطاعت ہے خواہ کسی دیوتا کی ہو یا بادشاہ کی ہو یا خدا کی ثبوت مین اسنے اِن قومونکو پیش کیا ہے جو کسی دوسری قوم کی مفتوح نہین ہوئین اور بتایا ہے کہ وہ ختنہ سے میرا ہین لیکن بعض مفتوحہ اقوام مین بھی ختنہ جاری ہے تمثیلاً وہ مراقیش کے وحشی بربر قوم کا حال کہتا ہے کہ یہ پہاڑون مین رہتے ہین مگر مفتوح نہونے کے باوجود بھی ختنہ نہین کراتی

کپتان فرانگ نے اپنے سفر نامہ MEDITERRANEAN مین لکھتے ہین۔

یہ امر تحقیق نہین ہوا کہ کلدانی قوم مین ختنہ رائج تھا یا نہین مصری قوم کا پٹ OPT مین رائج ہے (یہ عیسائی ہین) زولو قوم (ZULUS) مین بھی رائج ہے۔ اصلی وجہ تحقیق نہین ہوئی لیکن جہانتک قیاس کیا جاسکتا ہے یہ بھی ایک قسم کی قربانی تھی حضرت موسےٰ کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم بہت قدیم تھی۔ کیونکہ ختنہ کرانے کا ذکر پتھر کی نوک سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوہے کے استعمال سے پہلے کی رسم ہوگی خیال کیا جاتا ہے کہ اس رسم سے گناہون کی صفائی ہوتی ہے۔

پادری فائیسن کہتے ہین کہ پولنشیا مین یہ رسم دیوتا کی خوشنودی مزاج کے لیے رائج ہے چنانچہ اگر کوئی عزیز بیمار ہو جاوے تو دیوتا کے سامنے کسی لڑکے کا ختنہ کرایا جاتا ہے کہ اس رسم سے گناہون کی جاتی ہے اور اس درجہ کی بھلائی کیجاتی ہے کہ مہذب تحریر مین اسکا ذکر کرنا مناسب نہین تین دن تک یہودیون کے خلاف تہذیب رنگ رلیان منائی جاتی ہین

تورات مین ذکر ہے GENESIS XVII کہ خدا نے ابراہیم کے ساتھ عہد کیا کہ تو بہت سی قومون کا مورث ہوگا اور تیری بیوی جسکی عمر ۹۰ سال کی ہے ایک فرزند کی ماں ہوگی اُسوقت حضرت ابراہیم کی عمر ۹۹ سال کی تھی خدا کے حکم کے مطابق اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور سارے خاندان کے مردون اور غلامون کا ختنہ کرایا۔ اور اپنا ختنہ بھی کر دیا

مین بھی ذکر ہے کہ

حضرت موسےٰ سے خدا ناراض ہوکر موسےٰ کو قتل کرنے لگا تو زپورہ نے اپنے بیٹے کا چقماق سے ختنہ کرکے جنہ

کے حضور مین رکھدیا۔

ان سائیکلوپیڈیا مین ZI 388 ذکر ہے کہ

اسلام سے پہلے بھی عرب کے لوگ ختنہ کرتے تھے یہ بھی ذکر ہے کہ حبش کے عیسائی بھی ختنہ کرتے ہین امریکہ کے سابق کے باشندے اب تک بھی ختنہ کرتے تھے۔ اور ٹکونا قوم بھی کرتی ہے۔ بعض قومون مین عورت اور مرد دونون کا ختنہ کیا جاتا ہے شادی سے پہلے یہ رسم ادا کیجاتی ہے۔ سٹر سمتھ کا خیال ہے کہ یہ رسم قدیم ہے اور ازدواج کے ابتدائی رسوم مین سے ہے رفتہ رفتہ صنعرسنی مین یہ رسم یہودیون وغیرہ مین جاری ہوگئی۔

بعض یوروپین ڈاکٹر اس رسم کو حفظان صحت کے لیے مفید خیال کرتے ہین۔

نصرانی عیسائیون مین ختنہ کے نسبت جھگڑا ہوتا رہا شروع مین یہ سوال تھا کہ آیا غیر یہود عیسائیون مین یہ پرانی رسم جاری رکھی جائے یا نہین۔ پھر سوال وسیع ہوگیا کہ نصرانیون میں یہودی رسوم کی پابندی کیجاوے آخر یروشلیم مین ایک کونسل ہوئی اور اُسکا فیصلہ ہوگیا۔ ACTS 15 چونکہ یہ رسم قدیم مصریون اور عربون مین رائج تھی فرقہ کاپٹ جو عیسائی ہوگیا اسی طرح سے اس رسم کو کرتا رہے۔

ایک عالی خیال کی رائے ہے کہ حفظان صحت اس رسم کی ابتدائی وجہ نہ تھی۔ اب تک اصلی وجہ دریافت نہین ہوئی۔ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ رفتہ رفتہ بعض قومون نے یہ ایک قومی علامت قرار دیدی ہے۔ یہودی اصلی وجہ تو بھول گئے۔ صغرسنی مین اپنے لڑکون کا ختنہ کرنا شروع کردیا ARMSWORTH CYCLOPED

کون یقین کرسکتا ہے کہ کسی ہندو قوم مین بھی یہ رسم موجود ہو۔ لیکن ایک ہندو قوم اسوقت بھی ہندوستان مین موجود ہے جنمین ختنہ کی رسم جاری ہے۔ اس قوم کا نام کُلّان ہے مذہب ہندو ہے یہ دراوڑی MADRAS قوم آباد ہے۔ اسکا پیشہ چوری اور تسکار ہے۔ انکے ماتھے پر سرخ اور سفید وشنو کے ترسول کا نشان ہوتا ہے۔ ہمسایہ قومین ان سے بہت خائف رہتی ہین بعض اوقات ایک خاوند کے کئی بیویان ہوتی ہین اور بعض اوقات ایک بیوی کے کئی خاوند بھی ہوتے ہین طلاق آسانی سے دیدیجاتی ہے مغربی حصہ کی قوم ۱۰ اور ۱۲ سال کے درمیان اپنے لڑکون کا ختنہ کرتے ہین۔ یہ بھی قوم ہنود مین ہے جو ختنہ کرتی ہے۔

تعجب ہے کہ قرآن شریف مین کہین ختنہ کا ذکر نہین ہے فتاوے عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۲۳۷ مین اسے سنت کہا گیا ہے۔ اسمین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عرب مین عورت مرد دونون کا ختنہ رائج تھا۔ بالغ نومسلم کے لیے ختنہ کرانا ضروری نہین اگر وہ چاہے تو خود اپنا ختنہ کر سکتا ہے لڑکون کی سنت ۷ اور ۱۲ سال کی عمر مین ہونی چاہیئے۔

HUGHES DICTIONARY OF ISLAM P. 57 مین بعض پیغمبرون کے نسبت کہا جاتا ہے کہ ختنہ شدہ پیدا ہوئے

آخری مغلیہ بادشاہون کے نسبت کہا جاتا ہے کہ انھون نے ختنہ کرانا موقوف کر دیا تھا مینے کسی جگہ پڑھا تھا کہ سر سید احمد خان نے اسبارہ مین بہت تحقیقات کی تھی۔ نتیجہ معلوم نہین۔

ہم اسبارہ مین کوئی رائے دینا نہین چاہتے۔ اتنا لکھنا کافی ہے کہ وحشی قومون مین قدیم الایام سے اس رسم کے جاری ہونے سے ہمکو یہ بتا تا ہے کہ وہ ملتی اصولون سے غالباً واقف نہ تھے۔ بعض رسوم کی ابتدا کی وجہ یاد نہین رہتی اور عادتاً لوگ کرتے چلے جاتے ہین۔

شمیم

کلام حضور ہز اکزالیڈ ہائنس اعلیحضرت نظام دکن

کفیل حسرت و آرام جان ناتوان تو ہے
ہجوم نا امیدی مین طبیب مہربان تو ہے

کسی کے روئے رنگین سے دل شیدا یہ کہتا ہے
مرے گلزار مقصد کی بہار جاودان تو ہے

کوئی کیا تجھکو اے ابلائے چشم پرفسون سمجھے
تعلق یہ بتاتا ہے کہ اک راز نہان تو ہے

نرالی کیا بات ہے جو خط و خال عارض جانان
ہمیشہ جو بھلا پھولا رہے وہ بوستان تو ہے

تجھی سے ربط پیدا ہین اے اخلاص قائم ہو
دلون کے واسطے رسم حساب دوستان تو ہے

تجھے داغ محبت کیون نہ ہم دل سے لگا رکھین
علاج نا بیش مہر قیامت بے گمان تو ہے

بر آجائے قبضے مین دہان بھی ہو تری شاہی
دکن کا جسطرح اسوقت عثمان حکمران تو ہے

گوتم بودھ

بودھ مت کے بانی سدھارتھ ہین - گوتم ان کا خاندانی نام ہے، اور بودھ وہ مرتبہ جو انھین آئندہ چلکر حاصل ہوا - بودھ کے معنی ہین بیدار - روشنضمیر، یا عارف، شاکیہ منی، انکا لقب ہے - یہ ۵۶۵ ق م بمقام لمبنی پیدا ہوئے، ان کے والد سدھودن کپلوستو کے راجہ تھے - یہ شہر نیپال کی ترائی مین کوسل کے ماتحت ساکیہ قبیلہ کی جمہوری سلطنت کا پایہ تخت تھا - ولادت کے سات روز بعد والدہ کا انتقال ہوگیا - سوتیلی مان نے پرورش کی - بڑے ہوئے تو شہزادون کی طرح تربیت و تعلیم ہوئی - ۱۸ برس کے سن مین شادی کردی گئی، اور دس سال کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا - انھون نے خواب یا بیداری مین مرض، آلام اور موت کے تین نظارے دیکھے تھے - جنھون نے دل مین یہ خیال پیدا کردیا تھا کہ "دنیا ہیچ ہے" اور رنج و تکلیف سے نجات حاصل کرنا چاہیے" آخر اسی کی تلاش مین عیش و عشرت اور بیوی بچے چھوڑ کر گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے - راجگیر کی پہاڑیون مین جو تارک الدنیا لوگ رہا کرتے تھے انمین سے یکے بعد دیگرے الارہ اور اوک کے مرید ہوئے لیکن جب دونون کی تعلیمات سے انکی روحانی تسکین نہ ہوسکی تو گیا کے جنگل مین چھ سال تک جوگ کی ریاضتین کرتے رہے - ایک روز ایک انجیر[1] کے درخت کے نیچے صبح سے اپنے خیالات مین ڈوبے ہوئے بیٹھے تھے - شام کے وقت یکایک انمین ایک وجدانی کیفیت پیدا ہوئی اور انھین بودھ کا درجہ مل گیا - وہ بیساختہ عالم بیخودی مین یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے:

"اے کالبد خاکی کے بنانے والے جب تک مین نے تجھے نہین پایا تھا مجھے حیات و ممات کی کشمکش سے گذرنا پڑتا تھا - وہ سب دردانگیز حالتین تھین، لیکن اب مین نے تجھے دیکھ لیا ہے مجھے امید ہے کہ تو پھر یہ کالبد خاکی نہ بنائے گا کیونکہ جس نے نروان[2] کی دولت حاصل کرلی اسکی تمام خواہشین

---

[1] بعد مین یہ درخت "درخت دانش" کے نام سے موسوم ہوا - [2] نروان اس حالت کو کہتے ہین جب انسان ہر گناہ و زندگی سے پاک ہوتا ہے -

قائم نہیں"

ان جملوں میں جو بے اختیار زبان سے نکلے ہیں خدا کا اعتراف کیا ہے لیکن بعد میں پھر کبھی انکی زبان پر خدا کا نام نہ آیا اور خدا کی ذات وصفات کے متعلق انھوں نے اپنے مریدوں کو بھی تعلیم نہیں دی، شاید انکا مقصد اخلاق اصول وقواعد مرتب کرنا تھا۔ بہرحال جو کچھ وہ تعلیم دیتے رہے اسکا لب لباب انکے لیکچر میں آگیا ہے جو بنارس میں اپنے ابتدائی پانچ مریدوں کے سامنے دیا تھا:۔

سنو اے بھکشو! دکھ کی اعلیٰ سچائی۔ پیدائش دکھ ہے۔ زوال (عمر) دکھ ہے۔ بیماری دکھ ہے۔ موت دکھ ہے۔

سنو اے بھکشو! دکھ کے سبب کی اعلیٰ سچائی۔ راحت کی تشنگی، زندگی کی تشنگی، دولت کی تشنگی، نئی پیدائش کی تشنگی۔

سنو اے بھکشو! دکھ دور کرنے کی اعلیٰ سچائی۔ خواہش کا فنا کردینا، تشنگی کا معدوم کردینا۔

سنو اے بھکشو! اس جادہ کی اعلیٰ سچائی جو رفع تکلیف تک پہونچا دیتا ہے۔ صحیح عقیدہ، صحیح منشا، صحیح کلام، صحیح چال چلن، صحیح ذریعہ معاش، صحیح کوشش، صحیح سلان، صحیح مراقبہ۔

انکے اور تمام وعظ ونصائح انھیں باتوں کی توضیح وتشریح ہیں۔ اور وہ اصول وقواعد بتانے میں جنسے نروان حاصل ہوسکتی ہے۔ روح کے علیحدہ وجود سے انھیں انکار ہے، تناسخ کے بھی قائل ہیں۔ اور انکا عقیدہ ہے کہ:۔

"ایک جنم کی اچھی بری صفات اور افعال کا اثر دوسرے جنم میں منتقل ہوتا [illegible] جنم میں پہلے جنم کے کرم کا پھل پاتا ہے"

عرصہ تک جگہ جگہ وعظ کہتے رہنے سے انکے بہت سے مرید ہوگئے، انھوں نے ادنیٰ واعلیٰ سب ذات والوں کو اپنا مرید بنایا اور سب کو مساوی درجہ دیا۔ البتہ مریدین کے دو گروہ کردیئے تھے، ایک گداگر، دوسرے اہل دنیا۔ اور دونوں کے لئے الگ الگ قواعد وضوابط بنائے تھے۔ پینتالیس برس تک اپنے مذہب کی اشاعت کرتے رہے۔

اسی برس کی عمر میں باوجی ایک مقام پر آئے یہاں انکے مرید چند سنار نے دعوت کی۔ انکے مذہب میں جانور کھانے کی سخت ممانعت تھی انکے سامنے چاولوں کے ساتھ ایک غذا ایسی آئی جو حیوان کی جان لیکر تیار کیگئی تھی یعنی سؤر کا گوشت، گوتم بودھ نے یہ حیوانی غذا بھی نوش فرمائی۔ اگر کھانا کھانے کے بعد ہی علالت شروع ہوئی۔ اور دوسرے روز کشی نگر میں ۴۸۳ ق م میں انتقال کیا۔

محمد اسمٰعیل بھوپال

حسین جاسوس

مس ولبیر پیرس جانیوالی ٹرین پر سوار ہو کر خفیہ پولیس کے سب سے بڑے افسر سے ملین۔
وہ کھڑے ہو کر بولے۔ مس صاحبہ آپسے نیاز حاصل کر کے مجھکو بڑی خوشی ہوئی۔
ولبیر۔ یہ آپکی مہربانی تھی کہ آپنے مجھے ملنے کا وقت دیا جب میں نے آپکو ملاقات کے بارے میں لکھا تھا تو مجھے قطعی امید نہ تھی کہ آپ ملاقات کا موقع دینگے۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ عرصہ ہوا جب آپ میری والدہ کے دوست تھے۔
وہ۔ ہاں آپکی والدہ کے دوست ہونیکا شرف مجھے حاصل تھا لیکن ان کی شادی کے بعد سے پھر ملاقات نہ ہوئی۔
ولبیر۔ ہم اتنے عرصہ تک امریکہ میں رہے۔ میں وہیں پیدا ہوئی۔
وہ۔ بیٹھ جائیے۔ میرے لائق کوئی کام ہو تو ارشاد کیجئے۔
ولبیر۔ مسٹر لیبرک جب میری والدہ کی وفات ہوئی تو ہلوگون کے پاس روپیہ بہت کم رہگیا تھا اور جب میری والدہ نے اس جہان فانی سے کوچ کیا تو مجھے گذارہ کے لیے خود روپیہ پیدا کرنیکے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔ گذشتہ [illegible] سے میں روئن میں انگریزی کی تعلیم دیتی ہوں میں بجائے فرانسیسی زبان کے انگریزی زبان سے زیادہ واقف ہوں۔
لیبرک نے سر خم کر کے کہا۔ آپ فرانسیسی بہت اچھی طرح بولتی ہیں۔
ولبیر۔ لیکن اسمیں آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ یہ کام مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ صرف جاسوسی کا پیشہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اسکے بابت مجھمیں قابلیت بھی ہے۔ دوسرے بھی یہی خیال ہے۔ مجھے سیکھنے کی ضرورت ہے لیکن ایک عرصہ کام کرنے کے بعد میں اچھی جاسوس ہو جاؤنگی۔ کیا آپ بانی عنایت مجھے موقع دینگے؟

لیبرک کچھ جھجکتے ہوئے کہا ہوگا۔ میری پیاری مس دلبیر آپ نہیں جانتی ہیں۔ آپ اپنا یہ پیشہ ناپسند کرتی ہیں۔ مگر میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جاسوسی کے کام کو اس سے بھی زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گی۔ اور جو کچھ کہنے میں کرنیکو تیار ہوں۔ مگر یہ میرے بس کے نہ ہوگا۔

دلبیر نے پوچھا۔ آپ عورتوں کو نوکر رکھتے ہیں؟

لیبرک۔ ہاں۔

دلبیر۔ تب مجھے آپ کیوں موقع نہیں دیتے ہیں۔ میں آپکے غور و خوض کے لیے نہیں آئی ہوں اس کام کو میں ہمیشہ سے پسند کرتی رہی ہوں۔ اور خطروں سے خوفزدہ نہیں ہوں۔

لیبرک۔ آپ اس خیال سے اس کام کو اچھا سمجھ رہی ہیں کہ برائی کو روکیں گی اور لوگوں کے کرنیکی لیکن جاسوس کو بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں بعض ایسے ہیں جنکو آپ قطعی ناپسند آپکی عمر ابھی صرف چھبیس سال کی ہے اور ماشاء اللہ آپ خوبصورت بھی ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ جس کام کو آپ نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں وہی کریں۔

بہت سی نوجوان لڑکیاں کچھ اور نہ کر سکتیں مگر یہ زرد، دبلی، نازک بدن لڑکی اڑی رہی

دلبیر۔ جناب ایسے پیشہ کی بابت کہ جسمیں آپنے کبھی قدم نہیں رکھا کیا جان سکتے ہیں۔ آپ میری مدد کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ میں اسکے واسطے قریب قریب تیار ہی تھی اگر ایک بات نہوتی تو میں قطعی ناامید ہو جاتی۔ آپنے ایک بار امان سے کہا تھا کہ خواہ کتنا ہی عرصہ گذر جائے اگر اسکو مدد کی ضرورت پڑیگی تو آپ مدد دینگے حالانکہ ایسی گفتگو بالعموم جلد فراموش کر دیجاتی ہے مگر مجھے امید تھی کہ آپ کو یاد ہوگا اور آپ اسکی بیٹی کی مدد کرینگے۔

لیبرک بولے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ یہ بات میں نے اٹھائیس برس گذرے جب آپکی والدہ سے لکسمبرگ کے باغ میں بنچ پر بیٹھکر گفتگو کی تھی جو میڈیکی فوارے کے سامنے ہے۔ میری شناسائی ان سے اسوقت ہوئی جبکہ وہ اس شریف آدمی کی منگیتر ہوگئی تھیں جسکو بعد میں آپ کے والد ہونیکا شرف حاصل ہوا حالانکہ میں اسوقت غریب تھا مگر کاش میں اسکے قبل ملتا تو ضرور ان سے اپنی بیوی ہونے کی استدعا کرتا جس لڑکی کو میں پیار کرتا تھا اسکی دختر کو میں اسلیے پیشے میں داخل ہونے کی رائے نہ دونگا جسمیں اپنی لڑکی کو نہ داخل کرونگا۔

دلبیر - مین سمجھتی ہون کہ آپ مہربانی سے مجھے ایسا کرنے سے روکتے ہین۔ مگر بدقسمتی سے مین صرف اسی کو جانتی ہون۔ مین اپنے کو بیوقوف خیال کرونگی۔ اگر اس پیشہ کو مشکل سمجھکر نہ اختیار کرون۔ جبکہ مجھے کام کرنا ہی ہے تو آپ معاف فرمائینگے اگر مین ایسا کام کرون جو مجھے پسند ہے۔

لیبرک - جب مین آپکو ملازمت نہین دے سکتا تو اسمین معاف کرنے کی کونسی بات ہے۔

دلبیر - اگر مجھے فرانس مین ملازمت نہ ملی تو مین انگلینڈ چلی جاونگی۔

لیبرک - کیا آپ وہان کسیکو جانتی ہین؟

دلبیر - نہین -

لیبرک - تو مجھے خدشہ ہے کہ آپ کا جانا بیکار ہوگا۔

دلبیر - لیکن جب آپ مجھے یہان ملازمت دینے کے لیے تیار نہین ہین تو وہین جاونگی۔

لیبرک - کیا آپ نے مصمم ارادہ کرلیا ہے؟ دلبیر ہان -

اسکے بعد کچھ عرصہ تک خاموشی ہوگئی۔ لیبرک کرسی کے تکیہ کا سہارا لگاکر بیٹھ گئے اور ان کی ابرو پرشکن تھے اور وہ دلبیر کو بغور دیکھ رہے تھے۔

وقتاً وہ بولے۔ مین سوچ رہا ہون کہ آیا آپ کچھ کام کرسکین گی۔ مین اسپر غور کرکے آپکو ایک ہفتہ کے اندر مطلع کرونگا۔

دلبیر افسردہ دلی کے ساتھ روئن واپس گئی۔

(۲)

لیبرک کا خط دلبیر کو اسکی توقع کے پہلے ہی ملگیا خط مختصر تھا اور اسمین یہ لکھا تھا کہ فوراً آجائیے اور اسباب بھی لیتی آیئے۔

دلبیر نے اطمینان سے سفر کیا۔ لیکن جب وہ لیبرگ کے گھر مین داخل ہوئی تو لیبرک کے طرز گفتگو سے معلوم ہوگیا کہ وہ اپنی جان کے دوست سے نہین بلکہ خفیہ پولیس کے سب سے بڑے افسر سے گفتگو کر رہی تھی۔

لیبرک - صبح بخیر مس دلبیر بیٹھ جایئے۔ آپ فرماتی تھین کہ امریکہ مین پیدا ہوئین اور وہان کئی سال تک رہین۔ کیا آپ امریکن لڑکی کا بھیس بدل سکتی ہین؟

ولمیر۔ ان میری فرانسیسی کمزور ہے۔ بول تو لیتی ہون مگر محاورات مین کہین کہین غلطی ہو جاتی ہے

لیبرک۔ اسوقت ایک موقع ہے مین آپکو یہ کام سپرد کرون گا اور اگر آپ اسمین کامیاب ہو گئین تو مین آپسے بہت خوش ہونگا۔ آپکو اور ڈلی کا مقدمہ تو یاد ہوگا؟ وہ عورت جسکو زہر کھلایا گیا اور اسکے موتی اور جوے مین جیتے ہوئے دس ہزار فرینک چرا لیے گئے۔ ہمکو مال مسروقہ کا پتہ نہین چلا لیکن اسکی ملازمہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ میرا شبہ اخبار کے ایک انگریز نامہ نگار پر ہے۔ وہ ورسیلس مین ایک معمولی ہوٹل مین ٹھہرا ہوا ہے اسکا نام میریٹ ہے۔ آپ بھی اسی گھر مین فروکش ہونگی اور آپکو اسبات کا پتہ لگانا ہے کہ آیا اسکے پاس خرچ کے واسطے کافی روپیہ ہے۔ آپ اسکا پیچھا مت کیجئے گا۔ کیونکہ نئے جاسوس بہت گڑبڑ کر دیتے ہین۔ آپ کس طرح کام شروع کرینگی۔؟

ولمیر۔ میرا نام مس ورتن ہے اور مین ٹائپ کا کام کرتی ہون۔

لیبرک۔ کیا آپ ٹائپ کا کام کر سکتی ہین؟

ولمیر۔ ہان جب میرے والد زندہ تھے تو ان کے پاس ٹائپ کی مشین تھی۔

لیبرک۔ آپ یہ ظاہر کیجئے گا کہ آپ کی رشتہ دار صرف ایک غریب بچی ہین جو امریکہ مین رہتی ہین

ولمیر۔ اور مین غریبی سے تنگ آگئی ہون یہان نہ تو میرا کوئی دوست ہے اور نہ مین فرانسیسی ہی اچھی طرح جانتی ہون مین تنہائی سے گھبرا گئی ہون۔ مین اسکی توجہ اپنی جانب مبذول کرہونگی۔

لیبرک کی آنکھون مین تعریف کے آثار تھے وہ بولے۔ خوب! مین پھر دوہراتا ہون کہ اگر آپ اس کام کو اچھی طرح کرینگی تو مین بہت خوش ہونگا۔ یہ پتہ ہے۔ اس ہوٹل مین کمرے خالی ہین سہ پہر کے کھانے کے بعد آپ وہان پہنچیے اسوقت تک جنرل ٹرمینس مین ٹھہریگا۔ آپ کا اسباب کہان ہے؟

اسکو کچھ اور ہدایت کر کے لیبرک نے سو فرینک فرج کے واسطے دیئے اور دوسرے دن سہ پہر کو وہ اس ہوٹل مین داخل ہو گئی۔

اس ہوٹل مین سہ پہر کو چاء کا دستور نہ تھا۔ طعام شام کو وہ ایک لمبی میز پر بیٹھی۔ ایک صنعتکار دو بڑی عمر کی عورتین اور ایک وہان موجود تھین کچھ دیر بعد ایک انگریز بھی آیا اور اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ اسکی ڈاڑھی موچھین صاف تھین اور قریباً [illegible]

نہیں تھا۔ دلبیر پر ایک نظر ڈالکر وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور کھانے میں مصروف ہو گیا دلبیر اسبات کی منتظر رہی کہ وہ نوجوان پر اپنے فرانسیسی ہونے کا اظہار کر دے۔ مالکہ نے کمرے کے متعلق دریافت کیا۔ اسکا جواب دلبیر نے ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی میں دیا۔ نوجوان نے چونکر اسکی طرف دیکھا۔

جب کھانا ختم ہو گیا تو مصنوعی دانتوں والی خاتون اپنے خوابگاہ میں چلی گئی۔ بڑی مونچھ والا آدمی بھی کوٹھے پر چلا گیا۔ مالکہ اور بیوہ دونوں نیچے کے ایک کمرے میں جاکر بیٹھیں دلبیر بھی انہیں کے ساتھ جاکر بیٹھ گئی کچھ دیر کے بعد وہ آدمی بھی وہیں آگیا۔ غرض تینوں آپس میں تمام شب بھی اس سے بات چیت بھی کرتی تھیں۔ ذرا دیر بعد نوجوان نے دلبیر سے پوچھا کیا آپ انگریز ہیں؟ دلبیر نے جواب دیا نہیں میں امریکن ہوں۔ مالکہ بولی بہ نہایت خوب بات ہے کہ دونوں ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ دلبیر نے نوجوان سے کہا کاش میں فرانسیسی بول سکتی

نوجوان۔ میں بھی ٹوٹی پھوٹی بول لیتا ہوں ہاں اگر آپ فرانسیسی زبان جانتیں بھی تو یہاں آپکو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچتا۔ کیا آپ ورسیلس میں پہلے بار آئی ہیں؟

دلبیر۔ ہاں کیا یہ شہر عمدہ نہیں ہے۔

نوجوان۔ بات یہ ہے کہ باہر کی چار دیواری کے اعتبار تو بہشت بریں ہے لیکن باہر دوزخ کا نمونہ ہے یہاں ایک تھیٹر ہے جو اکثر بند رہتا ہے اور کھلا بھی تو تماشہ نہایت ذلیل ہوتا ہے۔

دلبیر نے مسکرا کر کہا آپ تو مجھے ڈرا رہے ہیں

نوجوان۔ کچھ عرصہ تک تو یہاں آپکی طبیعت بہلیگی مجھے تو یہاں اکیسان ہو گیا۔

دلبیر اسلیئے آپ اسکی تعریف میں رطب اللسان ہیں؟

نوجوان۔ وجہ یہ ہے کہ مجھے اسباب باندھنا و بال جان ہو جاتا ہے اسکے علاوہ ہماری میزبان ہمیشہ کرایہ کا کرایہ پیشگی لے لیتی ہیں اسلیئے ہمیشہ انپر قرض چڑھا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے میں اور بھی یہیں رہتا ہوں

دلبیر ہنس پڑی اور وہ دونوں بڑی دیر تک اسی طرح بات چیت کرتے رہے۔

صبح کو دلبیر خوابگاہ ہی میں تھا کہ نوجوان چلا گیا۔ بعد دلبیر باغ میں ٹہلنے چلی گئی۔ ایک کھلی ہوئی کھڑکی سے ٹائپ کی آواز آئی اور وہ سمجھ گئی کہ نوجوان کام میں مشغول ہے وہ ایسی جگہ پر بیٹھی جہاں سے نوجوان اسکو آسانی سے دیکھ سکے۔ ٹائپ کے چلنے کی آواز سہ پہر کے کھانے کی گھنٹی بجنے

تک آتی رہی۔ سہ پہر کے کھانے کے وقت اور شام کو دلبیر نے پھر اس سے گفتگو کی۔

(۳)

چار دن تک وہ اس سے سہ پہر کو کھانے کے وقت اور شام کو بات چیت کرتی رہی اور صرف دو گھنٹہ باغ میں بیٹھتی مگر اس سے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

پانچویں روز صبح کو ٹائپ کی کھٹکھٹاہٹ جلد بند ہو گئی اور نوجوان اسکے پاس آکر بیٹھ گیا۔ نوجوان کو پہلی مرتبہ دلبیر کی حالت کا قدرے اندازہ ہوا۔

میریٹ۔ آپ مصیبت زدہ ہیں۔

دلبیر۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد کوئی کام مل جائیگا۔

میریٹ۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں یہ کہتا تھا کہ ناز و نعم میں پرورش پاکر آپکو تلاش معاش کی صعوبت اٹھانا پڑی۔ کاش میں بہت متمول ہوتا اور مجھے سکریٹری کی ضرورت ہوتی!

دلبیر۔ کیا یہ آپ ہی کی مشین ہے۔ جسکی آواز میں اکثر سنا کرتی ہوں؟

میریٹ۔ ہاں دال روٹی کے لیے کھٹکھٹایا کرتا ہوں۔ میں اہل قلم میں سے ہوں۔ آپ اگر پریس میں رہتی ہوتیں تو وہاں ملازمت ملنے میں آسانی ہوتی۔

دلبیر۔ اور میں یہاں زیادہ عرصہ تک مقیم نہ ہونگی۔ اسکے علاوہ اشتہارات کا جواب بھی اسی طرح سے دے سکتی ہوں جیسے کہ پریس سے۔

میریٹ۔ مجھے تو خیال تھا کہ آپ متمول ہیں۔ آپ اسطرح نہیں معلوم ہوتیں۔ گویا کہ آپ نہایت عمدہ کپڑے پہنے ہیں۔

دلبیر عمدہ کپڑے! یہ کوٹ جو میں اسوقت پہنے ہوں۔ دو سال گذرے خریدا تھا۔

میریٹ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ یہ بالکل نیا ہے۔

دلبیر۔ لیکن یہ تو قابل ازدواج ہے۔ میری والدہ کی وفات کے پہلے سے یہ میرے پاس ہے

روئے سخن پھر کر میریٹ بولا۔ آپنے دریاس میں کیا کیا دیکھا، آپ نارنگیوں کے باغ میں گئی تھیں

دلبیر۔ میں گئی تو مگر وہاں تک پہنچ نہ سکی۔ اب پھر کسی روز جاؤں گی۔

میریٹ۔ جلدی جائیے ورنہ موسم ختم ہو جائیگا۔ اگر کوئی کام نہ ہو تو سہ پہر کو چلیں؟

ولیبر۔ آپکو اپنا کام کرنا ہے۔

میریٹ۔ کام مین صبح ہی ختم کر چکا ہون۔ مین ہمیشہ سہ پہر کو ٹہلنے جاتا ہون۔ آپ بھی چلئے!

ولیبر۔ اگر آپ کا وقت نہ ضائع ہو تو مین خوشی سے تیار ہون۔

لیبرک کو جو دوسری رپورٹ ولیبر نے بھیجی اسمین لکھا "ہم ہر روز ٹہلنے جاتے ہین۔ اسنے اپنی بابت بہت کچھ بتا دیا ہے۔ مگر ابھی تک کام کی کوئی بات نہین بتائی۔ کیا مین سستی سے کام کر رہی ہون؟"

لیبرک نے ٹیلیفون سے جواب دیا۔ نہین آپ ٹھیک کام کر رہی ہین۔ اگر ایک ماہ مین بھی آپ کام کی بات کا پتہ لگالین تو مین کافی سمجھونگا۔

وہ باغین جایا کرتے اور پھولون کی بھینی بھینی خوشبو سونگھنے کے لیے بیٹھ جاتے تو ان کو پتہ بھی نہ ملتا۔ کہ کتنا وقت گذر گیا بعض اوقات دونون خاموش بیٹھے رہتے۔ ایک روز لوٹتے وقت وہ مسٹر میریٹ کے اسرار پر ایک حلوائی کے یہان گئی۔ جب ایکبار اسنے اظہار رضامندی کیا تو مسٹر میریٹ نے پھر اسکو مجبور کیا۔ مگر وہ راضی نہوئی۔

میریٹ۔ کیون نہ چلیگا۔

ولیبر۔ ہر سہ پہر کو نہین۔

میریٹ۔ آپ تو تکلف کرتی ہین۔ آیئے بھی۔

ولیبر۔ مین اس شرط پر چلونگی کہ آپ دام مجھے دینے دین۔

وہ ہنس پڑا۔ مین اتنا مفلس نہین ہو گیا ہون کہ چند آنے نہ خرچ کر سکون۔

ولیبر۔ ہفتہ مین سات بار چند آنے بہت ہو جاتے ہین۔

میریٹ۔ آپ حساب خوب لگاتی ہین۔

ولیبر۔ آپ نے کل ہی کہا کہ میرے دو مضمون واپس کر دیئے گئے۔

میریٹ۔ اور مضمون نگاری سے بھی زیادہ فائدہ کا کام مین نے کیا ہے۔

یہ پہلا جملہ تھا جس سے ولیبر کو کامیابی کی اُمید ہوئی۔ مگر اسکے بہت سے معنی ہو سکتے تھے۔

ولیبر۔ خیر پھر کسی روز چلینگے۔

جب وہ مکان پلٹ کر آئی تو ولبین آجکی بات پر غور کرنے لگی اب موقع آگیا تھا کہ وہ اس راستہ پر چلے جسکی بابت اسنے لیبرک سے وعدہ کیا تھا۔ یعنی کسی طرح اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ اس کے پاس بہت بڑی رقم ہے، اسنے نوجوان سے یہ پوچھنے کا ارادہ کر لیا کہ آیا اس کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ قیمتی قہوہ خانون مین اس کو لیجا سکے گا۔ اسنے ایک تدبیر یہ بھی سوچی کہ اگر وہ نوجوان کو اتنی ہمت دلادے کہ وہ اس سے شادی کی درخواست کر بیٹھے تو منگنی کی انگوٹھی سے اسکو پتہ چل جائیگا مگر طریقہ اسکو پسند نہ آیا۔ لیبرک کا استعمال کردہ لفظ "ناپسند" اسے یاد آگیا۔ دوسرا کوئی طریقہ نظر نہ آیا اسلیے اسی پر عملدرآمد کرنے کی ٹھیرالی۔

(۴)

دوسرے دن وہ تلاش ملازمت کے بہانہ پیرس گئی اور سہ پہر کو لوٹ آئی۔

دوران گفتگو مین بولی۔ جگہ نہ ملی کاش مین اپنے والد کے حیات ہوتی۔ اب تو بہت سی چیزین لینے کو میرا جی چاہتا ہے۔ مگر دام پلے نہین۔ من مار کر بیٹھ جاتی ہون۔ سیر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میرے خیال مین یہ کمزوری ہے۔ لیکن قطع کلام کرتے ہوے مبریٹ بولا۔ نہین یہ تقاضائے فطرت ہے نہ کہ کمزوری۔

ولبیر۔ میرے والدین ہمیشہ یہان آنے کی بابت کہا کرتے تھے۔ اماں تو ہوٹل تک کا نام لیا کرتی تھین اور کہتی تھین کہ فلان مشہور قہوہ خانہ مین جائین گے اور وہان سے قیمتی لباس خریدینگے۔ جب مجھے یہ بات یاد آتی ہے تو اس غریب بچہ کی سی حالت ہو جاتی ہے جو کھلونون کی دوکان کے سامنے کھڑا حسرت سے دیکھ رہا ہو،

مبریٹ۔ کیا ایکبار آپ کسی مشہور قہوہ خانہ مین چلینگی؟ مین آپ کو لیچلون گا۔

ولبیر کی نبض تیز ہو گئی مگر دل کو سنبھالکر، نہین یہ ٹھیک نہین ہے۔

مبریٹ نے اصرار کرتے ہوے پوچھا۔ آخر کیون؟

ولبیر۔ کیونکر مین شام کو کہین جاتی نہین اور

بے صبری سے مبریٹ نے کہا۔ اور؟

مسکرا کر ولبیر نے جواب دیا۔ مہری کی ملاقات کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے۔

مبریٹ۔ آپ بھی عجیب آدمی ہین۔ شب بخیر آپ اسطرح کہینگی گویا ہم گاڑہے دوست ہین اور صبح بخیر پر تکلف ہوگی۔ دیکھئے میری زندگی خوشی خوشی نہین گذری ہے آپکی وجہ سے میری بہت دلبستگی ہوجاتی ہے۔

یہ سنکر اسکے ابرو بل آگیا مگر اسنے کچھ کہا نہین۔

میریٹ نے کہا۔ یہ غیر معمولی بات ہے کہ مین اتنی جلد آپکی دوستی کی قدر کرنے لگا۔ گو میری آپکی ملاقات کو بہت زمانہ نہین گذرا۔ یقین کیجئے کہ یہ میری عادت نہین کہ ہر ایک سے دوستی کرتا پھرون حتی کہ جن لوگون سے مجھے دوستی تھی وہ مجھ سے ملنے کے زیادہ مشتاق رہا کرتے تھے مگر اب معاملہ برعکس ہے۔

پھر بھی ولبیر خاموش رہی۔

مبریٹ۔ للہ کچھ تو کہئے۔

ولبیر کا رنگ زرد تھا وہ بھرائی ہوئی آواز مین بولی۔ کیا کہون؟

مبریٹ۔ یہی کہدیجئے جو کچھ مینے کہا۔ وہ غلط ہے۔ یہی کہدیجئے کہ ہم ایک دوسرے کو خوب جانتے ہین۔

ولبیر۔ اگر آپ یہان نہوتے تو مین بہت گھبراتی۔ مسٹر مبریٹ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ آپ یہان موجود تھے۔ جسکے باعث میرا بہت غم غلط ہوگیا۔

مبریٹ۔ اور آپ میرے ساتھ شام کو کھانا تناول کرینگی۔ اکل؟

ولبیر نے مجبوراً جواب دیا شاید۔

لیکن دوسرے دن صبح کو جب وہ سوکر اٹھی اسکے تمام بدن مین درد ہو رہا تھا۔ اور جب ڈاکٹر نے اسے بستر پر سے اٹھنے کو منع کیا تو گویا اسکے سر سے بار گران اتر گیا۔ میڈم برڈ مالکہ ہوٹل چند گھنٹے کی بعد پھول لیکر آئین اور بولین۔ "انکو مسٹر مبریٹ نے بھیجا ہے اور حال پوچھا ہے۔ لڑکی نے ان کو ڈبڈبائی آنکھون سے دیکھا۔ دوسرے دن کتابین آئین۔ اسیطرح ایک ہفتہ تک مختلف چیزین آتی رہین۔ کہانیکی چیزین ہاتھ لگتین۔ میڈم برڈ سے کسیطرح تیار نہین ہوسکتی تھین۔ یہ چیزین ولبیر کے حلق مین اٹکنے لگین۔

(۵)

جب وہ مبریٹ کی بھیجی ہوئی چیزین کھاتی۔ اسکے بھیجے ہوئے گلاب کے پھول دیکھتی تو خود کو نفرت کرتی کہ

اسنے ایسا کام کیون ہاتھ مین لیا۔ وہ اسے پسند کرنے لگی تھی ایک ہفتہ کی بیماری مین وہ کچھ طے نہ کرسکی۔

وہ بدقت نیچے آئی۔ ضعف اسقدر بڑھ گیا تھا۔ کہ ڈاکٹر نے تبدیل آب وہوا کی صلاح دی جب ڈاکٹر یہ کہہ رہا تھا میبریٹ بھی کمرہ مین آگیا۔

ڈاکٹر کے چلے جانے پر میبریٹ بولا۔ واقعی تبدیل آب وہوا آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپکو سمندر کی آب وہوا بہت مفید ہوگی مگر چونکہ اس موسم مین وہان مجمع زیادہ ہوگیا اسلیئے آپکا خرچ بہت پڑیگا۔ مین بہت مشکور ہونگا اگر آپ مجھے روپیہ قرض دینے دین۔

ولبیر نے لڑکھڑائی ہوئی زبان سے شکریہ ادا کرکے انکار کردیا۔ اسکی آنکھین ڈبڈبائی ہوئی تھین۔ وہ۔ مین یہ کام بہت آسانی سے کرسکتا تھا۔

ولبیر بول اٹھی۔ مین چاہتی ہون کہ آپ روپیہ کے متعلق گفتگو نکرینگی مسٹر میبریٹ مین آپکی بہت مشکور ہون۔ مگر یہ ناپسند کرتی ہون۔

میبریٹ۔ بہت خوب خدا جانتا ہے مین آپکو پریشان کرنا نہین چاہتی۔ اگر آپکو سب باتین معلوم ہوتین تو آپ سمجھ جاتین کہ اس قسم کی گفتگو سے مجھے کسقدر تکلیف ہوتی ہے لیکن مین آج کہنے پر مجبور ہون کہ میرا ضمیر مجھے بہت ملامت کررہا ہے اور اگر مین آپکے کام آسکتا تو مجھے بہت سکون حاصل ہوتا۔

ولبیر نہ تو کچھ بولی اور نہ اسنے میبریٹ کیطرف دیکھا۔ اسکو صرف اسبات کا احساس تھا کہ یا تو وہ ولبیر کے ساتھ بیوفائی کرے اور یا جو شخص اسکا دلدادہ ہے اسکو لیبرک کے سپرد کردے۔

ولبیر۔ میرا سر پھٹا جارہا ہے اگر آپ اجازت دین تو مین کمرہ مین جاکر لیٹ رہون۔

آہ۔ جو شخص اسکو پیار کرتا ہے اسے قیدخانہ دکھائے! اسبات کا انکار بیکار تھا کہ وہ اسکو چاہتی تھی! وہ کپڑے پہنے ہی بستر پر لیٹ گئی۔ وہ بڑی دیر تک کروٹین بدلتی رہی۔ لیکن فرض کی ادائیگی سے ڈرتی رہی۔ نیند کو سون [illegible] اسکا چہرہ موم کے مانند سپید ہورہا تھا۔

اسبات کو پندرہ ہفتہ گذر گئے میبریٹ نے پھر قرض دینے کا اصرار نہین کیا۔

ایکدن وہ لیٹی تھی کہ دروازہ پر کسی نے کھٹکھٹاکر کہا۔ تمکو ٹیلیفون پر کوئی بلا رہا ہے۔

لیبرک نے پیغام بھیجا تھا اسنے ولبیر کو فوراً بلایا تھا۔

وہ بیدلی کے ساتھ اسٹیشن پہنچی اور ریل مین بیٹھ گئی۔ خفیہ پولیس کے دفتر مین وہ نیچے اتر کر [illegible]

داخل ہوئی۔ اسکے دل مین یہ خیال آرہا تھا کہ آیا اسکو جیل بھیجدے یا لیبرک کو دھوکا دے۔ لیبرک اپنے کام مین مشغول تھا۔ ایک منٹ تک وہ کھڑی رہی۔ پھر لیبرک نے سر اُٹھاکر صبح بخیر کہا۔

لیبرک۔ آپکے معاملہ نے بہت طول کھینچا۔ رکاوٹ کیا ہے؟

لڑکھڑاتے ہوئے ولبیر نے جواب دیا مین نے آپکو لکھا تو تھا۔ مین بیمار تھی اور۔

لیبرک۔ مین سمجھ گیا۔ آپ ایک ہفتہ بیمار تھین۔ اب تین ہفتہ سے آپ اچھی ہین۔ آپسے یہ کہان کہا گیا تھا کہ آپ اسکا پیچھا کرین۔ آپ تو گھر کے اندر سے ہی کام کرسکتی تھین۔ کیا آپکو کوئی نئی بات کہنی ہے؟

ولبیر۔ کچھ نہین۔

لیبرک نے سختی سے کہا یہ بات عیان ہے کہ آپ اس پیشہ کے لیے موزون نہین ہین۔ آپ ہر قسم کا موقع ہوتے ہوئے کچھ نہ کرسکین۔ دوسرے محکمہ کے دوسرے لوگون نے وہی کام کم موقع ہوتے ہوئے کرلیا۔

ولبیر نے گھبراکر پوچھا۔ کیا آپکو یہ پتہ چل گیا کہ وہ مجرم ہے۔

لیبرک۔ اس سے بھی زیادہ۔

ولبیر۔ اس سے بھی زیادہ؟

لیبرک۔ ہان مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ آپکو سب باتین معلوم ہوگئی تھین اور آپکو چاہیے تھا کہ آپ اسکو حراست مین دیدیتین۔ مگر اطلاع نہ دی۔ جو افسر اپنا فرض ادا نہین کرتا وہ خود مجرم ہے۔ آپنے اپنے عاشق کے بچانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکامیاب رہی۔ وہ یہان ہے۔

اسنے ایک گھنٹی بجائی اور بولا۔ میریٹ کو اندر لاؤ۔

ولبیر کرسی پر گر پڑی۔ جب وہ دروازہ کیطرف دیکھ رہی تھی۔ اسکے دل مین یہ خیال اُٹھا کہ جس شخص کو جی جان سے پیار کرتی تھی وہ حراست مین آئیگا۔ اسکے چاروں طرف پہرہ دار ہونگے!

دروازہ کھلا اور میریٹ اکیلا اندر داخل ہوا۔

لیبرک نے ہاتھ بڑھاکر کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہین اتنی دیر تک انتظار کرنا پڑا، پال، بیٹھ جاؤ۔ لو سگار پیو۔ مس ولبیر بحیثیت افسر انچارج خفیہ پولیس۔ مین آپکو اطلاع دیتا ہون کہ فرض ادا نہ کرنیکا خیال بہت خطرناک ہوتا۔ مگر مجھے یہ دیکھکر اطمینان ہے کہ آپنے اپنی ناقابلیت دیکھلی۔ انکے چچا کی حیثیت سے مین کہتا ہون کہ انکا نام لیبرک ہے اور یہ نصف انگریز ہین۔ اور بیرسٹری کرتے ہین انہون نے کسی جرم کا ارتکاب

نہین کیا ہے بلکہ آپکو یہ دکھانے کے لیے کہ آپ اس قسم کی ملازمت کے قابل نہ تھین یہ کام کیا تھا پھر مسکراکر بولا۔ بحیثیت افسر خفیہ پولیس۔ مجھے آپکی شقبازی سے کوئی سروکار نہین۔ آپ دونون کہین اور جاکر سب طے کر لیجئے۔

نوجوان ولمیر کی طرف بڑھا۔

وہ لیبرک کی باتین سنکر چونک پڑی تھی پھر سوچ مین ڈوب گئی۔ سانس تیزی سے چلنے لگی اور زرد رخسارون پر سرخی کی خفیف جھلک دوڑ گئی لیکن ابرو اور منھ پر تمکنت کے بل پڑ گئے وہ بولی۔ مسٹر میریٹ اپنے چچا کے ساتھ آپنے جو معاہدہ کیا تھا اسمین آپ خوب کامیاب ہوئے۔ لیکن جسوقت سے میری آپسے ملاقات ہوئی آپنے جھوٹ کے پُل باندھ دیئے اور جب مینے آپسے دوستی کی تو آپنے مجھے بیوفا بنانے کی غرض سے جھوٹ بولنے مین دریغ نہین کیا۔ مین اقرار کرتی ہون کہ مجھے اذیت دینے مین آپ نے بہت چالاکی سے کام لیا۔ آپ نے میرے ساتھ بزدلون کا برتاؤ کیا۔

نوجوان بول اُٹھا۔ سب باتین جھوٹ نہ تھین۔ مین قسم کھاکر کہتا ہون۔ میرے دلمین جو آپکی محبت تھی وہ جھوٹی نہ تھی۔ مین خود کو اسبات کے لیے نفرین کرتا تھا مگر مین اس کام کے پورا کرنے کا وعدہ کر چکا تھا مین نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ اگر آپ سب جانتی تو سمجھ جاتین کہ یہ حالت آپسے زیادہ مجھے تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی مین نے آپسے کہہ دیا تھا کہ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ اوہ مس ورنن مس ولمیر مین آپ پر شہید ہوا تھا! کیا آپ مجھے معاف کرینگی!

میریٹ نے اسکے ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لیے اور ولمیر نے ان کر ہٹایا نہین۔

لیبرک۔ سنو میرا دفتر شادی کرنے کا محکمہ نہین ہے (وہ لڑکی کے پاس گیا اور اسے کھڑا کرکے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا) جھوٹے جاسوس جا اور عشق کی باتین کہین اور کر۔ آفتاب چمک رہا ہے لکسمبرگ کا باغ آج بہت پرفضا ہے۔ مجھے آج ایک بنچ یاد آرہی ہے جو میڈیکی فوارے کے مقابل ہے۔

(ترجمہ از انگریزی)

جی۔ پی۔ بھٹناگر

جواہرات عالم

(۳)

ہیرا مغل اعظم

اس ہیرے کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسکی کوئی جداگانہ ہستی نہیں اور اسی کا دوسرا نام کوہ نور ہے مگر محققین کا اتفاق ہے کہ دونوں ایک نہیں ممکن ہے کہ کوہ نور کی بعض خصوصیات کے بنا پر یہ قیاس کیا گیا ہو لیکن یہ قیاس حدود وہم سے باہر اپنا اثر نہیں قایم کر سکتا۔ کیونکہ کوہ نور اب تک موجود ہے۔ مگر اس نورانی ہستی کا کچھ پتہ نہیں تاریخی حیثیت سے اس ہیرے کی قدامت سب ہیروں سے زیادہ ہے۔ اور باعتبار ظاہر اور بلحاظ وزن بھی اسکا تفوق حاصل ہے مشہور ہے کہ اسکا وزن آٹھ سو قیراط ہے۔ ابتداً یہ مقام گانی واقع گنشد میں جلوہ افروز ہوا۔ مگر اسکے ملنے کی تاریخ میں اختلاف ہے سب سے اخیر سال جو اسکے ملنے کا بتلایا جاتا ہے وہ ۱۵۰۰ء قبل مسیح ہے۔ بعض مورخ اسکو اس سے بھی پرانا بتلاتے ہیں۔

سلطان بابر کے عہد زرین میں یہ نورانی ہستی بہت چمکی کیونکہ اس سے پہلے دنیا اسکی بامرہ نوازی سے قریب قریب محروم تھی اسوجہ سے اسکے ابتدائی حالات بھی تاریکی میں ہیں بابر اس ہیرے کی بہت قدر کرتا تھا اور اسکو اپنے عروج کی دلیل روشن سمجھتا تھا۔ چنانچہ عام خیال ہے کہ بابر کو اسی ہیرے کی بدولت دوبارہ عزت و دولت نصیب ہوئی۔

چودھویں صدی میں جبوقت شاہ بابر تخت سے معزول ہوکر فقیرانہ لباس میں مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ ایک دن تھکا ماندہ پریشان حال ایک گاؤں کے کنوئیں پر آبیٹھا گانوں والوں نے اسکو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا۔ آخر وہ گانوں کے باہر آکر ایک درخت کے سایہ میں لیٹ رہا۔ اسکے قریب ایک دہقانی لڑکا پھروں سے کھیل رہا تھا وہ پتھروں اور روڑوں کا گھروندا بنا بنا کر بگاڑتا رہتا تھا۔ لڑکے کی نظر بابر پر پڑی تو وہ بابر کو غریب سمجھکر اسکے پاس آیا اور پیار اور محبت کی گفتگو کرنے لگا

نوٹ سلسلہ کے لیے دیکھو زمانہ اکتوبر و نومبر

بابر بھی اس انداز سے جواب دیتا رہا کہ لڑکا اُس سے بہت جلد مانوس ہوگیا اور جوش مسرت مین اپنے کھیلنے کے پتھرون مین سے ایک بڑا اور چمکدار پتھر نکال لایا جو اسکو بہت عزیز تھا اور اسکو سب پتھرون سے بہتر سمجھتا تھا - بابر نے دیہاتی لڑکے کا یہ حقیر مگر قیمتی نذرانہ بڑی خوشی سے قبول کر لیا - اول اول تو وہ اسکو اس لڑکے کی سچی ہمدردی اور محبت کی ایک یادگار سمجھتا تھا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ دیہاتی لڑکے کا یہ تحفہ بہت قیمتی ہے :

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ ہیرا اس لڑکے کے پاس کیونکر آیا - لیکن جسدن سے بابر کو ملا اُسی دن سے بابر کا عروج شروع ہوا اور اور آخر تک شاہی جواہرات مین شامل رہا - بعد کو جب سلطنت مغلیہ پر اغیار کا تصرف ہوا تو یہ ہیرا بھی دوسرے بادشاہون کے خزانے مین منتقل ہوگیا اسی زمانہ مین فرانسیسی سیاح ٹیورنیر نے بھی اُسے دیکھا تھا -

شاہ جہان نے اپنے عہد حکومت مین اسکو ترشوانا چاہا اور ہندوستان سے اپنے معتمدان خاص کو ملک روم مین بھیجا تاکہ وینس کے مشہور جوہری HARTEN BORGIA سے خاص طور پر ترشوائین اسکے فرستادہ صاحب وینس پہونچے جوہری نے محنت سے کام شروع کیا اور ہیرا ترش کر تیار ہو گیا لیکن اب یہ ایک معمولی ہیرے سے زیادہ وقیع نہ تھا کیونکہ اسکا وزن صرف ۸۳ قیراط رہ گیا تھا، اگرچہ مغربی نقطۂ نظر سے اسکی تراش مین کوئی خامی نہ تھی - لیکن جب شاہ جہان نے اسکو دیکھا تو اُسکو بہت ملال ہوا - کیونکہ مشرقی اور مغربی خیالات مین فرق ہے - شاہ جہان کو شبہ ہوا کہ شاید ہیرا بدل لیا گیا - اس خیال سے اسکے غصے کو اور بھڑکا دیا اور اسی غیض وغضب مین اُن معتمدان خاص کو قتل کرا دیا جو اس خدمت پر مامور تھے - اور اس جوہری کو بھی اُجرت و انعام سے محروم کر دیا یہی نہین بلکہ فرط غضب مین جوہری پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ کر دیا - غیر ملک کی رعایا سے جرمانہ کی وصولی آسان نہ تھی لیکن شاہ جہان کا غصہ اسوقت تک نہ فرو ہوا جبتک جرمانہ وصول ہو کر خزانہ شاہی مین داخل ہو چکا جرمانہ کے لیے اسنے وینس فوج روانہ کی جو اس جوہری سے بجبر وصول کر لائی -

غرض یہ قیمتی پتھر خاندان مغلیہ مین وراثتاً منتقل ہوتا رہا حتی کہ سلسلہ بسلسلہ محمد شاہ والی دہلی کے پاس آیا وہ اسکی کرامانی تاثیر کا اس درجہ قائل تھا کہ اسکو ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا - جب نادر شاہ ایران دہلی پر حملہ آور ہوا تو شہر مین کئی روز تک قتل و غارت کا ہنگامہ گرم رہا - اسی ہنگامے مین سرکاری خزانہ بھی لٹ گیا لیکن محمد شاہ نے اس ہیرے کو اپنے عمامے مین چھپا رکھا تھا اس ہیرے کی

شہرت اور اسکی کراماتی خاصیت نادر شاہ پہلے سے سن چکا تھا۔ جب خزانہ اور محل مین یہ ہیرا نہ برآمد ہوا تو نادر کی آتش شوق اور بڑھ گئی مخبرون نے اطلاع دی کہ یہ لاجواب کرامانی ہیرا محمد شاہ کے صافے مین پوشیدہ ہے۔

شکست کے بعد محمد شاہ کیطرف سے صلح کی سلسلہ جنبانی ہوئی۔ نادر شاہ نے صلح منظور کر لی شرائط صلح ہونیکے واسطے دونون بادشاہ ایک دوسرے سے بیٹھے جب صلح کی کل امور طے ہو گئے تو نادر شاہ نے محمد شاہ سے کہا کہ سب مسائل فیصلہ ہو گئے اب صرف ایک رسم باقی رہگئی ہے اسکا ادا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہمارے یہان یہ رسم ہے کہ صلح کے بعد فریقین اظہار خلوص و اتحاد کے لیے اپنے اپنے عمامے ایک دوسرے سے بدل لیتے ہین مین بھی اس رسم کا پابند ہون۔ میرے دل کو بھی اسوقت تک اطمینان کامل نہ ہوگا جب تک کہ یہ رسم پوری نہ ہو جائے گی۔ میرا صافہ یہ ہے اسکو قبول کیجئے اور اپنا مجھکو عنایت کیجئے"

محمد شاہ حیرت مین آگیا اور نادر کی طرف غصہ آمیز حریفانہ نگاہون سے دیکھنے لگا۔ اب اسکو معلوم ہو گیا کہ میرے ساتھ دغا کی گئی ہے۔ تھوڑے عرصہ تک دربار مین خاموشی طاری رہی، محمد شاہ کو ان قیمتی ہیرون کی جدائی سخت ناگوار تھی جو اسکے صافے مین پنہان تھے لیکن سخت مجبوری تھی، نادری فوجین فرشتہ اجل کیطرح چارونطرف سے گھیرے ہوئے تھین صلح کے کل امور طے ہو چکے تھے۔ چار و ناچار صافہ بھی بدلنا ہی پڑا۔

اسطرح یہ طلسمی ہیرا اس خاندان سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا بعضون کا خیال ہے کہ نادر کو یہ کوہ ہیرا راس نہ آیا، اور جب تک اسکے پاس رہا نادر کو پریشانی سے چھٹکارا نہ ملا رہا اسکے مشیرون نے اسکو صلاح دی کہ اسکو علیحدہ کر دیجئے یا محمد شاہ کو واپس دیدیجئے مگر نادر شاہ کو استدر پسند تھا کہ اسنے کسیکے کہنے پر عمل نہ کیا بلکہ اسکو ہمیشہ فخریہ زیب تن کرتا رہا۔ اور بخیال حفاظت ہمیشہ اپنے صافے مین رکھتا تھا

ایک مرتبہ اسکے محل مین آگ لگی۔ جب نادر بھاگنے لگا تو اسکا صافہ گر گیا اور آگ مین جلکر خاکستر ہو گیا مشہور ہے کہ اسی وقت سے یہ ہیرا بھی غائب ہو گیا۔ ممکن ہے کہ کہین دبا دبایا پڑا ہوا اور پھر کسی دن افق شہرت پر انجم تابندہ بنکر نمودار ہو،

رام سرن نگم

مصر و عراق گہوارۂ تمدن

چند سال سے یورپ کے محققین آثار قدیمہ کی مساعی جمیلہ سے سرزمین مصر کے قدیم تمدن کے تازہ آثار و اسناد برآمد ہو رہے ہیں۔ اسی سلسلۂ جد و جہد میں ہامان مصر کا مقبرہ اور اوسکی ممی بھی قدیم شاہانہ سامان کے ساتھ لارڈ کارنارون آنجہانی کی کوششوں سے برآمد ہوئی ہے جس سے تین ہزار برس قبل مصر کی شاہانہ عظمتوں کا سراغ ملتا ہے۔

دنیا میں قدیم ترین تمدن کس قوم کا ہے، یہ مسئلہ مورخین میں مختلف فیہ رہا ہے، کوئی تو مصر کے تمدن کو سب سے اقدم سمجھتا ہے کوئی سرزمین عراق کے بابل و نینوا کے تمدن کی قدامت ثابت کرتا ہے کوئی ہندوستان کے تمدن کی اولیت کا دعویٰ کرتا ہے مگر اس مضمون میں ہندوستان کے تمدن سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے، البتہ تاریخی اسناد و شواہد اور مورخین کے استدلالات و قیاسات مصر کے تمدن کو قدیم تر اور سرزمین عراق کے تمدن کو مصر کے تمدن سے بھی اقدم یا کم از کم دونوں کو ایک دوسرے کا مقارن سمجھنے کی ہدایت کرتے ہیں، مورخین نے اپنے قیاسات کو قرین صحت ثابت کرنے کے لیے بعض کلیات بھی قائم کئے ہیں۔ ان کلیوں پر مختلف قوموں کے تمدن کی جانچ کرنے سے ان کے تفاوت زمانی یعنی تقدم و تاخر کا اندازہ کسی قدر صحت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

تواریخ عالم پر گہری نظر ڈالنے کے بعد مورخین نے یہ کلیہ اخذ کیا ہے کہ تمدن کا آغاز علی العوام بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے ہی سے ہوتا ہے، دریاؤں کے ساحلی مقامات ہی گہوارۂ تمدن ہوتے ہیں، یہیں تمدن و تہذیب کی نشوونما ہوتی ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں کے دونوں جانب خصوصاً دہانہ کے آس پاس کی سرزمین زرخیز ترائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو ہمیشہ انھیں دریاؤں سے سیراب ہوتی رہتی ہے، انھیں ترائیوں میں اول اول مدنیت

کا آغاز اور اوسکی نشو و نما ہوتی ہے۔ انھین ترائیون کی سرسبز شاداب زراعت دور دور کے لوگون کو اپنے آغوش مین کھینچ لیتی ہے۔ یہین سے شہریت کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی کلیہ کے ماتحت دریاے نیل نے مصر کو، فرات و دجلہ نے بابل کو بابل اور نینوا کو نینوا بنایا۔ یہ وہی سرزمین نینوا ہے جہان اسلامی تاریخون کے بموجب بعض اکابر انبیاے سلف کے ورود و قیام کا پتا چلتا ہے، اخبار نیوز لیمیٹڈ ہرلڈ کے اک فاضل نامہ نگار نے اخبار مذکور مین "رفتار تمدن" کے عنوان سے اک مختصر مضمون لکھا ہے جس مین اگلی تاریخون اور بارینہ اسناد سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے چار ہزار برس قبل وادی فرات اک ایسی ترقی یافتہ و متمدن قوم کا مسکن تھا جسکا تمدن اُسی زمانہ مین مرتبۂ کمال کو پہونچ چکا تھا جس سے اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ تمدن جو چار ہزار برس (قبل) مرتبہ کمال کو پہونچ چکا تھا اوسے تدریجی نشوون کی ابتدائی اور درمیانی منزلین طے کرنے مین کتنا وقت صرف ہوا ہوگا اور اُس مرتبہ کمال پر پہونچے ہوئے تمدن کا آغاز حضرت عیسیٰ سے کتنے دنون پیشتر ہو چکا ہوگا۔ ادھر چند سال سے مصر مین صدیون بلکہ ہزارون برس کے دفینے نکل رہے ہین جن سے وہان نیل پر سکندر اعظم کے تلاطم خیز حملون کے متعلقہ حالات کا انکشاف ہوتا جاتا ہے مگر بقول نامہ نگار موصوف عراق کے جدید انکشافات سے سراغ ملتا ہے کہ بابل، نینوا اور اسکے قرب و جوار مین اُسوقت بھی جبکہ تواریخ عالم کی بسم اللہ تھی ایسی مہذب و متمدن قومین آباد تھین جو ڈنکے کی چوٹ مصر کے تمدن کو فقط صلاے عام ہی نہین دے رہی تھین بلکہ اُسپر غالب آگئی تھین۔ محققین آثار قدیمہ کے جدید ترین انکشافات سے جہان مصر کے بالائی و نشیبی حصون کی حکومتون اور اُن کے فرمانرواؤن کی شان و شوکت کا ثبوت ملا ہے، وہان بابل اور نینوا قدیم فرمان رواؤن کی عظمت و جبروت کے آثار بھی پائے جاتے ہین۔

مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دنیا مین جتنے قدیم ترین تمدن معرض وجود مین آئے وہ اُن محرکات کے اعتبار سے بھی یکسان ہین جو اون کے وجود کا سبب ٹھہرے اور جس ڈھنگ پر اُنکی نشو و نما ہوئی وہ بھی مشابہت رکھتا تھا اور جن اسباب کی بنا پر اُنھین زوال ہوا وہ بھی یکسان تھے۔ خاص خاص حالتون کے باعث مصر اور بابل مین مقامی اختلاف اور فرق تو ضرور پیدا ہوتا رہا مگر ان دونون کا تمدن ایک ہی تحریک کا نتیجہ تھا دونون کی نشو و نما کا محرک ایک ہی تھا۔ ازمنہ قدیمہ مین جن اسباب و محرکات کی بدولت

زبردست سلطنتیں اور طاقتور قومیں استحکام و وسعت حاصل کرتی گئیں وہی محرکات موجودہ تمدن پر بھی عمل کر رہے ہیں، جب اس بات پر نظر کیجائے گی کہ آغاز تمدن کن مقامات سے ہوتا ہے جیسا کہ صدر میں مذکور ہوا اسکی ابتدائی نشو و نما اسکی تدریجی و ارتقائی تکمیل کے اسباب کیا ہوتے ہیں، ہر دور میں اسکی صورتیں کیونکر بدلتی رہتی ہیں اور کن اسباب کی بنا پر زوال و انحطاط شروع ہوتا ہے تو سارا نظام تمدن ایک ہی سلسلۂ اسباب و علل میں منسلک نظر آئے گا۔ دریائے نیل اور دجلہ و فرات کی آبیاری سے فقط یہی نہیں ہوا کہ ان کے دامنوں میں مصر اور بابل ایسی زبردست سلطنتیں پیدا ہوگئیں بلکہ ان عظیم الشان دریاؤں کی وساطت سے ان دونوں ملکوں کے درمیان سلسلۂ آمد و رفت پیدا ہو کر تعلقات بڑھتے گئے نظریں اور تجربے وسیع ہوتے گئے، تمدن کی رفتار تیز ہوتی گئی اور آخر کار دونوں سلطنتوں کے درمیان رشک و رقابت کا جذبہ ایک کو دوسرے پر گوئے سبقت لیجانے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ ان دریاؤں میں وقتاً فوقتاً جو قیامت خیز سیلاب آتے رہے ہیں اُنکی حکایتیں نسل بعد نسل منقول و منتقل ہوتی رہی ہیں۔ عبرانی زبان کی تقدیمی و نوشتہ جات میں ان سیلابوں کے جو افسانے درج کیے گئے تھے وہ ابتک محفوظ ہیں۔ ان نوشتہ جات و تصانیف سے مؤرخین نے یہ استنباط کیا ہے کہ یہ سیلاب زیادہ تر سرزمین عراق ہی میں آتے رہے ہیں مگر باوجود ان تباہ کن سیلابوں کے وادی فرات و دجلہ کا تمدن ہمیشہ وادی نیل کے تمدن سے پہلو مارتا رہا ہے۔ فرات و دجلہ کے کنارے ایک سے ایک شہر آباد ہوتے گئے اور ہر شہر ایک خود مختار شہر یار ہوتا تھا مگر ان سب چھوٹی چھوٹی خود سر حکومتوں میں فقط بابل کی حکومت کا آوازہ دنیا بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ بابل کی سلطنت کو پے در پے عروج و زوال کا سامنا ہوتا رہا کئی بار بگڑی کئی بار بنی آخر کار وسط ایشیا کی خانہ بدوش قوموں کے ہاتھوں اس قدیم حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ مختصر یہ ہے کہ تاریخ عالم میں ابتک عراق و مصر کی سرزمین گہوارۂ تمدن سمجھی گئی ہے مگر علم بشری ناقص ہے اور ہے گا، اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ تاریخ کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، عالم ہستی کا اور چھور نہ کسیکو معلوم ہوا ہے نہ ہوگا، استاذ المکرم مولانا شاد عظیم آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

ابو البقائی مرزا یاس عظیم آبادی

پوسٹماسٹر

پوسٹماسٹر نے پہلے پہل علی پور مین کام شروع کیا اس چھوٹے سے گانون مین ایک نیل کا کارخانہ تھا جسکا مالک ایک انگریز تھا اسی نے وہان ایک پوسٹ آفس کھلوا لیا تھا۔

پوسٹماسٹر کلکتہ کا رہنے والا تھا جو اس ویرانے مین ماہیٔ بے آب کی طرح بیقرار رہا کرتا تھا اسکا دفتر اور گھر ایک تنگ و تاریک جھونپڑی مین تھا۔ جسکے پاس ہی ایک تالاب تھا اور ارد گرد درختون کے جھنڈ۔

کارخانہ کے ملازمون کو فرصت کم ملتی تھی علاوہ ازین وہ خواندہ آدمیون کی صحبت کے قابل بھی نہ تھے اور کلکتہ کا یہ نوخیز جوان دوسرون سے میل جول کا عادی تھا مگر یہان انکا کوئی دوست نہ تھا۔

وہ کبھی کبھی شاعری بھی کیا کرتا تھا اور عموماً اس قسم کے خیالات اشعار مین ظاہر کرتا مثلاً پتون کی جنبش اور بادلون کی حرکت زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے کافی ہے" اگر الف لیلہ کا جن ایک ہی رات مین درختون پتون اور تمام چیزون کو اڑا کر لے جاتا۔ اور بادلون اور بلند عمارتون کو نظرون سے پوشیدہ کر لیتا تو وہ اسکو نئی زندگی کا ایک تحفہ خیال کرتا۔

پوسٹماسٹر کی تنخواہ بہت تھوڑی تھی۔ وہ اپنی روٹی خود پکاتا اور اس گانون کی ایک یتیم لڑکی رتن کو کھانے مین شریک کر لیتا جو اسکی خدمت کیا کرتی تھی شام کے وقت جب گانون کے ہر ایک گھر سے دھوئین کے بادل اُٹھنے شروع ہوتے اور ہر طرف سے پیہون کی پی کہان فضا مین گونجنے لگتی۔ جب دبوتا بال کے چیلے جمع ہو کر طرح طرح کے راگ الاپتے۔ جسوقت ایک شاعر بانس کے پتون کی سرسراہٹ

نوٹ۔ اس افسانے کا ترجمہ اس سے پہلے بھی اُردو مین ہو چکا ہے مگر موجودہ ترجمہ زیادہ مکمل ہے۔ اسلیے ہدیۂ ناظرین ہے۔ ۱۲ منہ۔

کا نظارہ دیکھکر بھوت پریت کے خیالی اثر کو اپنے جسم پر محسوس کرنے لگتا اسوقت پوسٹماسٹر اپنا لیمپ روشن کرتا اور پکارتا "رتن"

رتن جو باہر بیٹھی ہوئی اسکی آواز کی منتظر رہتی جواب دیتی "کیا آپ نے مجھے بلایا ہے"

"تم کیا کر رہی ہو" "مین باورچی خانہ مین آگ جلانے جا رہی ہون"

وہ کہتا "پہلے مجھے حقہ تو پلاؤ"

آخر رتن خوش خوش کوئلون کو پھونکین مارتی ہوئی اندر آجاتی اور پوسٹماسٹر کو باتین کرنے کا موقعہ مل جاتا۔

رتن! کیا تمہین اپنی ماں بھی یاد آتی ہے۔

یہ موضوع رتن کے لیے بہت خوشگوار تھا اسکو اس زمانہ رفتہ عہد کی چند باتین یاد تھین۔ اُس کا باپ ماں کی بہ نسبت اسکو زیادہ چاہتا تھا۔ شام کے وقت اسکا کام پر سے واپس آنا رتن کو اچھی طرح یاد تھا وہ پوسٹماسٹر کے پاس فرش پر بیٹھ جاتی اور اپنے چھوٹے بھائی کو یاد کرتی جو برسات کے موسم مین تالاب کے کنارے اسکے ساتھ مچھلیان پکڑا کرتا تھا باتین کرتے کرتے رات ہو جاتی۔ آخر رتن جلدی سے اُٹھکر آگ جلاتی اور کچی پکی روٹیان پکا لیتی،

کبھی کبھی شام کو جھونپڑی مین کرسی پر بیٹھے بیٹھے پوسٹماسٹر ایام گذشتہ کی یاد مین مستغرق ہو جاتا گھر، ماں، باپ، بھائی بہن ایک ایک کرکے اسے یاد آتے، اور اسکا دل دفعۃ اضطراب ہو جاتا۔ اگرچہ انکی تصویر ہمیشہ اسکی آنکھون کے سامنے پھرا کرتی تھین مگر وہ کبھی کسی پر نہ ظاہر کرتا ہان بعض اوقات وہ رتن کی موجودگی مین سب کچھ صاف صاف کہہ جاتا تھا،

اسکا اثر یہ ہوا کہ رتن کو پوسٹماسٹر کے رشتہ داردن سے غائبانہ الفت ہو گئی اور انکو درجہ بدرجہ ماں باپ بھائی بہن تصور کرنے لگی، ان کی خیالی تصویرین اسکے صفحۂ دلپر منقوش ہو چکی تھین،

ایک دن برسات کے موسم مین دوپہر کو سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ہری ہری گھاس اور سرسبز پتون کی جنبش سے جو ہوا نکلتی تھی وہ گویا گرم گرم سانس تھی ایک پپیہا اپنے نالہ ہائے شوق انگیز سے سننے والون کے قلوب مین آگ لگا رہا تھا، پوسٹماسٹر اپنی جھونپڑی مین بیکار بیٹھا

ہوا اس آتشین منظر کے نظارہ مین محو تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ "کاش اسوقت میرا کوئی دوست موجود ہوتا، صرف ایک ہستی ہے جسکو مین اپنے دل مین جگہ دے سکتا ہون۔ پپیہا بھی تو بس اسی کو پکار رہا ہے۔ پتون کی سرسراہٹ سے بھی یہی آواز آرہی ہے"

مگر کسیکو کیا خبر کہ ایسے نازک خیالات ایک غریب پوسٹماسٹر کے دلمین بھی سما سکتے ہین۔

پوسٹماسٹر نے ایک لمبی سانس لیکر کہا "رتن"

رتن باہر ایک درخت کے نیچے لیٹی ہوئے کچے پھل توڑ توڑکر کھا رہی تھی آواز سنکر یہ کہتی ہوئی دوڑی "دادا۔ کیا تمنے مجھے بلایا ہے"

پوسٹماسٹر "مین تمہین تعلیم دینے کی فکر مین ہون"

شام تک وہ رتن کو الف بے سکھاتا رہا۔ رتن چند دنون مین حرف شناس ہوگئی

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسات کبھی ختم نہوگی۔ خندقین گڑھے سب پانی سے لبریز تھے رات دن بارش ہوتی رہتی تھی۔ مینڈکون کی آوازون نے ایک حشر برپا کر رکھا تھا پانی کی گرج مکانون دشوار گذار ہوگئیں تھیں۔ راستہ چلنا دشوار تھا۔ ایکدن صبح کے وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ رتن دیر سے آواز کی منتظر تھی جب کوئی حکم نہ ملا۔ تو وہ کتاب ہاتھ مین لیکر آہستہ سے کمرے مین داخل ہوگئی پوسٹماسٹر بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اسکو سوتا ہوا سمجھکر وہ واپس لوٹنے لگی۔ لیکن ایک دھیمی آواز اسکے کان مین آئی "رتن"

اسنے پوچھا "دادا کیا تم سو رہے"

پوسٹماسٹر نے کمزور آواز مین جواب دیا "مین بیمار ہون۔ مجھے کتنا گرم ہے"

وہ اس غریب الوطنی کی مصیبت مین بھانکتا تھا اس برسات کے اندھیرے اور اس ٹپکتے ہوئے چھپر کے نیچے ایک نازک اندام تیمارداری کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی گرم پیشانی پر کسی نازک ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کرنا چاہتا تھا یعنی وہ جنس لطیف کی موجودگی کا خواہشمند تھا۔ ماں اور بہن کی جدائی اسے بیچین کر رہی تھی۔ مگر اسکو اس تمنا مین ناکامی نہوئی۔ اب رتن بچی نہ تھی۔ وہ حکیم کو بلاتی مناسب وقت پر بیمار کو دوائی پلاتی ساری رات اسکے سرہانے بیٹھی رہتی۔ کھچڑی پکاتی اور تھوڑی دیر کے بعد پوچھتی "دادا کیا اب تم اچھے ہو"

ابھی پوسٹماسٹر کمزوری کے باعث بستر علالت سے اُٹھنے کے قابل نہ تھا کہ اُسنے اپنے تبادلے کی درخواست بھیجدی۔

پوسٹماسٹر اچھا ہوگیا۔ اسکی تیمارداری سے فارغ ہوکر رتن نے پھر دروازے کے باہر اپنے سابقہ جائے نشست پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ مگر اب پوسٹماسٹر کے پکارنے کی آواز نہ سنائی دیتی اور کبھی کبھی دروازے سے جھانک لیا کرتی۔ پوسٹماسٹر کرسی پر بیٹھا ہوا یا بستر پر لیٹا ہوا ٹکٹکی باندھے جیت کی طرف دیکھتا رہتا۔ رتن اسکی آواز کی منتظر تھی اور وہ اپنی درخواست کے جواب کا۔ لڑکی اپنا آموختہ بار بار دوہراتی۔ کہ کہیں ایسا نہو وقت پر حروف یاد نہ رہیں ایک ہفتہ کے انتظار کے بعد پوسٹماسٹر نے اسے پکارا۔ رتن خوشی کے مارے اُچھل پڑی۔ اور حسب عادت چلائی "دادا! آپ مجھے بلا رہے ہیں؟"

"رتن مین کل جا رہا ہون"۔

"دادا تم کہان جا رہے ہو"

"مین گھر جا رہا ہون"

"واپس کب آؤ گے"

"اب مین واپس نہین آؤن گا"

رتن خاموش ہوگئی۔ پوسٹماسٹر اپنی درخواست کی نامنظوری اور استعفے کا حال سناتا رہا پھر دیر تک دونون خاموش رہے۔ لمپ کی دھندلی سی روشنی دونوں کے چہرون پر پڑ رہی تھی جو پنکھے کے کونے سے پانی کے قطرے ٹپک ٹپک کر ایک مٹی کے برتن مین گر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد رتن اُٹھی اور کھانا تیار کرنے چلی گئی۔ اسکے ننھے سے دماغ مین بہت سے خیالات جمع ہوگئے۔ کھانے کے بعد اسنے پوچھا "دادا۔ کیا تم مجھے بھی ساتھ لے چلو گے"

پوسٹماسٹر ہنس پڑا اور بولا کیا عجیب خیال ہے۔ مگر اسنے لڑکی کی سادہ لوحی اُس پر ظاہر نہ کی۔

ساری رات سوتے جاگتے پوسٹماسٹر کا یہ تمسخر آمیز جواب رتن کے دماغ مین تھا "کیا عجیب خیال ہے"

پوسٹماسٹر صبح کو نہانے کا عادی تھا، لیکن دریا مین نہانا اسے پسند نہ تھا۔ وہ سُوٗ اُٹھ کے گھر ہی مین گھڑون کے پانی سے نہایا کرتا تھا۔ رتن کو اسکی روانگی کا وقت معلوم نہ تھا اس خیال سے وہ طلوع آفتاب سے پہلے ہی ندی سے پانی بھر لائی تھی۔ پوسٹماسٹر نے بیدار ہوتے ہی غسل کیا، اور پھر رتن کو آواز دی وہ بغیر آواز دیئے اندر چلی گئی اور پوسٹماسٹر کے چہرے کو حسرت سے تکنے لگی۔

"رتن! تمھین میرے جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیے مین اپنے جانشین کو تمہاری خبر گیری کے لیے تاکید کر دون گا"

گو یہ الفاظ مربیانہ ہمدردی سے پُر تھے۔ مگر عورت کا احساس قلب ایک نرالی چیز ہے رتن جو آقا کی لعنت ملامت کو بغیر چون وچرا برداشت کرتی رہی تھی ان تلطف آمیز الفاظ کی متحمل نہ ہوسکی وہ بے اختیار رو پڑی اور کہنے لگی۔ "نہین نہین آپ میرے متعلق کسی کو نہ کہین مین اب یہان ٹھہرنا نہین چاہتی" پوسٹماسٹر ہکا بکا رہ گیا۔ اسنے رتن کی یہ حالت پہلے کبھی نہین دیکھی تھی۔

نیا آدمی آگیا۔ پوسٹماسٹر چارج دیکر روانگی کی تیاری مین مصروف ہوا اسنے رتن کو بلا کر کہا۔ لو یہ روپئے تمہارے لیے کچھ مدت کو کافی ہونگے، یہ کہکر اسنے ایک مہینے کی پوری تنخواہ جیب سے نکالی"

مگر رتن اسکے پاؤن پر گر پڑی اور رو رو کر کہنے لگی،

"دادا۔ خدا کے واسطے مجھے کچھ نہ دو میری فکر نہ کرو" یہ کہکر وہ بھاگ کر نظر سے پوشیدہ ہوگئی۔

پوسٹماسٹر نے ایک آہ بھری۔ بستر اُٹھایا ٹرنک ایک نوکر کے سر پر رکھا اور چھتری کندھے پر رکھکر کشتی کی طرف روانہ ہوگیا کشتی چل پڑی دریا برسات کی وجہ سے زور شور سے موجین مار رہا تھا گویا زمین کی آنکھون سے آنسو اُبل رہے تھے۔ پوسٹماسٹر کی آنکھین ڈبڈبا گئین، رتن کا معصوم چہرہ اُسکی نظرون کے سامنے زبان حال سے بیوفائی کی شکایت کر رہا تھا۔ وہ فوراً واپس جاکر اس بیکس بیکی کو واپس لانے کے لیے تیار ہوگیا۔ مگر بادبان ہوا سے بھر چکے تھے کشتی کی رفتار تیز ہوچکی تھی اور گاؤن پیچھے رہ گیا تھا۔

دریا کے طوفان کی موجون کے ساتھ سفر کرنے والا مسافر دوستی اور جدائی کی فلسفیانہ

خیالات مین محو ہوگیا۔ اور اس جدائی پر غور کرنے لگا۔ جس کے بعد کوئی ذی روح دنیا مین واپس نہین آسکتا مگر رتن کے پاس کوئی منطق نہ تھی وہ زار زار روتی تھی اور آنسوؤن کا مینھ برساتی ہوئی ڈاکخانہ کے اردگرد دوڑتی تھی۔ شاید اسکو اب بھی امید تھی کہ پوسٹماسٹر واپس آجائیگا۔ یہی سبب تھا جو اسے وہان سے جانے نہ دیتا تھا۔

ہماری حماقت آمیز بشریت قابل افسوس ہے۔ ہم اپنی پُرآرزو غلطیون کو درست جانتے ہین۔ اور بین ثبوت بھی قابلِ یقین تصوّر نہین کرتے ایک شخص کسی موہوم امید کے پیچھے اپنے کو اسطرح مٹا دیتا ہے کہ ایک دن اسکا افسردہ دل مردہ حسرتون کا مزار بن جاتا ہے۔ پھر حقیقی معنون مین نہ دل ہوتا ہے نہ دل کی تمنائین اور نہ وہ اُمید جسنے زندگی کا سارا کھیل بگاڑ ڈالا۔

(ترجمہ از ٹگور) محمد شاہ ولی یمنی بی اے آنرز ملتان

ہندوستان کی کُل آبادی ۳۱۸۹۴۲۲۸۰ ہے اسمین سے ۱۶۳۹۹۵۵۵۴ مرد ہین اور ۱۵۴۹۴۶۹۲۶ عورتین گذشتہ دس سال مین ۳۷۰۶۵۰۴ نفوس کی زیادتی ہوئی ہے۔ مذہب کے اعتبار سے مندرجہ ذیل شمار و اعداد قابلِ لحاظ ہین۔

ہندو	۲۱۶۷۳۴۵۸۶
مسلمان	۶۸۷۳۵۳۲۲
بدھ مذہب کے پیرو	۱۱۵۷۱۲۶۰
مسیحی	۴۷۵۴۰۷۹
جینی	۱۱۷۰۵۹۶
پارسی	۱۰۷۷۰
یہودی	۲۱۷۷۰
ارواح کو ماننے والے	۹۷۷۴۶۱۱
دوسرے مذاہب کے پیرو	۱۷۹۰۹

سکوتِ شام

سکوتِ شام ہے خاموش بستی ہوتی جاتی ہے — موذن کی صدا ہلکی ہوا کے ساتھ آتی ہے
صبا پتّون سے مِل مِل کر سہانے گیت گاتی ہے — کہ اب درماندہ دن کو رات پہلو مین سلاتی ہے

سرور و انبساط و لطف کے ہمراہ شام آئی
نوید امن و راحت لائی پیغامِ سکون لائی

شفق پھولی فلک پر سُرخ بادل کچھ نظر آئے — یہ گھر کے لال دیوان سُرخ دیوارون کے سر آئے
چمن کی سیر کر کے لوگ اپنے اپنے گھر آئے — چھتین سونی پڑی ہین کھیل کر بچّے اوتر آئے

چراغ اب رفتہ رفتہ ہو چلے روشن مکانون مین
بسیرے کے لیے جاتی ہین چڑیان آشیانون مین

بجا گھنٹہ شوالے کا پجاری نے بھجن گایا — عبادت مین بھی رس انداز موسیقی سے لطف آیا
عقیدت نے بتون بھی خدا کا حُسن دکھلایا — کچھ ایسا درد تھا آواز مین دل سنکے بھر آیا

خموشی مین بپا یک گونج اُٹھے دیوار و در سب ہی
سڑک پر چلنے والے جھوم کر گانے لگے خود بھی

سیہ پوش ہوتا جاتا ہے جہان آہستہ آہستہ — اندھیرا ہو رہا ہے حکمران آہستہ آہستہ
مٹا جاتا ہے اب دن کا نشان آہستہ آہستہ — لیے آتی ہے شب امن و امان آہستہ آہستہ

خموشی چھا رہی ہے شور و غل کم ہوتا جاتا ہے
اُجالا گھٹ چلا تاریک عالم ہوتا جاتا ہے

ملاحت ہر طرف پھیلی ملاحت ہر طرف چھائی — کہ ہلکے ہلکے کالے رنگ کی چادر مین شام آئی
پیامِ امن و راحت ساری دنیا کے لیے لائی — مگر افسردگی ہر شام ہے اِک شامِ تنہائی

سکون و خامشی کا دور از مہر تا بہ ماہی ہے
جہانمین ایک مین ہون اور اک شب کی سیاہی ہے

حامد اللہ افسر

رموزِ ہستی

از نتیجۂ فکر نواب محمد وصی علیخان وصف لکھنوی

ازل مین رنج و دنیا سے فراغت مجھکو حاصل تھی
برنگِ چہرۂ تصویر عشرتِ ہستی دل تھی

مہیا تھا مرے دل مین سر و سامان آزادی
روش تھی جو مری تخیل کی حیرت مین شامل تھی

نظامِ ذوق یکجائی تھا میرے دل سے وابستہ
تمنا میری مثل خامشیٔ شمعِ محفل تھی

منازل زیست کے طے ہو رہے تھے سوزِ ہستی سے
چمک داغِ جگر کی گردِ راہ ماہِ کامل تھی

عناصر مین نہ تھا کچھ اختلاف باطنی باہم
بہ ہمت سعی کارِ زندگی مین امر قابل تھی

مری روحِ مدلل تھی غریقِ بحرِ نورانی
سپیدی پیرہن کی مہر کے رخ سے مقابل تھی

نگاہین لے رہی تھین درس عبرت ذرہ ذرہ سے
طبیعت اپنی ویرانے کے نظارہ پہ مائل تھی

فنا کے راز سے مین جب ہوا ماہر تو کیا دیکھا
مری تسخیر مین میری تباہی رہنما قائل تھی

امید و بیم کا آئینہ اور اک تھا مرکز
مرے پیشِ نظر تصویر آسانی مشکل تھی

فنا تھی رہنمائے عرصۂ دشتِ بقا ہر دم
ضیائے خانۂ ہستی چراغِ حد منزل تھی

نظامِ زندگی اے وصف تھا اک منظرِ عبرت
صدا رنگِ شکستہ کی نفیر خوابِ غافل تھی

---

۱ مراد جانۂ اصلی سے۔

مچھّر کی کہانی

(از سیّد راحت حسین۔ بی۔ اے)

مچھّر کوئی بن کے آیا مہمان
مکھّی سے کہا کہ خالہ امان

جاڑون کی ہے فصل جب سے آئی
بھوکا ہون غذا نہین ہے کھائی

بھوکون سے ہوا کے ہونین ناچار
قابو مین نہین مرا تنِ زار

کرتی ہے ہلاک مجھکو سردی
چھپتے مین چھپا لو اچھی بی بی

بخشی ہے خدا نے تمکو دولت
فاقون سے بُری ہے میری حالت

مجھکو تو کرم کی آرزو ہے
اور جود و سخا کی تمکو خو ہے

کیا خوب ہے شہد کی عمارت
کیا شان بنا ہے کیا حلاوت

یعنی زرِ گل کا ہے خزانہ
ہے پھولون کے رس کا کارخانہ

دو لا دن تو سیر کو مین آؤن
اور شہد عطا کرو تو کھاؤن

مکھّی نے کہا کہ واہ کیا خوب
ہے آپکی التجا خوش اسلوب

دیتی نہین مین شہد زنہار
ہرگز نہین اس کے تم سزاوار

حاصل ہے وہ میری کاوشون کا
نایاب گران بہا ذخیرا

یہ گاڑھی کمائی محنت کیون دون
تو کون ہے تیرا منھ تو دیکھون

مچھّر یہ جوابِ تلخ پا کر
بھپر بولا ادب سے سر جھکا کر

ناچار ہوا ادھر کو آنا
گاتا ہون سنو مرا ترانا

ماہر ہون مین فن موسیقی کا
دنیا مین رواں ہے اپنا سکّا

قدرت نے کیا مجھے سرافراز
ڈوبی ہے سُرون مین میری آواز

حُسن سیدی ازل سے ہے مقرر — پیاری ہے رسیلی روح پرور
یہ دونون ہین میرے حیرت افزا — ہوتے ہین ترانے اُن سے پیدا
فطرت نے اُصول جو سکھائے — ہین ارث مین کل وہ مین نے پائے
یہ کہکے وہ خوب بھنبھنایا — راگ اپنا الاپ کر سُنایا
گونج اُٹھی فضا جو لے ہوئی تیز — ہر موج ہوا تھی زمزمہ خیز
دم لے کے جو پھر لگائین تانین — سناٹے مین آئین نغمی جانین
نغمے نے عجب اثر دکھایا — اِک درد تھا دل مین گھر کر آیا
وہ نازو ادا وہ اُسکی چشم خم — چھتے مین سکوت کا تھا عالم
اِسطرح غرض جب اِسنے گایا — باتون مین پھر اپنی یون لگایا
مخلوق ہون اِک ضعیف و نادار — غربت سے ہون اپنی مین دل افگار
باقی نہین دل مین خود پرستی — موہوم سی کچھ ہے اپنی ہستی
سامان ہون جو میرے نوش و نور کے — اسرار بتاؤن تال و سُر کے
بچونکو سکھاؤن گا مین گانے — کھماج کے دادرے ترانے
اے ساقی دلربا خوش اخلاق — خمخانے کا تیرے ہونمین مشتاق
فاقون سے نہین ہے مجھمین اب دم — محروم کرو نہ اچھی خانم
پھر کی یہ سُنکے خوش بیانی — گویا ہوئی مکھیون کی رانی
اے مطربِ خوش نوا کہون کیا — باتون کا تری جواب دون کیا
بیشک ہے تو اپنے فن مین کامل — پر فائدہ کیا ہے؟ کیا ہے حاصل؟
محتاجِ غذا ہے بے نوا ہے — افلاس مین تو تو مبتلا ہے
نے جاہ نہ عزت و نکوئی — کیون سیکھے ہنر کو تیرے کوئی
دولت نہ ہے نہ مال و زر ہو — اور جس سے نہ زندگی بسر ہو
کرتا ہے زمانہ یہ اشارے — بیکار ہین علم و فن وہ سارے
مچھر نے سُنی جو یہ نصیحت — بھوکا تھا بہت پہ آئی غیرت
بولی یہ حیا کہ لو چلو بس . — شرمندہ گیا وہ گھر کو واپس

غزل حضور والا

خاندان تیموریہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ کی ایک غزل ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے شاید اُنکے موجودہ دیوان مین یہ غزل نہ ہو۔ یہ غزل مندرجہ بالا عنوان سے "اخبار دہلی" نامی اخبار بابت ۵ رجنوری ۱۸۳۷ء یوم یکشنبہ جلد ۳ نمبر ۱۵ مین درج ہوئی ہے۔ اس اخبار مین ایک ورق "حالات حضور والا" کے عنوان سے بادشاہ کے مخصوص حالات کے لیے وقف ہوتا تھا اسی ورق پر یہ غزل طبع ہوئی ہے۔ یہ ہفتہ وار اخبار زیر ادارت مولوی معین الدین وارا لسلطنت سے نکلتا تھا اسکی حیثیت سرکاری یا نیم سرکاری تھی۔ امین شاہی کمپنی کے سفرا کی بار یابی کے حالات کمپنی کی درخواستین موصومہ بادشاہ درج ہوتی تھین دنیا بھر کی ضروری خبرین خصوصاً افغانستان اور ٹرکی کے انگلستان اور روس سے آویزش کے واقعات بھی چھپتے تھے بھوپال کی حمیدیہ لائبریری مین چند پرچے محفوظ ہین۔

محمد اسمٰعیل ہاتف بھوپالی

دل کو دیکھا کہ اک سیر جہان اس مین بھی ہے
جو کہ ہے اعیان مین وہ سب عیان اسمین بھی ہے

کیا ہوا تیری جبین پر ہے اگر چین جبین
آسمان کو دیکھ خط کہکشان اسمین بھی ہے

دل نہین تاریک گھر آوے ترا غم شوق سے
تیرے رونے کے باعث تا بان اس مین بھی ہے

کشتی گردون کو تھی کیا بادبان کی احتیاج
پر مرے نالے نے باندھا بادبان اسمین بھی ہے

جائے نافرمان زمین باغ سے نکلے ہے دود
دفن شاید کوئی تیرا تفتہ جان اسمین بھی ہے

ہجر سے مضطر پھرے پروانہ گر، بہتر ہے شمع
وصل کیا ہوئے گا جب جی کا زیان اسمین بھی ہے

دل جگر دونون نہین خالی خلش سے عشق کے
یعنی گر پیکان ہے اسمین تو سنان اسمین بھی ہے

سخت کوئی شے نہین دنیا مین تیرے سوا
عشق کی گرمی سے پر آتش فشان اسمین بھی ہے

ہو گیا دل خاک سوز غم سے ایسا جل بجھا
شمع بجھتی ہے تو کچھ رہتا دھوان اسمین بھی ہے

عشق مجسم بیکران سے کم نہین کچھ اے ظفر
خوف جان اسمین بھی ہے اور خوف جان اسمین بھی ہے

لطفِ سخن

جناب اصغر گونڈوی

نہوگا مستیِ بے مدعا کا رازداں برسوں
وہ زاہد جو رہا سرگشتۂ سود و زیاں برسوں

ابھی مجھ سے سبق لے محفلِ روحانیاں برسوں
رہا ہوں میں شریکِ حلقۂ پیرِ مغاں برسوں

کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمۂ رنگیں
کہ فرطِ ذوق سے جھومی ہے شاخِ آشیاں برسوں

جبینِ شوق لائی ہے وہاں سے داغِ ناکامی
یہ کیا کرتی رہی کمبخت تنگِ آستاں برسوں

زبانِ خامشی کی قدر اب جاکر ہوئی مجھ کو
مگر جب رہ چکا شرمندۂ آہ و فغاں برسوں

تمہاری نرگسِ مخمور شاید اس سے واقف ہو
رہی ہے مجھ پہ کیوں سرمستیِ خوابِ گراں برسوں

وہی تھا حال میرا جو بیاں میں آ نہ سکتا تھا
جسے کرتا رہا افشا سکوتِ رازداں برسوں

صنمخانہ میں آکر آہ بھی اک کھچ نہیں سکتی
حرم میں رہ کے گو زاہد نے کی مشقِ اذاں برسوں

میں وہ ہرگز نہیں جسکو قفس میں موت آتی ہو
میں وہ ہوں جس نے خود دیکھا نہ سوئے آشیاں برسوں

خروشِ آرزو ہو، نغمۂ خاموشِ الفت ہو،
یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغاں برسوں

وہاں کیا ہے نگاہِ ناز کی ہلکی سی جنبش ہے
مزے لے لے کے اب تڑپا کریں اربابِ جاں برسوں

محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگیں سے
رہا ہوں آشیاں میں لیکے برقِ آشیاں برسوں

غزل میں درد رنگیں تو نے اصغر بھر دیا ایسا
کہ اس میدانِ غم روتے رہینگے نوحہ خواں برسوں

جناب اثر لکھنوی

اب حوصلے فغاں کے نہ ضبطِ فغاں کے ہیں
طالب کسی سے اک نگہِ جانستاں کے ہیں

باد سحر نہ پوچھ ارادے کہان کے ہین
ہم ناتوان سرلغ مین عمر روان کے ہین

اللہ ری شوق دید کی معجز نمائیان
حیرتکدہ مین دل کے نشان لامکانکے ہین

کچھ داغ ہین جو سینۂ پرخون مین لالہ سان
یہ نقش اولین مرے دردنہانکے ہین

بجلی بنین گے خانۂ صیاد کے لیے
تنکے بچے ہوئے جو مرے آشیان کے ہین

دانستہ جس نے شوق مین منزل کو گم کیا
دنبالہ گرد ہم بھی اُسی کاروان کے ہین

سجدے مین جن کے سامنے جھکتے ہین آسمان
وہ خاک آرمیدہ ترے آستان کے ہین

اک دن بہار دیکھ دل لخت لخت کی
یہ اشک گلفروش اُسی بوستان کے ہین

فقرے جو بیخودی مین زبان سے نکل گئے
سرمایہ دار علم بدیع وبیان کے ہین

ہین تر زبان مذمت صہبا مین شیخ عصر
یہ تلخ تجربے انہین آخر کہان کے ہین

کل تک جو بزم عیش مین تھے جان انجمن
سائل وہ آج موت سے خواب گرانکے ہین

کعبے کا عزم اور یہ بیہوشیان اثر
شکوے زبان پہ سختیٔ جور بتان کے ہین

جناب تنویر

نظر آتا نہین اب تار گریبان کوئی
اور کس طرح کہے قصہ ہجران کوئی

دست وحشت کو ہے پابندیٔ آئین محال
اب رہے یا نہ رہے تار گریبان کوئی

خاک اظہار تمنا لب خاموش کرین
پوچھتا ہے سبب نالۂ ہجران کوئی

جس طرح طور پہ کی جلوہ فزائی تم نے
اس طرح بھی کہین ہوتا ہے نمایان کوئی

کیا رہا مجھ مین بہ جز حسرت امید فضا
اب ہوا جور سے بے کار پشیمان کوئی

لب جان بخش پہ تحریر تبسم عیان
آج کرتا ہے نئی طرز سے پیمان کوئی

کون جانے مرے چہرے سے عیان کیا تھا مگر
اُٹھ گیا ہے سر بالین سے پریشان کوئی

آپ اور گور غریبانکی طرف ناز خرام
اُٹھنے والا ہے مگر فتنۂ عریان کوئی

یون تو تنویر دوائے دل وحشی ظاہر
کاش اُلٹے دے زخمون پہ نمکدان کوئی



فصلی بخار و طحال کی دوا



فصلی بخار اور طحال کیلئے یہ ایک ہی دوا ہے

آجکل سینکڑون استعمار فصلی بخار و طحال کی دوا کے آپ دیکھے ہونگے مگر انمین عموماً کونین جزو رہتی ہے اسلیئے یہ دوائین بخار کو کچھ وقت تک تو روک دیتی ہین مگر جڑ سے آرام نہین کرسکتی ہین

ایسے بخار کے لیئے ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی فصلی بخار و طحال کی دوا چند روز مین ایک دم آرام کرنے کا خاص دعوی رکھتی ہے اور عوام کے فایدہ کو مدنظر رکھ کر قیمت بھی بہت ہی کم رکھی گئی ہے اسمین تین خاص صفتین ہین۔

(۱) یہ ملیریا کے کیڑون کو مار دیتی ہے اس لیئے چار پانچ ہی خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے۔

(۲) یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے اور اسکی خرابیون کو مٹاتی ہے۔

(۳) یہ طحال کو گلاتی ہے۔ قیمت فی شیشی کلان عہ شیشی خورد ۱۰ ار محصول ڈاک شیشی کلان ۸ر اور خورد ۷ر

پرانے ملیریا بخار کی گولیان

لرزہ بخار پرانا ہوجانے پر باری سے نہ آکر دن رات تھوڑا بہت چڑھا رہتا ہے جسم کا خون پانی سا ہوجاتا ہے اور رنگ پھیکا میلا ہوجاتا ہے تھوڑی محنت سے کلیجہ کانپنے لگتا ہے سانس پھولتی ہے۔ کھانے کی خواہش اور قوت بہت ہی گھٹ جاتی ہے تلی کے بڑھنے سے پیٹ مخل آتا ہے کبھی منھ اور ہاتھ پیرون مین ورم آجاتا ہے اور زندگی وبال ہوجاتی ہے ایسی حالت مین یہ گولیان فایدہ کرتی ہین اور چار پانچ ہی خوراک مین بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے۔ قیمت پچیس گولیونکی ڈبیہ ۱۰ ار محصول ڈاک ایک ڈبیہ تک ۱ر دو ڈبیہ تک ۲ر

کونین کی گولیان

یہ چار گرین کی خوبصورت چھوٹی چھوٹی ٹکیان کل مین بنتی ہین اور سنہری پینٹ ڈبیہ مین ہوتی ہین کونین کا استعمال کرنیوالے گولیان اپنے پاس رکھیے اسمین نہ وزن کی ضرورت ہے نہ کھانے مین تلخ ہے قیمت ۲۵ گولیونکی ڈبیہ عہ ر محصول ڈاک ۱ر

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایجنٹ دیبی دین اینڈ سنز۔ کلکٹر گنج۔ کانپور

اخبار

آزاد

آردو کا بہترین ملکی اخبار جو ایڈیٹر زنانہ کی زیر نگرانی ہر چہارشنبہ کو کانپور سے شایع ہوتا ہے۔ آزاد ملکی واقعات کا ایک مکمل آئینہ ہے

قیمت سالانہ لہ شماہی ۱ر بغیر محصول مفت منیجر آزاد کانپور

قوت بڑھانیوالی عجیب طاقت دینے والی تمام قسم کے جریان اور سلسل بول

دور کرنیوالی ہمالیہ پربت کی اکسیر اعظم دوا

شدھ سلاجیت

اسکے استعمال سے خواب میں احتلام ہونا اور دھات کا پتلا پڑجانا تمام قسم کے جریان اور پیشاب کا زیادہ آنا۔ بدن کی سستی دور کر تھکاوٹ۔ بھوک کم لگنا۔ دماغی طاقت کا کم ہوجانا۔ کھانسی اور معدے سے خون آنا کھٹا ہوجانا تمام بدنین درد ہونا۔ بواسیر خونی وبادی۔ سفید کوڑھ۔ سوزاک جدید وکہنہ اور مرگی کی بیماری کو دور کرتا ہے

قیمت ۵ تولہ عدد ۱۰ تولہ ۱۰ عدد خرچہ ڈاک ۵ر

قیمت ۲۰ تولہ ۲۰ عدد ۴۰ تولہ ۴۰ عدد ۱۰ر

برہمی بوٹی بڑکا

اسکے تھوڑے ہی دن استعمال کرنے سے یادداشت بہت تیز ہوجاتی ہے اور حافظہ کو جسم کی خوبصورتی اور گٹھن کو۔ آنکھوں کی روشنی بڑھانے کو بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ وکیل بیرسٹر طلبہ۔ ڈاکٹر پلیڈر۔ انجینیر فرض یہ کہ دماغ کا کام کرنے کے لیئے ہر انسان کو ضرور استعمال کرنی چاہیئے۔ یہ گویائی کو بڑھا۔ ہکلان کو دور کرتا ہے کھانسی۔ زہریلی سوجن وغیرہ کو آرام کرتی ہے اور بوٹی آواز کو صاف اور باریک کرتی ہے قیمت عدد خرچ ڈاک ۵ر تین ڈبیوں کے خریدار کو خرچہ ڈاک معاف۔

سوزاک کی دوا

اس دوا کے سات روز استعمال کرنے سے کیسا ہی نیا اور پرانا سوزاک ہو فوراً آرام ہوجاتا ہے دو خوراک دوا کھاتے ہی پیشاب کی جلن۔ کڑک اور پیلی رنگت جاتی رہتی ہے دھار کے ساتھ پیشاب ہونے لگتا ہے سوزاد اور خون بند ہوجاتا ہے سات روز استعمال کرنے سے سوزاک کو بالکل صحت ہوجاتی ہے قیمت عدد دو روپیہ عدد خرچہ ڈاک ۵ر فوٹ پرچہ ترکیب استعمال ہر دوا کے ہمراہ روانہ کیا جاتا ہے۔

المشتہر منیجر ہمالیہ ڈپو۔ مرادآباد۔ یو۔پی